مرتب
نند کشور وکرم

جلد ۲

وکاس دت

ترتیب

نظمیں

مضامین

پیش لفظ

حصولِ آزادی سے پیشتر اُردو، برصغیر کی مقبول ترین زبان تھی۔ سرکاری طور پر ہندوستانی زبانوں پر فوقیت حاصل ہونے کے علاوہ اسے عوام میں بھی ہر دل عزیزی اور مقبولیت کا شرف حاصل تھا۔ اپنی شیرینی و سلاست کی وجہ سے یہ زبان صوبہ سرحد سے بنگال تک اور کشمیر سے مدراس تک مروج تھی۔ اخبارات و رسائل اور ادبی سرگرمیوں کے لحاظ سے لاہور، دلی، لکھنؤ، کانپور، پٹنہ، حیدرآباد، بھوپال، کلکتہ اور بمبئی جیسے متعدد اہم مرکز تھے مگر تقسیم ملک کی وجہ سے جہاں کئی نقصانات ہوئے وہاں اس ملک میں اس زبان کو بھی زبردست نقصان پہنچا۔

تقسیم کے بعد اردو بولنے اور پڑھنے لکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد پاکستان چلی گئی۔ اسکولوں اور کالجوں میں اردو طلباء اور اساتذہ کی تعداد بہت کم ہو گئی۔ اہل اردو اس زبان کے مستقبل سے اتنے مایوس ہو گئے کہ ان کے دل میں یہ خیال جاگزیں ہو گیا کہ آزاد ہندوستان میں اردو کچھ برسوں کی ہی مہمان ہے۔ لیکن جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد جیسی عظیم ہستیاں موجود تھیں جنھوں نے اردو کی بقاء و فروغ نیز اسے اس کا جائز مقام دلانے کا یقین دلایا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑا قدم یہ اٹھایا گیا کہ ملک کے دستور میں اُردو کو ملک کی چودہ قومی زبانوں میں شامل کیا گیا اور اس طرح اردو کو دوسری زبانوں کی طرح پھلنے پھولنے کے لئے تمام آئینی حقوق حاصل ہو گئے۔ اس کے بعد دوسرا اہم قدم سہ لسانی فارمولہ تھا جس کے تحت ہر اُردو بولنے والا بچہ اسکول میں اردو تیسری زبان کے طور پر پڑھ سکتا ہے۔

اُردو کی ترقی و ترویج کے لئے سب سے پہلے ۱۹۶۹ء میں مرکزی حکومت

تعلیم کے تحت نئی دلی میں ترقی اُردو بورڈ قائم کیا گیا۔ اس ادارے نے تحقیق و تنقید، شعر و ادب، سائنس، ٹکنالوجی، لسانیات، معاشیات، حیاتیات، قانون، طب، تاریخ، فلسفہ، زراعت، انجینئرنگ، تجارت، نفسیات، نیز تعلیم بالغان اور بچوں کے ادب سے متعلق تقریباً ساڑھے چار سو کتابیں شائع کی ہیں۔ علاوہ ازیں اس ادارے نے فن خوشنویسی کی تربیت کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں پچیس کے قریب مرکز قائم کئے۔ نیز اُردو ٹائپ رائٹر کو بھی سرکاری اور غیر سرکاری دفتروں میں معمول عام بنانے میں بڑا کام کیا۔

اس کے بعد ریاستوں میں اُردو اکادمیاں قائم کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ سب سے پہلے اُتر پردیش میں اُردو اکادمی کا قیام عمل میں آیا۔ بعد ازاں بہار، مغربی بنگال، آندھرا پردیش، مدھیہ پردیش، دلی، راجستھان، کرناٹک اور ہریانہ میں اردو اکادمیاں قائم کی گئیں جنہیں اردو کی ترقی و ترویج کے لئے ایک کروڑ روپے سے زائد رقم فراہم کی گئی۔ ان اکادمیوں نے ادباء و شعراء کو اعزازات و انعامات عطا کئے، کتابوں کی اشاعت کے لئے مالی امداد بہم پہنچائی اور علم و ادب سے متعلق سیمیناروں اور کانفرنسوں کا اہتمام کیا۔ ان اکادمیوں نے کلاسیکی اور اعلیٰ درجہ کی ادبی تخلیقات کی اشاعت و طباعت کا کام بھی انجام دیا نیز ضرورت مند شاعروں اور ادیبوں کے علاوہ ان کے کنبے کے اراکین کو وظیفے اور مالی امداد بہم پہنچائی۔ بعض اکادمیوں نے اپنی ترقیاتی سرگرمیوں اور علم و ادب کی پیش رفت سے متعلق جانکاری فراہم کرنے کیلئے خبر ناموں اور رسائل کو بھی اجرا کیا۔

آزاد بھارت میں اردو صحافت نے بھی غیر معمولی ترقی کی ہے اس ترقی کا اندازہ ان اعداد و شمار سے ہو گا ۱۹۴۷ء میں ملک میں اردو اخبارات کی کل تعداد تقریباً ساڑھے تین سو تھی جو اب ڈیڑھ ہزار کے قریب پہنچ چکی ہے یعنی تعداد پانچ گنی ہو گئی۔

حصول آزادی کے بعد اردو کے درس و تدریس میں بھی قابل قدر ترقی ہوئی ہے۔ ملک کی کئی ریاستوں میں پرائمری اور ثانوی سطح پر تعلیم کی سہولیات بہم پہنچائی گئیں اور اسکولوں میں بڑی تعداد میں اردو اساتذہ رکھے گئے۔ عام اسکولوں کے علاوہ مرکزی اسکولوں میں بھی ان طلباء کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے، اردو تعلیم کا اہتمام کیا گیا ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء کی تعداد میں غیر معمولی اضافے کے ساتھ ساتھ اساتذہ کی تعداد بھی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ ساٹھ سے زیادہ یونیورسٹیوں میں اب اردو پڑھائی جا رہی ہے جہاں اردو اساتذہ کی تعداد ایک ہزار کے قریب ہے جو آزادی سے پیشتر کی تعداد سے کئی گنا ہے۔

●

اس شمارے کا مقصد اردو قارئین کو سال بھر کا منتخب اردو ادب پیش کرنے کے علاوہ انہیں ادبی سرگرمیوں سے متعارف کرانا اور تحقیقی اور معلوماتی مضامین پیش کرنا ہے۔ مجھے پوری طرح احساس ہے کہ اس میں کئی خامیاں رہ گئی ہیں خصوصاً سوانحی اشاروں میں بہت سے مشہور ادباء شعراء شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کئی بار خطوط لکھنے اور یاد دہانی کرانے پر بھی متعدد ادبی شخصیات نے اپنے حالات مہیا نہیں کئے اور زیادہ تر معلومات کتابوں اور رسالوں سے اکٹھی کی گئی ہیں تاہم آئندہ شمارے کو اس سے بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی میں پروانہ ردولوی، دیویندر اسر، راج نرائن راز اور دیگر احباب کا مفید مشوروں، رسالوں اور تصویروں کی فراہمی کے لئے شکر گزار ہوں۔ علاوہ بریں میں ہندو پاک کے ان مدیران کرام کا بھی ممنون ہوں جن کے رسائل و جرائد سے تخلیقات مستعار لی گئیں ہیں نیز میں ان اہل قلم کا بھی شکر گزار ہوں جن کی نظمیں غزلیں افسانے اور مضامین اس میں شامل اشاعت کئے گئے۔

خند کشور وکرم
یکم ستمبر ۱۹۸۸ء

جے - ۶ کرشن نگر
دہلی ۱۱۰۰۵۱

اجیت سنگھ

جب میں نے گھر کے اندر قدم رکھا تو مجھے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔ اس پریشانی کا سبب جانتا تھا۔ پھر بھی میں چپ چاپ ماں کے پاس بیٹھ گیا۔ اس کے منہ سے اس کے خیالات سننا چاہتا تھا۔

مجھے سامنے دیکھ کر اس نے فوراً ہی اپنی بات شروع کر دی۔ "پریتو کی فکر مجھے اندر ہی اندر کھائے جا رہی ہے۔"

میں نے کچھ انجان بنتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کوئی نئی بات ہو گئی ہے؟"

"بات تو پرانی ہے مگر اب معاملہ کچھ زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ہم لڑکی والے ہیں ہمیں تو بہت سوچنا چاہئے تھا۔ ابھی ابھی مجھے خبر ملی کہ پریتو آج پھر دلباغ کے گھر گئی ہوئی ہے۔"

"لیکن ماں دلباغ چالیس برس کا ہو چکا ہے۔ مانا کہ آج بھی اس میں ایک قسم کا بانکپن ہے لیکن اٹھارہ برس کی پریتو کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟"

"واہ سنو۔ لڑکیوں کے معاملے میں دلباغ اتنا بدنام ہے...."

"لیکن ماں یہ بات بھی تو مشہور ہے کہ لڑکیوں کے معاملے میں وہ کبھی پہل نہیں کرتا لڑکیاں خود اس کے آس پاس منڈلاتی رہتی ہیں؟"

ماں کے ماتھے پر گہری شکن پڑ گئی۔ بولی۔ "اس سے کیا فرق پڑتا ہے ہماری لڑکی [illegible] تجھے تو ٹھیک ہی ہے۔"

میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا "جی نہیں میرا مطلب ہے کہ دلباغ کی شادی

ہی بھر دیکھتے ہی اس نے دشنوں کی آگ برسانی شروع کر دی : "کل موہی بے گیا معلوم تھا کہ تو اس طرح ناک ادہ چھوڑ بیٹھے گی۔ اور اپنے سارے خاندان کا منہ کالا کر کے چھوڑ لے گی۔ اب گھر میں جیسے بھر دار جو دہلیز سے پاؤں باہر نکالا دونوں ٹانگیں توڑ کر رکھ دوں گی۔"

اس کی باتیں سن کر مجھے کچھ بھی تعجب نہیں ہوا کیوں کہ یہ سب کچھ پہلے ہی جانتی تھی بلکہ یہ بالکل متوقع تھی کہ اب تو دل باغ نے بھی ناتا توڑ لیا ہے۔ ایسی صورت میں میرے سامنے کون سا راستہ رہ گیا ہے ؟ میرا دل ایک عجیب الجھن میں پھنس گیا تھا جس سے نکلنے کا کوئی راستہ سوجھ ہی نہیں رہا تھا۔

اس شام کو جب ماں کچھ دیر کے لئے باہر گئی تو اُس نے مجھے اوپر کے ایک کمرے میں بند کر کے باہر سے موٹا سا تالا لگا دیا۔ اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اب مجھے ایک قیدی کی طرح رکھا جائے گا۔

رات کو بھی مجھے اُسی کمرے میں بند اکیلے سونا پڑا۔ دوسرے دن میرا ناشتہ، کھانا بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ باہر سے دروازے کی کنڈی ہمیشہ چڑھی رہتی تھی۔ دوپہر کو ماں بھلے کے کیرتن پر جانے لگی تو پھر باہر سے تالا بند کر گئی۔

میں چارپائی پر لیٹی بازو آنکھوں پر رکھے سوچتی رہی کہ واہ گرو، یہ میری کیا گت ہو گئی ؛

جانے کب تک میں اس کیفیت سے دوچار رہی کہ یکایک میرے کانوں میں کھٹ کھٹ کی صدا سنائی دی پہلے تو میں نے اسے دل کا وہم سمجھا، لیکن جب آواز بند ہی نہ ہوئی تو میں نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر اس طرف دیکھا جدھر سے ہلکا ہلکا کھٹکا سنائی دے رہا تھا۔

ارے بغل کی کھڑکی کی سلاخوں کے دوسری طرف میری پیاری سکھی رانو کھڑی تھی۔ میں فوراً چارپائی سے کود کر کھڑکی کے پاس پہنچی تو اس نے شوخی سے پوچھا۔

"ارے ! یہ کیا ہوا ؟ تو اندر اور باہر یہ موٹا تالا"

میں نے مختصراً اسے سب کچھ بتا دیا۔

وہ بولی "تھوڑا بہت تو مجھے معلوم ہی تھا۔ تایا جی (دلباغ کی بیوی) سے

خود ہی یہ بات پھیلا دی ہے کہ اس کے پتی نے پرتھو کو کان پکڑ کر گھر سے نکال دیا ہے وہ خواہ مخواہ ہمارے گھر میں گھسی رہتی تھی۔"

میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا: "یہی تو مصیبت ہے دلباغ نے کورا جواب دے دیا اور گھر والے خاندان کی عزت بچانے کے لئے میری شادی کسی کالے کلوٹے، بھینگے، کانے یا لنگڑے لولے سے بھی کرنے کو تیار ہیں۔ وہ مجھ سے کسی نہ کسی طرح جان چھڑانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

راتو نے سلاخوں کے بیچ میں ہاتھ ڈال کر میرے گال پر چٹکی لیتے ہوئے کہا: "میری جان جو لوگ عشق کے راستے پر چل نکلتے ہیں وہ اتنی جلدی ہمت نہیں ہارتے۔"

"لیکن راتو! میرے ہمت ہارنے یا نہ ہارنے سے کیا ہوتا ہے جب کہ میرا کوئی سہارا ہی نہیں رہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک دم دلباغ کا رویہ کیوں بدل گیا۔ اس نے یہ بات کیوں کہہ دی کہ مجھے تم سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اس نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ میں اپنے خاندان کی مرضی پر چلوں اور جہاں وہ چاہیں وہیں شادی کروں۔"

راتو منہ چڑاتے ہوئے ناک سکوڑ کر بولی

"تم بڑی بھولی ہو۔ مجھ کو یہ کہنا چاہئے کہ بالکل ہی الو ہو۔"

میں بگڑ اٹھی: "تم بھی ہر کوئی بے وقوف کہہ رہی ہو۔ کم سے کم دلباغ سے تو پوچھا ہوتا کہ اس نے اتنی بری طرح میرا ساتھ کیوں چھوڑ دیا؟"

"میں نے پوچھا تھا۔"

میرا دل زور زور سے دھڑک اٹھا۔ دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر میں نے کانپتے ہونٹوں سے پوچھا

"تو اس نے کیا جواب دیا؟"

"میرے پوچھنے پر پہلے تو اس نے صرف دانت دکھائے اور پھر بولا: راتو! تجھ کو سوہنی نے کہا کیا تھا؟ کیا اپنے پریمی سے ملنے کے لئے کالی راتوں میں گھڑے کے سہارے ندی پار نہیں کیا کرتی تھی؟ کیا سوہنی اپنے عاشق کی تلاش میں گرم گرم [illegible]

لگے دروازوں میں جڑی ہوئی سونے کی کیلیں چمک اٹھیں۔ اس نے مجھے پیار اور نرمی سے اپنا مضبوط ہاتھ میری پسینے سے چپکتی ہوئی کمر پر رکھا اور مجھے طویلے کی طرف لے چلا۔
طویلے کی کوٹھری میں پہنچ کر اس نے میری اوڑھنی کے پلّو سے میرے ماتھے، گالوں اور گردن کا پسینہ پونچھا، مجھے چارپائی پر بٹھایا اور ٹھنڈے پانی کا ایک کٹورا میری طرف بڑھا دیا۔
شکل کر ہونٹ پونچھتے ہوئے میں نے گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھا "اب؟"
اس نے کچھ جواب نہیں دیا۔ دھیرے دھیرے ادھر اُدھر چھوٹے موٹے کام نپٹائے۔ پھر کوٹھری سے باہر نکل کر اس کی کنڈی تالا بند کیا۔
کچھ دیر تک اس کے دور جاتے ہوئے قدموں کی چاپ سنتی رہی۔ پھر میں گھٹنوں کے بادلوں میں ڈوب گئی اور ڈوبتی چلی گئی۔

تاباں

ڈیوڑھی کے دروازے پر کنڈی کھٹکھٹانے کی بڑی زور دار آواز سنائی دی تو میں لپک کر دروازے پر گئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے اپنی پیاری بھانجی کو دیکھ کر کچھ تعجب ہوا۔ اس کا نام رتنو تھا۔ آنکھیں ملتے ہی وہ مسکرا کر بولی۔
"مجھے دروازے میں پاکر تم چونک کیوں گئیں؟ شاید تم سمجھی ہوگی کہ تمہارے سسر وارجی آئے ہیں۔"
وہ اندر چلی آئی۔ میں نے پھر کنڈی لگاتے ہوئے جواب دیا "تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے۔ یوں بھی تم ایسے وقت پہلے کبھی نہیں آئیں۔ میرا مطلب یہ کہ تم بہت کم آتی ہو۔"
"لیکن آج آنا پڑا۔"
وہ میرے بازو پر ہاتھ رکھ کر اندر کے کمرے میں لے گئی۔ اس کا چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ کہنے لگی۔
"میں گوردوارے سے آرہی ہوں۔ راستے میں جب میں قبرستان کے پاس سے گذر رہی تھی تو دور کھیتوں میں مجھے ایک لڑکی بھاگتی ہوئی دکھائی دی۔ میں نے ہاتھ سے آنکھوں پر سایہ کرتے ہوئے ذرا غور سے دیکھا تو میں پہچان گئی کہ وہ پریتو تھی۔ پہچانتے ہی جیسے مجھے سانپ نے ڈس لیا۔ بے اختیار ایک تو مجھے

ٹھیک کہا ہوگا۔

میرے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا، میں اپنی ہی الجھن میں چپ کھڑی تھی۔ جب تک میں زندہ ہوں، تم اس گھر میں میری سوتن نہیں لا سکتے۔"

یہ سن کر وہ بھالو کی سی چال سے چلتے ہوئے میرے قریب پہونچے اور بھاری آواز میں بولے "یہ تو کوئی خاص الجھن نہیں ہے۔ قبرستان کے پاس پیپل کا پیڑ ہے، اسی کی کانٹے دار نوکیلی شاخ پر کل صبح تمہارا سر لٹکا نظر آئے گا۔ دم گھٹ کر پتہ نہیں ہوگا۔ مطلب یہ کہ جو کام تمہارے جیتے جی نہیں ہو سکتا وہ اس طرح ہو جائے گا۔"

میں دل ہی دل میں جانتی تھی کہ میں بڑی ہار چکی ہوں۔ لیکن میں نے ہمت نہیں ہاری۔ اکڑ کر بولی "تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ میرے چار بھائی بھی ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

گھنی مونچھوں کے نیچے وہ دانت دکھائی دینے لگے ہیں جن پر سونے کی کیلیں جڑی تھیں۔

"ارے ہاں، ان کو تو میں پل بھر کے لئے بھول ہی گیا تھا۔ خیر، کہو تو تمہارے چاروں پیارے بھائیوں کے چار چار ٹکڑے کر کے نہر میں پھینک دوں۔ تاکہ یہ الجھن بھی دفع ہو جائے ـــ سنو، تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میرا اس قسم کا مذاق کرنے کی عادت نہیں ہے۔ جاؤ، میری باتوں سے ٹھنڈے دل سے سوچ بچار کر لینا لیکن اچھی طرح سمجھ لو کہ اب یہ آنند کا بیاہ رک نہیں سکتا۔"

میں ان کے سامنے رک نہ سکی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اندر کی کوٹھڑی میں چلی گئی۔ دیر تک میں دھڑکتے دل کو سنبھالنے کی کوشش کرتی رہی۔ لیکن اپنے دل کی گہرائیوں سے اچھی طرح جانتی تھی کہ اب یہ سب کچھ ہو کر رہے گا۔

"بہت بے دردی کی بات ہے۔"

"ہاں، وہ اس نے تیکھا کر کے زبان سے نامرتے ہوئے کہا۔ بے دردی کی کیفیتیں کبھی کبھی اپنے اندر جکڑ لیتی ہیں۔ پھر ان کی تفصیلات تو ختم ہو جاتی ہیں بس ایک احساس باقی رہ جاتا ہے۔ مگر اس دوزخ کے پاس بیٹھ کر وہ بہت سے اپنا سامنا ملتے نہ کر کے ہوتے تو ایک بہت بڑا واقعہ ہونے سے رہ جاتا۔ شاید مقامات ہی تقدیر کا دوسرا نام ہیں۔"

"ہاں، تقدیر مقامات میں اپنا اظہار کرتی ہے۔"

"وہ رو رہا تھا تم نے مجھ سے پوچھا کہ میں کیا رہا ہوں۔ اور اس کے بعد سامنے الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ وہ دبلا پتلا سا تھا مگر اس کے خوبصورت ہاتھوں پر لگی رہی۔ اس کی ماں سے میں نے سنا تھا کہ کبھی کبھار وہ کرخت قسم کے دورے بھی پڑتے ہیں جن کی وجہ سے اکثر اس کے سر کے بال بھی صاف کر دیئے جاتے ہیں مگر اس وقت اس کا سر بے ڈھنگے کھچڑی مگر ریشمی بالوں سے ڈھکا تھا جو اس کے معصوم چہرے پر بار بار جھک آتے تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔ "تاجی اب کیسا رہتا ہے بخار تو نہیں آتا؟" وہ بیشتر خاموشی کے مہینے میں بات کرتا تھا۔

"نہیں تاجی بہت اچھا ہے۔ اب پلنگ کے نیچے سے چاند نہیں نکلتا۔ اور وہ تارے بھی واپس چلے گئے ہیں۔ ادھر ادھر سر کے گرد نہیں پھرتے۔ تاجی نے انہیں واپس بھیج دیا ہے۔ اب کبھی نہیں پھر کبھی آئیں گے۔ جو تو آ جاتے ہیں۔ تاجی کے پاس چاند، تارے آ گئے ہیں۔ اللہ بڑا بہت اچھا۔"

میں اس کی بات پر سناٹے میں آ گیا۔ کاندھوں پر سے اس کا سے کی ذرا سی کیفیت سے انسان کس طرح اس دنیا سے کٹ کر کسی اور ہی دنیا میں چلا جاتا ہے۔ مگر کون جانتا ہے کہ اصل دنیا کون سی ہے۔ وہ جس میں تاجی رہتا تھا یا وہ جسے ہم اصل سمجھتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو اندازہ نہیں ہوتا کہ اس کے منہ سے نکلے گئے الفاظ دوسرے کی بنیادیں ہلا کے رکھ دیں گے۔ اس وقت میں نے محض وقت گذاری کے خیال سے تاجی سے کہا کہ اس کاغذ پر وہ چاند ستارے بنا کر دکھائے۔ میرے پاس سیاہ مارکر پڑا تھا۔ بالکل خلاف توقع اس نے انتہائی کھلے ہاتھ سے چند لکیریں کھینچیں۔ میں نے غور سے دیکھا تو وہ عجیب و غریب ہندسوں کی صورتیں تھیں جو ہندسے حساب کتاب [illegible] کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ تاجی کے ہاتھ کیفیتوں کو اسیر کر سکتے ہیں۔

امجد کے پاس لا کر جو رکھا تھا۔ اس نے فوراً کھول کر دیکھا تو بجھنا شروع کیا۔ سامنے دیوار پر لگی
پورٹریٹ اتنی صاف ستھری روشن ہو تھی۔ اس کی آنکھیں اسی طرف لگی تھیں۔ میں تمام گفتگو
کے دوران اسے دیکھتا رہا تھا۔ اچانک ایک عجیب و غریب بات ہوئی۔ پورٹریٹ کا چوکٹا خالی رہ
گیا اس کے اندر کی شبیہ غائب ہو گئی۔ صرف فریم۔ اندر چوکٹا سفید کینوس۔ صاف۔ سپاٹ۔
چٹیل۔ میں کرسی سے اچھل پڑا۔ امجد نے میری طرف حیرت سے دیکھا۔

"کیا بات ہے؟"

"وہ تصویر!" میں نے مشکل کہا۔ امجد نے پلٹ کر دیکھا مگر تصویر وہیں آویزاں تھی جو کتا بھرا ہوا
تھا میں نے ہتھیلی سے آنکھیں ملیں۔ مجھے یقیناً نیند آ رہی تھی۔ یوں بھی کسی شے کو بہت غور سے
دیکھتے رہو تو بالآخر وہ غائب ہو جاتی ہے۔ اس کی جگہ کچھ اور ہی نظر آنے لگتا ہے۔ شاید اعصاب پر دباؤ بڑھ
گیا تھا۔ گلی میں چوکیدار کی ہانک سنائی دی۔

میں نے تاج کو بہت سے کارٹون بنانے کے لیے دیے۔ جو اس نے ہو بہو نقل کر دیے۔
اور پھر اس کا حوصلہ ہو گیا۔ وہ روزانہ ایک آدھ گھنٹہ میرے پاس بیٹھتا۔ اس نے ماں کا [illegible]
پورٹریٹ بنایا۔ تصویر بنانے میں وہ کاغذ پر بے حد جھک جاتا۔ اس کی نیم وا آنکھیں اور بھی بند ہو
جاتیں۔ اور سر ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک جاتے۔ ایسے میں وہ کسی کی بات نہ سنتا۔ وہ گویا اپنے
آپ میں موجود نہ ہوتا۔ ان دو سالوں میں اس نے تصویروں کے انبار لگا دیے۔ اس کے کچھ کارٹون
میں نے اخبار میں دیے جس سے اس کو بیس تیس روپے مل گئے۔ مگر اس سے اس قسم کا کام کروانا
بے حد مشکل تھا۔ وہ روپے کے خیال سے کچھ کی قیمت نہ رکھتا تھا صرف پنسل والف یا
چراغ کے رنگ [illegible] گھر آ جایا تھا۔ وہ اپنے فن کا اسیر تھا۔ جب میرا تبادلہ [illegible]
تو میں نے سوچا اس کو یونیورسٹی کے فائن آرٹس کے شعبے سے متعارف کراؤں۔ میں نے اس کی چند
تصاویر منتخب کیں۔ [illegible] ہاتھ لیا۔

"یہ چیز سے کام کی چیز [illegible] کہاں سے پکڑ لائے ہو؟" تب [illegible] میرا [illegible] کا
[illegible] تھا [illegible] جاتا تھا کہ [illegible] خاندان [illegible] سے تعلق
رکھتا ہے۔ شاید [illegible] میں نے کبھی اس کو [illegible]
[illegible]

اب کی تاج ایک دم معصوم بچے کی طرح کھلکھلا کر ہنس دیا۔ اس قدر زیادہ کہ اس کی چندھی آنکھوں سے لگاتار پانی بہنے لگا۔ اس کی سانس سے بجھے ہوئے سگریٹ کی بو آرہی تھی۔ میں ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر میں نے فریج میں سے کچھ ادھر ادھر کی چیزیں ڈھونڈھ کر اس کے سامنے رکھیں مگر اس نے کچھ نہیں کھایا۔

"تاجی کو کافذ اور برش دو کر دو۔" وہ تمام دنیا سے کٹ چکا تھا۔

"اچھا کل۔" اس رات وہ میرے پاس ہی پڑا رہا۔ اب کوئی راہ نہ تھی کہ مجھے اس کو اپنے پاس رکھنے میں مدد ملتی۔ وہ ایک طرف قالین پر پڑا رہا۔ مگر رات بھر مجھے رسالے کے ورق پلٹنے کی آواز آتی رہی۔ اگلی صبح وہ جانے کب سے میرا منتظر تھا۔ "تاجی کو کافذ دو۔" اس کی زبان پر ایک ہی فقرہ بار بار آئے چلا جا رہا تھا۔ دکانیں کھلنے تک میں نے اس کو مشکل تسلی دی۔ اور پھر یہ کینوس اصلاً کر اس کے سپرد کر کے کام پر چلا گیا۔ جب میں شام کو واپس آیا تو تاج وہاں نہ تھا۔ ایزیل اکیلا چھوڑ کر معلوم نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ رات گئے وہ لوٹا تو اس کے ہاتھ میں یہ پورٹریٹ تھا۔

"چلو۔ اٹھو۔ تاجی کی دلہن کے پاس۔" اس نے نہایت سختی سے میرا بازو کھینچا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں کچھ خوفزدہ سا ہو گیا۔ "دلہن۔" میں تو اپنے الفاظ بھول چکا تھا۔ "کل چلیں گے!" میں نے جھنجھلا کر کہا۔

تاج حسب معمول کمرے کے ایک کونے میں بیٹھا رات بھر پورٹریٹ فریم کرتا رہا۔ اور اس کے بعد یہ اس کا معمول ہو گیا۔ میں ہر روز اس کو اگلے دن پر ٹال دیتا اور وہ رات رات بھر تصویر دیکھتا رہتا۔ اس کے چہرے پر عجب وحشت آگئی تھی۔ کندھے جھک گئے تھے۔ ادھ کھلے ہونٹوں سے اکثر پانی بہتا رہتا۔ گندی آنکھوں سے وہ چیزوں کو انتہائی قریب لا کر دیکھتا۔ اکثر اس کو سیڑھیاں بھی ٹھیک سے نظر نہ آتیں۔ روز ہی جسم کے کسی نہ کسی حصے میں چوٹ کھا کر آتا۔ ادھر اس کی ماں کے خط پہ خط چلے آتے کہ تاج کو واپس بھیج دو، یہ موسم اس کے لیے اچھا نہیں۔

"تاجی۔ ماں پاس جائے گا۔" آخر میں اسے گھیر گھار کر ریلوے اسٹیشن لے آیا۔

"نہیں تاجی دلہن سے مل کر جائے گا۔" اس نے پورٹریٹ کو سینے سے لگا رکھا تھا۔ میں اس کے جنون سے سہم گیا۔ شاید اس لیے کہ میں انتہائی متحمل پسند انسان کبھی کسی جذبے کو اپنے اوپر حاوی

ہونے کی اجازت نہ دے سکا تھا۔ یہ میری سمجھ سے بالاتر تھا کہ کوئی ذی روح کسی جذبے یا تصور کی گرفت میں اس طرح آئے کہ پورے کا پورا اسی میں جذب ہو جائے۔ میں ذاتی تحفظ اور مفاد سے الگ ہونے کا عادی نہ تھا۔

ایک روز تاج بچوں کی طرح میرا بازو پکڑ کر گھسیٹنے لگا۔ "چلو دلہن کو یہ تصویر دکھاؤ" اس کے اندر معلوم اس قدر طاقت کہاں سے آ گئی تھی۔ وہ مجھے سیڑھیوں سے نیچے لے آیا۔ آخر مجبوراً میں اُسے رتن سینما لے گیا۔ وہاں ایک عرصے سے اس کی فلم چل رہی تھی۔ مگر سینما کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہ اس کے بڑے بڑے پوسٹر دیکھ کر سکتے میں آ گیا۔ وہ اپنی چندھی آنکھوں کو اور بھی سکیڑ سکیڑ کر دیکھنے لگا اور جیسے کی مانند زمین میں گڑ گیا۔ میں نے اس کو کھینچا۔

"کچھ نہیں۔ اچھا نہیں۔ گندہ گندہ۔ تصویر اچھی نہیں۔ اللہ شا بہت اچھا۔" وہ پوسٹروں کو دیکھ کر حقارت سے بڑبڑانے لگا۔ پھر اس نے عجیب حرکت کی۔ ان بڑی بڑی رنگین تصویروں کو دیکھ دیکھ کر تھو تھو کرنے لگا "گندی گندی۔ تھو، تاجی کی تصویر اچھی۔ چلو۔ چلو اس کو یہ تصویر دکھاؤ۔" وہ مجھے گھسیٹنے لگا۔ اور بالآخر مجھے اس کو فلم دکھانی پڑی۔ اندھیرے میں اس کا لرزتا ہاتھ تھامے میں ہال میں داخل ہوا۔ مووی شروع ہونے پر جب پہلی بار اس نے سکرین پر اُسے دیکھا تو ایک دم اُچھل پڑا۔ "وہ ہے۔ وہ ہے"
وہ بے تابی سے چلایا۔

"چُپ چُپ۔ اس کے بعد میں گے۔" میں نے غصّے سے اس کا ہاتھ مسل دیا "خاموش بیٹھو ورنہ وہ نکال دے گی" وہ بالکل خاموش ہو گیا۔ اور تمام وقت خاموش رہا۔ سوائے اس کے کہ کبھی کبھی اس کی کرسی بُری طرح کانپ اٹھتی۔ مگر آخر میں شادی کے سین پر اچانک ایک اذیت ناک غرغراہٹ اس کے گلے سے اٹھی۔

"تاج۔ تاج۔" میں نے اُسے اندھیرے میں ٹٹولا۔ وہ بالکل یخ ہو رہا تھا۔ اور اس کے بعد تاج نہیں بولا۔ کمرے میں آتے ہی وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا اور گلے پر چھری کھائے جانور کی طرح تڑپنے پھڑکنے لگا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب سے کہیں اسپتال دیئے مگر وہ اسی طرح لرزتا رہا۔ اطلاع ملنے پر اس کی ماں اس کو لے گئی۔ بغیر کسی استفسار، بغیر کسی گلے شکوے کے۔ گویا اسی کی منتظر تھی۔

ابھی کا لیمپ بجھ چکا تھا۔ باہر بارش کا شور تھم گیا اور خاموش گلی میں صرف چوکیدار کے قدموں کی چاپ تھی۔

اس کے علاوہ دادا جان کی داڑھی کی بھی تعریف لیکی تھی اور وہ اس پر بس کنگھی کرتے تھے۔ خود دادا جان کی داڑھی
بھی تھی۔ آخر وہ ...... میرے دادا جان مجھ سے اور بھی بڑھ کر سکھ تھے۔

میٹرک کرنے کے بعد مجھے پڑھنے کے لئے سرگودھا نئی ہی کو بھیجا گیا۔ کالج میں ہم جماعتی
پڑھتے تھے۔ ان کو ہم دیہاتی اور دہقانی قالے گنوار، جاہل اور اجڈ سمجھتے تھے۔ بات کرنے کا سلیقہ، کھانے پینے
کی تمیز، تہذیب و تمدن چھو نہیں گئے تھے۔ "تُسی لو۔" یہ بڑے چھوٹے سب کے منہ پر چپنے والے بول تھے
اور غالب و داد بیلی کی چاشنی ختم کیا جاتا تھا۔ زبان نہایت کھردری۔ بات کریں تو معلوم ہوتا ہے
ہیں۔ آہی، نکی، ساڈے، تہاڈے ...... لا حول ولا قوۃ۔ میں تو ہمیشہ ان پنجابیوں سے کتراتا تھا
مگر خدا بھلا کرے ہمارے وارڈن صاحب کا کہ انھوں نے ایک پنجابی کو میرے کمرے میں جگہ دیدی۔
میں نے سوچا چلو جب ساتھ ہی رہنا ہے تو تھوڑی بہت حد تک دوستی ہی کر لی جائے۔ پھر دونوں میں کافی
گاڑھی چھنے لگی۔ اس کا نام غلام رسول تھا۔ راولپنڈی کا رہنے والا تھا۔ کافی مزے دار آدمی تھا اور
لطیفے خوب سنایا کرتا تھا۔

اب آپ کہیں گے ذکر تو ہو رہا تھا سردار صاحب کا۔ یہ غلام رسول کہاں سے ٹپک پڑا مگر اصل
میں غلام رسول کا اس قصے سے قریبی تعلق ہے۔ بات یہ ہے کہ وہ جو لطیفے سنایا کرتا تھا وہ عام طور سے
سکھوں کے بارے میں ہوتے تھے جن کو سن سن کر مجھے پوری سکھ قوم کی عادات و خصائل، ان کی نسلی
خصوصیات اور اجتماعی کیریکٹر کا بخوبی علم ہو گیا تھا۔ بقول غلام رسول کے،

سکھ تمام بیوقوف اور بدھو ہوتے ہیں۔ بارہ بجے تو ان کی عقل بالکل خبط ہو جاتی ہے۔ اس کے
ثبوت میں کتنے ہی واقعات بیان کئے جا سکتے ہیں۔ مثلاً ایک سردار جی دن کے بارہ بجے سائیکل پر سوار
امرت سر کے بازار سے گزر رہے تھے۔ چوراہے پر ایک سکھ کانسٹیبل نے روکا اور پوچھا "تمہاری
سائیکل کی لائٹ کہاں ہے؟" سائیکل سوار سردار جی گھبرا کر بولے "جمعدار صاحب ابھی ابھی بجھ گئی ہے
گھر سے جلا کر تو چلا تھا۔" اس پر سپاہی نے چالان کرنے کی دھمکی دی۔ ایک راہ چلتے سفید داڑھی والے
سردار جی نے بیچ بچاؤ کرایا۔ "چلو بھی کوئی بات نہیں لائٹ بجھ گئی ہے تو اب جلا لو۔" اسی قسم کے
لطیفوں سے غلام رسول کو یاد تھے اور انہیں جب وہ پنجابی مکالموں کے ساتھ سناتا تھا تو سننے والوں کے
پیٹ میں بل پڑ جاتے تھے۔ اصل میں ان کو سننے کا مزہ پنجابی ہی میں تھا کیونکہ اجڈ سکھوں کی عجیب و
غریب حرکتوں کے بیان کرنے کا حق کچھ پنجابی جیسی اجڈ زبان ہی سے ادا ہو سکتا ہے۔

سکھ نہ صرف بیوقوف اور بدھو ہوتے تھے بلکہ گندے تھے جیسا کہ ایک ثبوت تو غلام رسول کا دیا جس سے
میں ان سکھوں کو دیکھا تھا، یہ تھا کہ وہ بال نہیں منڈاتے تھے۔ اس کے علاوہ بقول غلام رسول تمام
غلاظت مسلمانوں کے جو ہوا کرتے ہیں سے سکھ کے جو فعل کرتے ہیں، یہ سکھ کھا جاتے ہیں سب کے سامنے ہی کے

نیچے بیٹھ کر بناتے تو روند میں مگر اپنے بالوں اور داڑھی میں جا بجا لے کر لیا کنگھی اور غلیظ چیزیں ملتے ہیں۔
مثلاً دہی۔ ویسے تو میں کی سرسوں کا تیل یوں گیسو پر لگا کر ہوں جو کسی قدر گاڑھے کا لے دھبے سے
مشابہ ہوتی ہے مگر اس کی بات اور ہے۔ وہ روایت کی شہور بڑ قوم پنجاب کی ہڑی سے بنا جاتا مگر اس میں کاشیلی
مل آتی ہے اور جی کسی گندے سندے حلوائی کی دکان سے۔

غیر ہی نہیں دوسروں کے رہنے سہنے کے طریقوں سے کیا لینا۔ مگر سکھوں کا سب سے بڑا قصور
تھا کہ یہ لوگ اکثر یقین بدتمیزی ' فسادرو حادثہ میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی جرأت کرتے تھے۔ اب دنیا
جانتی ہے کہ ایک اکیلا مسلمان دس ہندوؤں یا سکھوں پر بھاری ہوتا ہے۔ مگر پھر یہ سکھ مسلمانوں کے
رعب کو نہیں مانتے تھے بلکہ بائیں ہلاتے ' اکڑا کر مونچھوں بلکہ داڑھی پر بھی تاؤ دیتے چلتے تھے۔
غلام رسول کہتا ان کی ہیکڑی ایک دن ہم ایسی نکالیں گے کہ خالصہ جی یاد ہی تو کریں گے۔

کالج چھوڑے کئی سال گزر گئے۔ طالب علم سے میں کلرک اور کلرک سے ہیڈ کلرک ہو گیا۔
علی گڑھ کا ہوسٹل چھوڑ نئی دہلی میں ایک سرکاری کوارٹر میں رہنا سہنا اختیار کر لیا۔ شادی ہو گئی۔ بچے
ہو گئے مگر کتنی ہی مدت کے بعد۔ مجھے غلام رسول کا وہ کہنا یاد آیا جب ایک سردار صاحب میرے برابر کے
کوارٹر میں رہنے کو آئے ـــــ یہ راولپنڈی سے بھاگ کر آئے تھے کیونکہ راولپنڈی کے ضلع میں
غلام رسول کی پیش گوئی کے بموجب سرداروں کی ہیکڑی اچھی طرح سے نکالی گئی تھی۔ مجاہدوں نے
اُن کا صفایا کر دیا تھا۔ بڑے سورما بنتے تھے بکرپائیں لئے پھرتے تھے۔ بہادر مسلمانوں کے سامنے اُن
کی ایک نہ چلی۔ اُن کی داڑھیاں مونڈ کر اُن کو مسلمان بنایا گیا تھا۔ زبردستی اُن کا ختنہ کیا گیا تھا۔ ہندو
پولیس حسب عادت مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے یہ کہتا تھا کہ عورتوں اور بچوں کو بھی مسلمانوں نے
قتل کیا ہے۔ حالانکہ یہ اسلامی روایات کے خلاف ہے۔ کوئی مسلمان مجاہد کبھی عورت یا بچے پر ہاتھ
نہیں اٹھاتا۔ رہیں عورتوں اور بچوں کی لاشوں کی تصویریں جو چھاپی جا رہی تھیں ' وہ یا تو جعلی تھیں یا
یا سکھوں نے مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے خود اپنی عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہوگا۔ راولپنڈی اور
مغربی پنجاب کے مسلمانوں پر یہ بھی الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے ہندو اور سکھ لڑکیوں کو بھگایا تھا
حالانکہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ مسلمانوں کی بہادری کی دھاک بیٹھی ہے اور اگر نوجوان مسلمانوں پر ہندو اور
سکھ لڑکیاں خود ہی لٹو ہو جائیں تو اُن کا کیا قصور ہے کہ وہ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں ان لڑکیوں کو
اپنی پناہ میں لے لیں۔ ہاں تو سکھوں کا نام نہاد بہادری کا بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ بھلا اب تو ماسٹر
تارا سنگھ لاہور میں کرپان نکال کر مسلمانوں کو دھمکیاں دے۔ پنڈی سے بھاگے ہوئے سرداروں
کی خستہ حالی کو دیکھ کر صاف پتہ چلتا ہے کہ اسلام کی روح ان سے ہرگئی۔

وہ سردار جی کی عمر کوئی ساٹھ برس کی ہوگی۔ داڑھی بالکل سفید ہو چکی تھی ...

وسط میں آنے شروع ہوئے تھے۔ اس وبا کا یہاں تک پہنچنا یقینی ہو گیا تھا۔ میرے پاکستان
جانے میں ابھی چند ہفتے کی دیر تھی۔ اس لئے میں نے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ اپنے بیوی بچوں کو
ہوائی جہاز سے کراچی بھیج دیا۔ اور خود خدا پر بھروسہ کرکے ٹھہر گیا۔ ہوائی جہاز میں سامان تو زیادہ نہیں جا
سکتا تھا' اس لئے میں نے پوری ایک ویگن بک کرائی تھی مگر جس دن سامان چڑھانے والے تھے اس
دن سنا کہ پاکستان جانے والی گاڑیوں پر حملے ہو رہے ہیں۔ اس لئے سامان گھر میں ہی پڑا رہا۔
۱۵ اگست کو آزادی کا جشن منایا گیا مگر مجھے اس آزادی میں کیا دلچسپی تھی۔ میں نے کھلی منافق،
اور دن بھر لیاقت علی خان اور پاکستان ٹائمز کا مطالعہ کرتا رہا۔ دونوں میں نام نہاد ـــ آزادی کے پرخچے
اُڑائے گئے تھے اور ثابت کیا گیا تھا کہ کس طرح ہندوؤں اور انگریزوں نے مل کر مسلمانوں کا خاتمہ
کرنے کی سازش کی تھی۔ وہ تو ہمارے قائد اعظم کا اعجاز تھا کہ پاکستان لے کر ہی رہے۔ اگرچہ
انگریزوں نے ہندوؤں اور سکھوں کے دباؤ میں آکر امرتسر کو ہندوستان کے حوالے کر دیا حالانکہ
دنیا جانتی ہے' امرتسر خالص اسلامی شہر ہے اور یہاں کی سنہری مسجد جو (GOLDEN MOSQUE)
کے نام سے دنیا میں مشہور ہے...... نہیں وہ تو گردوارہ ہے اور (GOLDEN TEMPLE)
کہلاتا ہے۔ سنہری مسجد تو دہلی میں ہے۔ سنہری مسجد ہی نہیں' جامع مسجد بھی لال قلعہ ہے۔ نظام الدین
اولیا کا مزار' ہمایوں کا مقبرہ۔ صفدر جنگ کا مدرسہ۔ غرض کہ چپے چپے پہ اسلامی حکومت کے نشان،
پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی آج اُن دلی بھگوا بننا چاہتے۔ شاہجہان آباد پر ہندو سامراج کا جھنڈا بلند کیا
جا رہا تھا۔ " روئے اب دل کھول کے اے دیدۂ خونبار...... اور یہ سوچ کر میرا دل بھر آیا کہ دلی جو
کبھی مسلمانوں کا پایۂ تخت تھا' تہذیب و تمدن کا گہوارہ تھا' ہم سے چھین لیا گیا تھا اور ہمیں مغربی
پنجاب اور سندھ بلوچستان جیسے اُجڈ اور غیر متمدن علاقے میں زبردستی بھیجا جا رہا ہے۔ جہاں کسی کو
شستہ اردو زبان بھی بولنی نہیں آتی۔ جہاں شلواریں جیسا مضحکہ خیز لباس پہنا جاتا ہے۔ جہاں [illegible]
[illegible] میں بجائے چپاتیوں کی بجائے موٹی موٹی نانیں کھائی جاتی ہیں۔ پھر میں نے اپنے دل کو مضبوط
کرکے قائد اعظم اور پاکستان کی خاطر یہ قربانی تو دینی ہی ہوگی مگر پھر بھی دلی چھوڑنے کے خیال
سے دل مرجھایا ہی رہا...... شام کو جب میں باہر نکلا اور سردار جی نے دانت نکال کر کہا "کیوں
بابو جی! تم نے آج کچھ کوشش نہیں منائی؟" تو میرے جی میں آئی کہ اس کی داڑھی میں آگ لگا دوں [illegible]
کی آزادی اور دلی میں [illegible] آرڈیننگ [illegible] ۔ اب مغربی پنجاب سے آئے ہوئے ریفیوجیز
(REFUGEES) کی تعداد ہزاروں سے لاکھوں تک پہنچ گئی۔ یہ لوگ حاصل پاکستان کا کیا
کرنے کے لئے اپنے گھر بار چھوڑ کر وہاں سے بھاگ آئے تھے۔ جہاں آکر [illegible]
[illegible]

لے چلو، چلو کر بھاگتے کانگریس کے نام لینے کے راشٹریہ سیوک سنگھ اور شدھی دل کے نام سے کام کر رہے ہیں۔ مسلمانو! دُنیا جانتی ہے کہ یہ ہندو چاہے کانگریسی ہوں یا مہاسبھائی، سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ چاہے دُنیا کو دکھانے کی خاطر وہ بظاہر گاندھی اور جواہر لال نہرو کو گالیاں ہی کیوں نہ دیتے ہوں۔

ایک دن سنا کو گھبرائی کہ دہلی میں قتلِ عام شروع ہو گیا۔ قرول باغ میں مسلمانوں کے سیکڑوں گھر پھونک دیے گئے۔ چاندنی چوک کے مسلمانوں کی دکانیں لوٹ لی گئیں اور ہزاروں کا صفایا ہو گیا۔ یہ تھا کانگریس کے ہندو راج کا نمونہ۔ خیر میں نے سوچا تھا کہ دہلی تو مدت سے انگریزوں کا شہر رہا ہے۔ وائسرائے بیٹن یہاں رہتے ہیں۔ کمانڈر انچیف یہاں رہتا ہے۔ کم سے کم یہاں وہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا ظلم نہ ہونے دیں گے۔ یہ سوچ کر میں دفتر کی طرف چلا۔ کیونکہ اس دن مجھے پراویڈنٹ فنڈ کا حساب کرنا تھا اور اصل اسی لئے میں نے پاکستان جانے میں دیر کی تھی۔ ابھی گول مارکیٹ کے پاس پہنچا ہی تھا کہ دفتر کا ایک ہندو بابو ملا۔ اُس نے کہا "یہ کیا کر رہے ہو۔ جاؤ واپس جاؤ۔ باہر دیکھتا کیا ناف پلیس میں بلوائی مسلمانوں کو مار رہے ہیں۔" میں واپس بھاگ آیا۔

اپنے اسکوائر میں پہنچا ہی تھا کہ سوامی جی سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ کہنے لگے۔ "شیخ جی فکر نہ کرنا۔ جب تک ہم سلامت ہیں تمہیں کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا" میں نے سوچا اس کی داڑھی کے پیچھے کتنا مکر چھپا ہوا ہے۔ دل میں تو خوش ہے۔ چلو اچھا ہوا مسلمانوں کا صفایا ہو رہا ہے۔۔۔۔ مگر زبانی ہمدردی جتا کر مجھ پر احسان کر رہا ہے۔ مگر شاید مجھے چڑھانے کے لئے یہ کہہ رہا ہے کیونکہ سلے اسکوائر میں جو تمام سڑک پر میں ہی تنہا مسلمان تھا۔

پر مجھے ان کافروں کا رحم و کرم نہیں چاہئے۔ میں سوچ کر اپنے کوارٹر میں آگیا۔ میں مارا بھی جاؤں گا تو دس بیس کو مار کر۔ سیدھا اپنے کمرے میں گیا جہاں پلنگ کے نیچے، میری دونالی شکاری بندوق رکھی تھی۔ جب سے فسادات شروع ہوئے تھے۔ میں نے کارتوس اور گولیوں کا بھی کافی ذخیرہ جمع کر رکھا تھا۔ پر وہاں بندوق نہ ملی۔ سارا گھر چھان مارا۔ اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔

"کیوں منوا، کیا ڈھونڈھ رہے ہیں آپ؟"

یہ میرا بڈھا ملازم ممدو تھا۔

"میری بندوق کیا ہوئی؟" میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر اس کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ اُسے معلوم ہے۔

"ظاہر ہے ایسے چھپائی ہے یا چرائی ہے؟"

"بولتا کیوں نہیں؟" میں نے ڈانٹ کر کہا۔

تب مجھے معلوم ہوا کہ صمد نے میری بندوق لے کر اپنے چند دوستوں کو دیدی تھی، جو
ضیا گاؤں میں مسلمانوں کی حفاظت کے لئے ہتھیاروں کا ذخیرہ جمع کر رہے تھے۔
" کل سویرے ہی ہم سرکار والے سے پاس۔ سات ششیں گئیں، دس دیا سلائی اور ایک ٹین پٹرول
کو حفاظت کر سکیں گے۔ بچوں کو؟"
میں نے کہا " ضیا گاؤں میری بندوق سے کارتوسوں کو بچوں دیا گیا تو اس میں میری حفاظت
کیسے ہوگی۔ میں تو یہاں بتا کارتوس کے نرغے میں پھنسا ہوا ہوں۔ یہاں مجھے بچوں دیا گیا تو کون
ذمے دار ہوگا؟" میں نے صمد سے کہا۔
وہ کسی طرح چھپتا چھپاتا ضیا گاؤں تک جا سکتا اور وہاں سے میری بندوق اور سو دو سو کارتوس لیکر
آتے۔ وہ چلا گیا مگر مجھے یقین تھا کہ اب وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔
اب میں گھر میں بالکل اکیلا رہ گیا تھا۔ سامنے کارنس پر میری بیوی اور بچوں کی تصویریں خاموشی
سے مجھے گھور رہی تھیں۔ یہ سوچ کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے کہ اب اُن سے کبھی ملاقات ہوگی بھی یا
نہیں لیکن پھر یہ خیال کرکے اطمینان بھی ہوا کہ کم سے کم وہ تو خیریت سے پاکستان پہنچ گئے تھے۔
کاش میں نے پراویڈنٹ فنڈ کا لالچ نہ کیا ہوتا اور پہلے ہی چلا گیا ہوتا۔ پر اب پچھتانے سے
کیا ہوتا ہے۔۔۔۔۔۔

ست سری اکال۔۔۔۔ ہر ہر مہادیو!
نعرے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ یہ بلوائی تھے۔ یہ میری موت کے ہرکارے تھے۔ میں نے
زخمی ہرن کی طرح ادھر اُدھر دیکھا۔ جو کوئی کہ چکا ہو اور جس کے پیچھے شکاری کتے لگے ہوں۔ بچاؤ کی کوئی
صورت نہ تھی۔ کواڑ کے کواڑ بھی لکڑی کے تھے اور اُن میں شیشے لگے ہوئے تھے۔ اگر میں بند ہو کر
بیٹھ بھی جاتا تو وہ منٹ میں بلوائی کواڑ توڑ کر اندر آ سکتے تھے۔ " ست سری اکال۔ ہر ہر مہادیو"
آوازیں اور قریب آ رہی تھیں۔ میری موت قریب آ رہی تھی۔
اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ سردار جی داخل ہوئے۔ " شیخ جی! تم جانے کدھر
میں آ جاؤ۔ جلدی کرو۔" بغیر سوچے سمجھے میں سردار جی کے برآمدے کی چق کے پیچھے تھا۔
موت کی گولی سن سے میرے سر پر سے گزر گئی۔ کیونکہ میں وہاں داخل ہو رہا تھا کہ ایک لاری آکر
رکی اور اس میں سے دس بیس جوان اُترے۔ ان کے لیڈر کے ہاتھ میں لسٹ تھی جس میں ہماری فہرست
تھی۔ کوارٹر ۸ — شیخ برہان الدین۔ اُس نے کاغذ پر نظر ڈالتے ہوئے حکم دیا اور فوراً بلوائیوں
کا ٹولہ پل پڑا۔ میری کل کائنات میری آنکھوں کے سامنے لٹ رہی تھی۔ کرسیاں، میزیں،
صندوق، تصویریں، کتابیں، دریاں، قالین، یہاں تک کہ میلے کپڑے۔ ہر چیز اٹھا کر لے جائی گئی۔

ٹھگ!
ٹھگ!!
قزاق!!!

سپہ سالار بنے بیٹھے وہ بندوق بردار مجھے یہاں لے آئے تھے۔ یہ کون سے کم ٹھگ تھے
اور ہمارے بھائیوں سے کہتے تھے - ٹھگ ہے صاحب۔ اس گھر پر ہمارا حق زیادہ ہے لیکن کبھی
اس وقت میں سچ بتانا چاہتا ہوں کہ انھوں نے اپنے بیٹے اور بیٹی کا شادی کیا اور وہ بھی [illegible]
شامل ہو گئے۔ کوئی میری چیزیں اٹھا کے لے جا رہا ہے۔ کوئی سوٹ کیس، کوئی میری بیوی بچوں کی
تصویریں لے جا رہا ہے اور سب مال غنیمت ہمارا اندر کے کمرے میں جمع ہو رہا تھا۔
اچانک سردار اندر آ گئے کہ بیگ بھی ہوں گا۔ پر اس وقت تو میں چوں بھی نہیں کر سکتا تھا
یہ لوگ مالدار جو سب کے سب سکھ تھے مجھ سے چند گز کے فاصلے پر تھے۔ اگر انھیں کہیں معلوم ہو گیا
کہ میں یہاں ہوں......

اے اللہ! تو کیا!

منشا میں نے دیکھا کہ سردار جی سکھ کرپان ہاتھ میں لئے مجھے اندر بلا رہے ہیں۔ میں نے ایک
بار اس وحشی چہرے کو دیکھا جو لوٹ مار کی بھاگ دوڑ سے اور بھی خوفناک ہو گیا تھا اور کرپان
کی چمکیلی دھار مجھے دعوت موت دے رہی تھی، بحث کرنے کا موقع نہیں تھا۔ اگر میں کچھ بھی
بولا اور مکانوں نے سن لیا تو ایک گولی میرے سینے کے پار ہو گی۔ کرپان اور بندوق میں سے
ایک کو پسند کرنا تھا۔ میں نے سوچا اور دس بندوق باز بھائیوں سے کرپان والا بڈھا بہتر ہے۔ میں
کمرے میں چلا گیا جھکتا ہوا خاموش۔

"آئیے بابو صاحب اندر آئیے"

میں اسی طرح کمرے میں چلا گیا جیسے بکرا قصائی کے ساتھ ذبح خانے میں داخل ہوتا ہے۔
میری آنکھیں کرپان کی دھار سے چندھیائی جا رہی تھی۔

"یہ لیجئے۔ اپنی چیزیں سنبھال لیجئے" کر کر سردار جی نے وہ تمام سامان میرے سامنے رکھ دیا جو
انھوں نے اور ان کے بیٹوں نے مجھ سے لوٹ میں حاصل کیا تھا۔

سردارنی بولی "بیٹا ہم تیرا کچھ بھی سامان نہ بچا سکے۔" میں کوئی جواب نہ دے سکا
اتنے میں باہر سے کچھ آوازیں سنائی دیں۔ جیسے میری لوہے کی الماری کو باہر نکال رہے
تھے اور اس کو توڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔

"اس کی چابیاں مل جاتیں تو سب معاملہ آسان ہو جاتا۔"

بعض قربانی کا ذکر کرتے اور بعض جذباتی لوگ اس
کی یاد میں دو چار آنسو بھی ٹپکا دیتے۔ اس کے
گھر میں بھی اس کے بوڑھے ماتا پتا، اس کی پتنی
اور بہو، بہن دکھی ہو ہو کر صبح شام سورگیہ
شرون کمار کا ذکر چھیڑ دیتے۔

"آہ کیا بیٹا تھا۔"

"اسے اپنے بوڑھے ماتا پتا سے کتنی محبت تھی
ان کی ذرا سی خواہش کے لیے اپنی جان قربان کر دی۔"

"بیٹا ہو تو ایسا ہو۔"

"ایشور سب کو ایسی ہی سنتان دے۔"

ماں باپ کے ساتھ اس کی بیوی اور
بہن بھی مرنے والے کی تعریفیں کرتی رہتیں۔

"بڑا ویر پرش تھا۔"

"ذمہ داری نبھاتے نبھاتے اپنے پران تیاگ
دیے۔"

"کرتویہ کا پالن اسی کو کہتے ہیں۔"

"اب اس جیسا کوئی پرش پیدا نہیں
ہو سکتا۔"

شروع شروع میں تو دوسرا شرون کمار یہ سب
باتیں چپ چاپ سنتا رہا بلکہ کبھی کبھی وہ خود بھی ان کی
ہاں میں ہاں ملا دیتا۔ مگر دھیرے دھیرے اس نے
محسوس کیا کہ بات صرف مرنے والے کی تعریف کی
نہیں ہے۔ اس تعریف کے پردے میں اس کے
ماتا پتا، پتنی اور بہن اس سے کچھ اور بھی کہنا چاہتے
ہیں۔ وہ روزانہ مرنے والے کو شردھا سے یاد کر کر
کے اس جینے والے کی بھول بھلائی جتلاتے ہیں۔

مگر ان سب باتوں کے اندر چھپے ہوئے کانٹوں کو وہ
محسوس کر سکتا تھا۔ اب اسے مرنے والے کے ذکر
سے چڑ سی ہونے لگی۔ وہ دھیرے دھیرے اس کے
والدین کی گفتگو کے پیچھے چھپے ہوئے طنز کی زہرناکی کو
سمجھنے لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ دراصل یہ لوگ مرنے والے
کی تعریف نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس کی مجبوریوں
اور نااہلیوں کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ وہ جتلا رہے
ہیں کہ وہ اتہاسک تھا، یہ محض ناکارہ ہے۔
وہ اسے اس کی نااہلی کا احساس دلا رہے ہیں
پہلے کی تعریف میں دوسرے کے عیب نکال رہے
ہیں۔ آخر کیا چاہتے ہیں یہ لوگ؟ ٹھیک ہے اگر
شرون کمار نے اپنے کرتویہ کا پالن کرتے ہوئے اپنا
پران نچھاور کر دیے۔ مگر وہ خود بھی تو ان سب
کے لیے بیس دفعہ جیتا اور بیس دفعہ مرتا ہے
ان کی ضرورتیں پوری کرنے میں اپنا خون پسینہ
کرتا ہے۔ انھیں زیادہ سے زیادہ آرام پہنچانے
خاطر زیادہ سے زیادہ محنت کرتا ہے۔ لوگوں
گھرکیاں سنتا ہے گالیاں سنتا ہے، ذلتیں اٹھاتا
ہے۔ اتنا سب کرنے کے بعد بھی ان کی نظروں میں ڈو ڈ
باتیں کیوں؟ یہ طعنے تشنے کس لیے؟

آخر ایک دن وہ پھٹ پڑا۔

"کیا چاہتے ہیں آپ لوگ؟ آں —— بتا
کیا چاہتے آپ کو؟ آپ لوگ کیا مجھے بے وقوف
سمجھتے ہیں؟ آپ لوگوں کی خاطر میں صبح سے شام
تک چکر گھنی کی طرح گھومتا رہتا ہوں۔ محنت کو
کرتے کرتے میرے ہاتھ پاؤں گھس گئے ہیں۔

گو سنتی ہو گئے ہیں۔ میرا سارا خون پسینہ بن
کر بہہ چکا ہے۔ میں نے اپنی ایک ایک سانس کو
آپ لوگوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔ پھر بھی آپ
لوگ ناخوش ہیں۔ آپ لوگوں کی دبی دبی چنگیاں
مجھے نشتر سے گہرے سے چبھ رہی ہیں۔ جانے
دکھ کے تیروں سے میری آتما چھلنی ہو گئی ہے۔ میرے
روئیں روئیں میں سوئیاں گڑی ہیں۔ میں اندر
ہی اندر کھوکھلا ہو گیا ہوں کہ اگر کوئی مجھے انگلی
سے بھی چھو دے تو بکھر کر ڈھیر ہو جاؤں گا۔
اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ میری اس سے
زیادہ پرکشا مت لیجئے۔ میں آپ لوگوں کے
ہاتھ جوڑتا ہوں۔ مجھے بتائیے۔ کھل کر بتائیے کہ آپ
لوگ کیا چاہتے ہیں۔ میں جو دے سکتا تھا دے
چکا ہوں۔ ٹھیک ہے۔ ابھی میرے پاس میرے
پران باقی ہیں۔ جو میں نے آپ لوگوں پر نچھاور
نہیں کیے۔ مگر کیا آپ لوگ نہیں جانتے کہ وہ آپ
ہی لوگوں پر خرچ ہو رہے ہیں۔ قطرہ قطرہ خرچ ہو رہے
ہیں۔ میں اپنی زندگی کو آپ کا قرض مانتا ہوں اور
اسے سود در سود ادا کر رہا ہوں۔"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ لگے
گا اگر وہ اب ایک لفظ بھی بولا تو اس کے پھیپھڑے
پھٹ جائیں گے۔ وہ ایک دم سے چپ ہو گیا۔ ماتا
پتا بھائی بہن سب اسے تیز تیز نظروں سے گھور رہے
تھے۔ نفرت اور غصے سے ان کی آنکھیں جل رہی
تھیں۔ اسے لگا وہ ایک ایسے کمرے میں بند ہو گیا
ہے جسے چاروں طرف سے شعلوں نے گھیر رکھا ہے۔

"بولو ___ بولتے کیوں نہیں؟"
وہ گھبرا گیا ___ شعلوں کی زبانیں اس
کی روح تک کو چاٹنے لگی تھیں۔ تب بوڑھے باپ نے
کھنکھار کر گلا صاف کیا۔ غم کا لپٹا سا گولا گلے
میں گھونٹا اور بولا۔
"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو؟ راجہ ہریش چندر؟
دو روٹیاں اور ایک دھوتی دے کر سمجھتے ہو کہ
تم نے ہمیں سورگ کے سارے سکھ دے دیے۔ تم
ہماری سیوا کرتے ہو تو ہم پر اپکار نہیں کرتے۔
یہ تو تمہارا دھرم ہے۔ میں نے تمہیں بیس برس تک پالا
پوسا۔ تمہارے لیے کڑی سے کڑی محنت کی۔ تمہیں
اچھے سے اچھا کھلایا پلایا۔ تمہیں پڑھا لکھا کر جوان بنا لیا۔
تمہارا بیاہ کیا۔ مگر کبھی تم سے کچھ نہیں چاہا۔ اور اب
جب کہ تمہارے لیے مرتے کھپتے میری بوڑھی ہڈیاں
گل چکی ہیں۔ تم مجھے کوڑا سمجھ کر ایک کونے میں ڈال
دینا چاہتے ہو۔ میرے ایک ایک نوالے، ایک ایک
گھونٹ کا حساب مانگ رہے ہو۔ ارے تمہارے
لیے میں نے جتنا کیا ہے اگر ایک کتے کے پلے کے لیے بھی
کرتا تو وہ زندگی بھر میرے پیچھے پیچھے دم ہلاتا رہتا۔
تم کہتے ہو تم اپنے پرانوں سے ہمارا قرضہ چکا
رہے ہو۔ ارے مورکھ یہ پران ہمارے ہی تو دیے ہوئے
ہیں۔ یہ ہماری امانت ہے تمہارے پاس ___ اگر
تم انہیں ہم پر نچھاور بھی کر دو تو اس میں احسان کی
کیا بات ہے۔ تم قرض نہیں چکا رہے ہو ہماری
امانت ہمیں لوٹا رہے ہو۔ تم اگر اپنی چمڑی کی جوتیاں
بنا کر بھی ہمیں پہنا دو تو ہمارا احسان نہیں چکا پاؤ گے

سکے "

ماں نے روتے ہوئے کہا۔
"ارے مجھے کیا پتہ تھا کہ میں نے تو جیسے تک
اپنی کوکھ میں جس ماس کے لوتھڑے کو اپنا خون پلا کر
جنم دیا ہے، وہ ایک سپنولا ہے۔ یہ مت بھول کہ
تیری ایک ایک سانس میں میری سانس شامل ہے۔
تیری رگوں میں میرا ہی دودھ لہو بن کر دوڑ رہا ہے۔
تو مجھے کیا دے سکتا ہے۔ سات جنم بھی اگر میرے
پاؤں دھو دھو کر پیتا رہے گا تو میرے احسانوں کا بوجھ
نہیں اُتار سکتا۔ اور آج بھی تو مجھے کون سا سونے کے
جھولے میں جھلا رہا ہے۔ ایک آیا کی طرح تیرے بچوں
کی دیکھ بھال کرتی ہوں، تیری پتنی کی کڑوی میٹھی باتیں
سہتی ہوں۔ صبح سے شام تک تیرے گھر میں داسی
کی طرح کام کرتی ہوں تب تو دو وقت کی روٹی دیتا
ہے۔ اتنا کام کسی اور کے گھر کروں تو دودھ بھات
کھانے کو ملے۔ تیرے گھر میں روکھا سوکھا کھا کر بھی
کبھی شکایت نہیں کی اور تو مجھ پہ احسان جتا رہا
ہے؟ اپنی ماں پر ـــــ ارے تو اولاد نہیں راکشس
ہے راکشس" ماں ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی
دوسری طرف سے پتنی نے شوہر سے بھاتی بولی۔
"میرا تو مقدر ہی خراب تھا جو اس گھر میں
بیاہی گئی۔ پتا جی نے کہا تھا، اونچا گھرانہ ہے،
خاندانی رئیس ہیں۔ عزت سے کبھی روٹی کھاؤ گی میں
تو کہتی ہوں کسی شودر کے گھر بیاہی ہوتی تو زیادہ
سکھی رہتی۔ اُوپر سے گھر والے کرکے کیا پاؤں؟ وہ نہ
کبھی پیٹ بھر کھایا، نہ تن بھر پہنا ـــــ اس پر ساس سسر
کی جھک جھک ـــــ دو دو نندوں کا جہاتی پر سوار رہتی

ہے۔ بچوں کی پرورش، پتی کی سیوا۔ میں تو بھگوان
سے پرارتھنا کرتی ہوں کہ مجھے جتنی جلدی ہو سکے اس
نرک سے مکتی دے دے۔"
بہن بھی رونے لگتی۔
"آخر میں ہی سب کی نظر میں کھٹکتی ہوں
نا، بھگوان کسی کو ایسا نصیبہ نہ دے۔ میں سمجھتی
تھی جب تک میرے بھیا کا سایہ میرے سر پر ہے
مجھے اس سنسار میں کسی کی چنتا نہیں۔ مگر مجھے کیا معلوم
تھا کہ میرا بھائی میرے اور میرے بچوں کے نوالے
گنتا ہے۔ ارے روٹی کھایا ہے وہ تو ... دودھ ہوا تو
میں چلی جاؤں تو زندگی بھر ملتی رہے گی۔ بچے بھی
کسی اناتھ آشرم میں پل جائیں گے۔ مگر میں یہاں
یہی سوچ کر آئی تھی کہ خاندان کی مریادا اور عزت
کا سوال ہے۔ بھائی پر لوگ انگلیاں اُٹھائیں گے۔
پتا شری کو بدنام کریں گے۔ اگر میں تم لوگوں پر بوجھ
ہوں تو کل ہی اپنے بچوں کو لے کر کہیں چلی جاؤں
گی۔ ایشور کی دھرتی بہت بڑی ہے۔"
چاروں کی یہ کڑوی کسیلی باتیں سن
کر بے چارے دوسرا شروان کا رست سٹ پٹایا۔ وہ
خود اپنے ہی شبدوں کے جال میں پھنس گیا تھا گڑگڑا
کر بولا:
"ایشور کے لیے تم لوگ میری باتوں کا غلط
مطلب نہ لو۔ میں نے تم لوگوں کی سیوا سے انکار نہیں
کیا ہے۔ کر بھی نہیں سکتا ـــــ اگر ایسا کروں تو اگلے
جنم میں چانڈال کے گھر پیدا ہوں۔ میں تو صرف یہ
چاہتا ہوں کہ آپ لوگ مجھے بتائیں کہ میری سیوا میں کیا
کمی رہ گئی ہے۔ جو آپ لوگ مجھ سے یوں خفا ہیں میں

تھا۔ دوسرے یہ کہ اسے اپنے کام کی لگن تو لگی تھی۔ اسے مجبوراً ماننا ہی پڑا۔

پہلے شرون کمار کے ساتھ صرف اس کے ماں باپ تھے۔ اس لیے اس نے ایک بہنگی بنائی تھی اور انہیں اس میں بٹھا کر کاشی دھام کی اور چل پڑا تھا۔ یہاں ماں باپ، پتنی، بہن اور چھوٹے بچے ایک پورا قافلہ تھا۔ ان سب کو اتنے دور دراز کے سفر پر کس طرح لے جائے۔ آخر بہت غور کرنے کے بعد اس کے دماغ میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے لکڑی کی دو پہیوں والی ایک گاڑی تیار کی۔ سب کو گاڑی میں بٹھایا، تھوڑا سا کھانے پینے کا سامان بھی رکھ لیا۔ گاڑی کے سامنے ایک مضبوط رسی باندھی اور اس رسی کا دوسرا چھور اپنی کمر میں کس لیا۔ اب وہ کاشی یاترا کے لیے تیار تھا۔

ماں باپ نے بیٹے کو منھ بھر بھر کر دعائیں دیں۔ پتنی نے پیاری پیاری باتوں سے اس کا حوصلہ بڑھایا۔ بہن بھائی کی محبت اور بڑائی کے گیت گانے لگی۔ ننھے خوشی سے طوطا مینا کی طرح بولنے لگے۔

جب دوسرا شرون کمار اپنے پریوار کو گاڑی میں بٹھا کر کاشی کی طرف چلا تو پورا گاؤں اسے رخصت کرنے کے لیے اکٹھا ہو گیا۔ ہر شخص اسی کی جواں مردی اور فرض شناسی کی تعریف کر رہا تھا۔ لوگ حقیقت میں پہلے شرون کمار اور اس کی دو دیری حیرت کو بھول گئے۔ دوسرے شرون کمار کی بھی لوگ ایسی ہی باتیں اٹھا رہے تھے۔

یا حوصلہ اور ہمت کے ساتھ گاڑی کو کھینچتا ہوا اپنا کاشی دھام کی طرف چل پڑا۔ گاؤں والے دور تک اس کی جے جے کار کرتے اس کے ساتھ گئے۔ آخر گاؤں کو

پر سب نے رخصت کر کے لوٹ گئے۔ شرون لگاتار ندی نالے، جنگل، بیابان پار کرتا، آندھی طوفان سے مجبور جتا، موسموں کے تیور سہتا، رات دن سفر کرتا، کاشی کی اور بڑھا چلا جا رہا تھا۔ مہینوں میں اور ہفتے برسوں میں بدل گئے۔ شرون کمار کا سفر جاری تھا۔ ماتا پتا، پتنی، بہن کاشی اور تیرتھ اور گنگا اشنان کی کلپنا سے مگن تھے۔ یہاں کی اس یاترا نے نہال کر دیا تھا۔ البتہ شرون کمار کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جا رہی تھی۔ گاڑی کھینچتے کھینچتے اس کی کمر اور بازوؤں پر سانپ کی کنڈلی جیسے رسی کے نشان پڑ گئے تھے۔ جگہ جگہ سے کھال چھل گئی تھی۔ چلتے چلتے پیروں میں چھالے پڑ گئے تھے اور چھالے پھوٹ کر زخم ہو گئے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ پورا چہرہ بالوں سے ڈھک گیا تھا۔ بس اندر کو دھنسی ہوئی دو آنکھیں چمکتی رہتیں جیسے کسی گھنی جھاڑی میں دو چراغ روشن ہوں۔ اس کے پورے جسم پر کوئی جگہ ایسی نہیں تھی جس پر زخم یا داغ کے نشان نہ ہوں۔ وہ اس قدر ٹوٹ پھوٹ گیا تھا کہ کسی دیوار کی طرح کسی بھی وقت ڈھے سکتا تھا۔ مگر وہ چل رہا تھا۔ گاڑی کھینچ رہا تھا اور کاشی کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وہ رک سکتا تھا، مگر اب رکنا فضول تھا کیوں کہ وہ اتنا آگے بڑھ چکا تھا کہ واپس لوٹنا آگے بڑھنے سے زیادہ دشوار تھا۔ پھر واپسی کی شرمندگی زحمت سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ اس کے بڑھتے بڑھتے مرنا اچھا ہوتا۔ مگر واپس لوٹ کر جانے کی ذلت اور شرمندگی کے ساتھ جینا تو موت سے بدتر

اور شفق تمام ——
وہ ندی کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ اجلی چھٹکی
کے چاند کا عکس ندی کے پانی میں جھل مل جھل مل کر رہا
تھا۔ ندی کے دونوں طرف گھنے اونچے پیڑوں کا
سلسلہ دور دور تک چلا گیا تھا۔ شروَن کمار نے ارد گرد
کا جائزہ لیا۔ اور پھر کنکھیوں سے آس پاس کے پیڑوں
کی جانب دیکھا۔ ایک لمحہ رُکا اور پھر مٹکا پانی میں
ڈبو دیا۔

ڈب۔ ڈب۔ ڈب۔ ڈب کی آواز آئی
اور مٹکا پانی سے بھرنے لگا۔

وہ سوچنے لگا یہ ڈب ڈب کی آواز دیر تک
آتی رہے کیوں کہ پانی بھرنے کی آواز پر ہی تو راجہ دشرتھ
نے یہ سمجھ کر کہ کوئی ہاتھی پانی پینے آیا ہے، تیر چلا دیا
تھا۔ اور تیر شروَن کمار کے جا لگا تھا۔ شروَن کمار
کا دل ہرنی کی طرح دھڑک رہا تھا۔

اب آئے گا —— اب آئے گا —— مگر
تیر نہیں آیا —— اس کا مٹکا بھر گیا۔ مگر تیر
نہیں آیا —— وہ مٹکا کاندھے پر رکھ کر کھڑا بھی ہو گیا۔
مگر تیر نہیں آیا —— مایوسی سے اس کا دل ڈوبنے
لگا۔ وہ تھوڑی دیر تک کھڑا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اونچے
درختوں کے طویل سلسلے کی جانب حسرت سے دیکھتا
رہا —— مگر تیر نہیں آیا۔ آخر اس نے ایک سرد آہ
کھینچی اور مٹکا کاندھے پر لیے لڑکھڑاتے قدموں سے
واپس برگد کے پیڑ کی طرف مڑ گیا، جہاں اس کے ماتا
پتا، پتنی، بہن اور بچے اس کا انتظار کر رہے تھے ●

آنکھ مچولی جولائی ۱۹۸۰ء

شام بارک پوری

روبوٹ

بندرگاہ پر جہاز لنگر انداز تھا۔ کرین سے روبوٹ اتارے جا رہے تھے۔ انہیں دفتر تک پہنچانے کے لیے سڑکوں پر رکھا گیا۔ ایک سو روبوٹ بیرونِ ملک سے درآمد کیے گئے تھے۔

دوسرے دن تمام روبوٹ سکریٹریٹ کے مختلف شعبوں میں اہم عہدوں پر مامور کر دیے گئے۔ روبوٹ مکمل طور پر اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے۔ محکمے کے تمام کام برق رفتاری، تن دہی، اور خوش اسلوبی سے انجام پذیر ہونے لگے۔ دفتر میں رکاوٹ، بے ایمانی، اقربا پروری، رشوت ستانی، دخل اندازی، سفارش کا نام و نشان تک نہ تھا۔ تمام فائلیں کسی تاخیر کے بغیر دھڑا دھڑ پایۂ تکمیل کو پہنچ گئیں۔ روبوٹ روزانہ صبح آٹھ بجے اپنے اپنے دفتر پہنچ جاتے۔ تمام فائلوں سے نپٹنے کے بعد دو بجے آفس سے نکلتے۔ ایک ہفتے کے بعد دیکھا گیا کہ کوئی بھی کام نامکمل نہ تھا۔ تمام افسران اور کلرک حیران اور متفکر تھے۔ جو کام انھوں نے برسوں سے روک رکھے تھے۔ انہیں روبوٹوں نے ایک ہفتے میں مکمل کر کے ایک مثال قائم کر دی۔ افسروں کو پریشانی لاحق ہوئی۔ انہیں نہ صرف اپنی نوکری خطرے میں نظر آئی بلکہ آمدنی کا ذریعہ بھی بند نظر آنے لگا تھا۔ بیکاری میں اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھے بیٹھے مکھیاں مارنے لگے تھے۔ وہ لوگ اپنے اپنے شعبوں کے لیے بے کار محض ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کی میزوں پر کوئی فائل کوئی درخواست نہ پہنچنے کا شکار ہوئی۔ اس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے سرگرداں ہونے لگے۔ انھوں نے روبوٹوں کے خلاف خفیہ میٹنگ کی۔

چند ہفتوں کے بعد دیکھا گیا کہ جو روبوٹ ٹھیک آٹھ بجے دفتر پہنچتے تھے۔ اب دس بجے آنے لگے تھے۔ کام سے بیزار، طبیعت اچاٹ، کبھی کبھار بے دلی سے کوئی فائل اٹھاتے پھر اسے نامکمل چھوڑ دیتے۔ تمام فائلیں میز پر جوں کی توں پڑی رہتیں۔ دوپہر کے دو بجے جانے کے بجائے بارہ بجے ہی دفتر سے چلے جاتے۔ ان کے عادات و اطوار میں حیرت انگیز تبدیلی آنے لگی۔ اب کام نکلوانے کے لیے روبوٹوں کے منہ میں نوٹوں کی گڈیاں [illegible]

چھیں تو دانے کے بجائے وہ کسی کام کو بار بار تک دہراتے تھے، جس کی وجہ سے کام کی رفتار سست پڑ گئی۔ ایک دفتری کلرک کی لاپروائی سے عوام میں بے چینی پھیل گئی۔ بیزوں لیبر یونینوں کا انبار لگ گیا۔ ایڈمنسٹریشن کا انتظام درہم برہم ہو گیا۔ ارباب بست و کشاد نے سختی کی کہ روبوٹوں پر ان کے دباؤ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ مشینی آدمی ان کے کنٹرول سے باہر تھے۔ اب تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ انھوں نے کیلی فورنیا کی کمپنی کو تار بھیجا: آپ لوگوں نے ایک سو روبوٹ بھجوائے تھے۔ وہ نااہل نکلے۔ آغاز میں دفتروں کا کام بڑی تن دہی سے انجام دیتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے طور طریقے میں فرق آ گیا۔ کسی کام کو صحیح طور پر انجام نہیں دیتے۔ انسانوں سے زیادہ ناکارہ ثابت ہوئے۔ اس لیے انھیں تبدیل کر کے نئے روبوٹ بھجوائیں:

کیلی فورنیا کی کمپنی سے تار کا جواب آیا: نئے روبوٹ بھیجنے کی ضرورت نہیں، آپ کے وہاں ہم سے بہتر سائنس داں ہیں، جو کام ہم برسوں کے ریسرچ کے بعد نہ کر سکے، وہ آپ کے لوگوں نے چند ہفتوں میں انجام دے دیا۔ اس لیے سائنسی دنیا اور تحقیقاتی ادارے آپ لوگوں کے احسان مند ہیں۔ ہم لوگ برسوں کی کاوشوں کے بعد روبوٹوں میں انسانی خصلت پیدا نہ کر سکے، مگر آپ لوگوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے، جن سے ہماری کوششیں بار آور ثابت نہ ہو سکی تھیں۔ پہلے کے روبوٹوں کی قیمت واپس کی جا رہی ہے۔ روبوٹوں میں انسانی جبلت پیدا کرنے کے لیے رقم بھی فراہم کی جا رہی ہے:

رقم پہنچنے سے قبل روبوٹوں نے حکومت کی کرسیاں سنبھال لی تھیں، اب انتظامیہ کا قلم دان ان کے ہاتھوں میں تھا۔ لول نیچے والو زندہ باد۔

کتاب نما ستمبر ۱۹۸۰ء

بس مجھے جگتار پور کے موڑ پہ اتار کر چلی گئی تھی۔ اس ویران بس اسٹاپ پر اترنے والا میں اکیلا ہی مسافر تھا۔ میرے اترنے کے بعد کنڈکٹر نے جھٹکے سے دروازہ بند کر کے سیٹی بجا دی تھی۔ بس فوراً جنوری کی ابر آلود شام میں غائب ہو گئی تھی --- اور جنوری میں ٹھہرا ہوا سناہٹ بھرا اندھیرا، سڑک دونوں طرف دور تک خالی تھی کہ آخری بس سے میں اترا تھا۔ سناٹے میں عجیب سی دہشت کا احساس ہوتا تھا۔ پہلا خیال میرے ذہن میں آیا کہ مجھے یہاں اس وقت اترنے کی غلطی نہیں کرنا چاہیے تھی۔ کمبخت سے پھر کبھی مل جاتا۔ [illegible] کوئی وعدہ بھی نہیں تھا --- گرم چادر کو اچھی طرح اپنے گرد لپیٹ کر میں نے جگتار پور جانے والی کچی نیم پختہ سڑک کو دیکھا جو تھوڑی دور جا کر اندھیرے میں گم ہو گئی تھی۔ اسٹاپ کے تقریباً پیچھے کھوکھے بند ہو چکے تھے۔ سڑک کے اس پار والے کے کھوکھے میں زرد موسم کی سی ٹمٹماتی روشنی جل رہی تھی ---

تنہائی اور سردی سے بچنے کے لیے میں اُدھر ہی چلا گیا۔ شاید وہ جگتار پور کے لیے کسی سواری کا بندوبست کرے۔

کھوکھے کا گنجا مالک سامان سنبھال رہا تھا۔ مجھے اچانک دکان میں دیکھ کر وہ چونکا۔ خوف اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا تھا۔ اس کے ہاتھ جیسے ٹھٹھر گئے، منہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس کی نظریں چادر کے اندر میرے ہاتھوں کی حرکت پر تھیں۔ میں بجھتی ہوئی بھٹی پر ہاتھ سینکنا چاہتا تھا۔ اس کے خوف زدہ چہرے نے مجھے ایسا نہیں کرنے دیا۔ میں نے چائے کے لیے بھی نہیں کہا کہ راستے میں دو تین مرتبہ پیے ہوئے چائے نام کے مشروب نے خاصا بدمزہ کر دیا تھا۔ المونیم کی کالی جلی ہوئی پتیلیوں میں زیادہ شکر اور کشمش پتی اور مسالے کر بار بار اُبال کر تیار کیا گیا گاڑھا مشروب، میری زبان پر تیزابی سا جما ہوا ذائقہ چھوڑ گیا تھا اور میں ابھی تک پیٹ میں جلن سی محسوس کر رہا تھا۔

میں دوکان سے نکل گیا ـــ لوگ تھے تو غنودہ
کیوں رہنے لگے ۔ اس نے جھٹ سے کمرے کو بند کیا۔ سر پر
پہلے مفلر کو کھول کر دوبارہ باندھا۔ سیکل کا ہتھل پکڑی
اور تیزی سے بستی کی طرف چلا گیا۔ سلیمہ اپنی
بیوی بچوں کو جاکر بتائے گا کہ آج وہ ایک اگر
حادثے سے بچ کر آیا ہے۔ اس خیال پر مجھے ہنسی تو نہیں
آئی۔ دُکھ ہوا۔ میری ہتھیلی پسیج اٹھی۔ سڑک پار
کرنے میں موڑ پر گئے میل پتھر تک گیا۔ پنسل ٹارچ
کی روشنی میں پڑھا۔ جگتارپور ۲ کلو میٹر۔
"کون ہے بھئی؟" ایک کرخت سی آواز
اندھیرے کو چیرتی ہوئی آئی۔
ٹارچ بجھا کر میں بھی جیسے میل پتھر ہو گیا۔
دھیمی میکینیکل ورکس کے سینگ شیڈ سے نکل کر
دو سپاہی تھری ناٹ تھری کی بندوقیں سنبھالے
میری طرف آ رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر ٹھیلی کی آڑ میں
رک کر انہوں نے شاید میرا جائزہ لیا، میری حرکات
بغور دیکھیں پھر ایک سپاہی سڑک پر آ گیا۔ کچھ دنوں پہلے
اس علاقے میں ایک پٹرول پمپ لوٹ لیا گیا تھا۔
ایک کسان بھی ہلاک کر دیا گیا تھا۔ میں ان کی
طرف دیکھے بغیر محسوس کر رہا تھا کہ وہ مجھے مشتبہ سمجھ
رہے ہیں۔ میں نے کھڑے رہنا ہی مناسب سمجھا۔ مجھے
وہاں اندھیرے اور سردی میں کھڑے عجیب سی بے چینی
اور دکھ کا احساس ہو رہا تھا اور اپنی بے وقوفی پر
افسوس ہو رہا تھا۔ میرا جگتارپور جانا ضروری تو نہیں تھا۔
"کدھر جا رہے ہو سردار جی؟" ـــ سپاہی نے
قریب آ کر پوچھا۔ اس کی نظریں میرے چہرے کے اندھیرے
اور ہاتھوں کی حرکت پہ تھیں۔ لیکن میں بہت مطمئن سا تھا۔
اس نے میری کالی داڑھی اور پٹکے کو بغور دیکھا
چہرے سے آدھا مفلر کھسک گیا تھا اور جیب میں دوہرا کر کے رکھا ہوا
اس روز کا اخبار، میرا لکھا ایک مضمون اور ریڈ
منٹ کا پولا تھا جو میں نے پٹیالے سے چلتے ہوئے خرید
لیا تھا۔ کرپان وہ تو آج کی کرپان بھی تھی جو میں
کرتے کے ساتھ ہمیشہ پاس رکھتا تھا۔
"جگتارپور ـــ لیکن کوئی سواری نہیں آ رہی۔"
"اس وقت ـــ!" سپاہی میرے قریب
آ گیا۔ دوسرا سپاہی بھی درخت کی آڑ سے نکل کر کچھ
فاصلے پر آ کھڑا ہوا تھا۔ شاید وہ اپنے ساتھی کو کور دیے
ہوا تھا یقین کے ساتھ!"
میں نے کرتار سنگھ کے ایم۔ایل۔اے بھائی کا
نام لے دیا اور احتیاطاً اس کے ساتھ اپنے خاندانی
مراسم کا ذکر بھی کر دیا۔ سپاہی کچھ سوچنے لگا تھا۔ بولا:
"سردار جی! اس وقت ادھر کے لیے کوئی سواری
نہیں ملے گی۔" اس کا لہجہ نرم ہو گیا تھا۔ اس کی آواز
میں جو سب سے حدت اور خوف سے پیدا ہونے والا تیکھا
پن تھا نہیں رہ گیا تھا۔ "آپ کو اس وقت
ادھر ـــ" سڑک کے پار سائیکل رکشا دیکھ کر اس نے
آواز دی۔ رکشا والا ڈرا سہما سا آ گیا۔ سپاہی نے
اسے کہا کہ وہ مجھے جگتارپور پہنچا دے۔ میں نے کچھ بات
کی۔ تھوڑا سا انکار بھی، نہ دینے کی پیش کش کی۔ لیکن وہ رضا مند
نہیں تھا۔ کڑکڑاتی سردی کی راتوں اور سڑک کے ناکے
بہت بیمار ہو ـــ پھر تیزی سے بستی کی طرف چلا گیا۔
سپاہی نے آسمان کی طرف دیکھا ـــ "مینہ آئے

ظفر پیامی

کمرے کی گل

اگلے وقتوں میں ایک ملک تھا۔ اس ملک کی ایک راجدھانی تھی۔ سب راجدھانیاں اور سب راجکماریاں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ حسین، مغرور، مکار، مطلب پرست، مغلوب کئے جانے کی منتظر۔ اس راجدھانی میں سردیوں کی شمعریتی ہوئی ایک شام بہت بڑا جشنِ فتح منایا جارہا تھا۔ فتح جو ایک ہم زاد پر حاصل کی گئی تھی۔

اس رات لوگ ناچ رہے تھے، گا رہے تھے، پی رہے تھے، پلا رہے تھے، اُجڑ رہے تھے، اُجڑا رہے تھے، چیخ رہے تھے، چلا رہے تھے کہ جشن کی رات اُن سب کے لئے تھی، جو تماشوں کو ترستے ہیں، وہ لوگ جو تماشے دیکھتے ہیں، تماشے بنتے نہیں کہ وہ بڑے لوگ تھے۔ بڑے لوگ تالیاں بجانے کے لئے ہوتے ہیں، لڑنے بھڑنے کے لئے نہیں۔ بڑے لوگ بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔

جشن کے دوران میں ایک نوجوان جو شکل وصورت سے بادشاہ زادہ اور بول چال سے سوداگر بچہ لگتا تھا۔ یکایک زور زور سے ہنسنے لگا، پھر وہ زور زور سے بین کرنے لگا۔ کسی نے پوچھا:

"اے سوداگر بچے، تو جو شکل سے بادشاہ لگتا ہے، تو نے پہلے خندہ کیوں کیا اور پھر گریہ کیوں؟"

"ہنسا میں اس لئے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ جشن اس بات کا ہے کہ جیبیں خالی ہوگئی ہیں اور تجوریاں بھر گئی ہیں۔" سوداگر بچے نے جواب دیا۔

"اور پھر وہ شہزادے کیوں؟"

"اس لئے کہ جو آتا کا جھیلا ہے۔ شاید پھر کبھی نہ ہوتا یہ کہ گردہ سوداگر زادہ جو شکل سے بادشاہ زادہ لگتا تھا، پھر مصروفِ گریہ ہو گیا۔

تب کہیں سے آواز آئی "بر وقت آسمان کا رنگ دیکھ کر۔ صبر کا پھل۔۔۔"

پتہ نہیں آوازِ غیب نے صبر کے جس پھل کا ذکر کیا تھا، وہ میٹھا تھا یا کڑوا آسمان کا رنگ رفتہ رفتہ بہت سے مل بدلنے لگا اور جب سورج ہزاروں بار دھرتی کی کوکھ سے طلوع ہو چکا اور جب چاند ان گنت اماوسوں سے ان گنت پورنیماؤں کا روپ دھار چکا تب آسمان کے رنگ کے ساتھ زمین کا رنگ بھی بدلنے لگا۔ شاخوں پر پھر پھل دکھائی دینے لگے۔ پھولوں کی پتیاں ایک ایک کر کے گر چکی تھیں۔ پھول اور پھل کے درمیان کی منزل گزر چکی تھی۔ ننھے ننھے پھل پودوں کی شاخوں پر آ رہے تھے۔ پھلوں کے بارے پودوں کی شاخیں کچھ بوجھل ہو کر اور کچھ شرما کر زمین کی جانب جھک رہی تھیں۔ پہلی بار ماں بننے والی پہلے سال کی دلہنوں کی طرح

کھیتوں اور باغوں میں بھرپور فصل ہوئی تھی جو کھیت کبھی گدھوں کی آرام گاہیں بن گئے تھے وہاں چڑیاں پھر چہچہانے لگیں، فصلیں پھر مسکرانے لگیں۔ لہو بھری جھیلیں مگر مچھوں سے اب پاک صاف ہو چکی تھیں۔ صاف و شفاف جھیلوں کے کناروں پر راج ہنسوں کے جھنڈ کلیلیں کرنے لگے تھے۔ جن بیریوں کو بیروں سمیت جلا کر بھسم کر دیا گیا تھا، ان کی جگہ نئی بیریاں آ گئی تھیں ننھے ننھے نئے بیروں کے ساتھ۔

گڑیاں کھیلتی ہوئی جن بچیوں کے پاپا اُن کے لئے نئی گڑیاں لانے گئے تھے کبھی نہ لوٹنے والے سفر پر، اب اُن گڑیوں کی گود میں جیتے جاگتے گڈے گڑیاں کھیل رہے ہیں کل کے بچے اب اس وردی کو پہننے کے قابل ہو رہے تھے جسے برسوں تک اماں ہر سال بڑے چاؤ اور پیار کے ساتھ ڈرائی کلین کراتی، تصویر کے نیچے لٹکاتی، تصویر پر پھول چڑھاتی اور پھر وہ دھو کر فنائل کی گولیاں ڈال کر، اسٹیل کے کالے صندوق میں بڑی احتیاط اور احترام کے ساتھ رکھ دیتی تھی۔ ڈرائنگ رُوم میں لگی ہوئی تھی پاپا کی، شادی کی تصویر

مدہم پڑتی جا رہی تھیں۔ اب وہاں دیواروں پر نوجوان اور من چاہے ہنگیتروں کی تصویریں چپکیں اور دیواروں کے درمیان گونجتی آوازیں جوان ہو رہی تھیں۔ وہ مائیں جو کبھی اکلوا جاتے بچوں کی ماں اور باپ دونوں بننے پر مجبور ہو گئی تھیں، اب پھر مائیں بن رہی تھیں، صرف مائیں — نیک، ہونہار، ہنرمند، اور خوب رُو، دلہنوں کے لئے دلہنیں ڈھونڈنے والی مائیں۔ سفید ساڑھیوں، سفید شلوار قمیضوں میں ملبوس مائیں اپنے اُن سرخ عنابی جوڑوں کو بڑے پیار سے دیکھ رہی تھیں، جو برسوں پہلے انہوں نے پہنے تھے، صرف ایک بار۔ اب یہ جوڑے کوئی اور پہنے گی، اُن کی بیٹی یا اُن کی بہو۔

پھر یوں ہوا کہ آسمان کا رنگ دھیرے دھیرے پھر بدلنے لگا۔ دن کے وقت بھی آسمان گدلا، کالا اور مٹیالا سا ہوتا جا رہا تھا۔ شاید گدھ آسمانوں میں منڈلا رہے تھے۔ گدھوں کے سائے نے سورج کی روشنی کو ریزہ ریزہ کر دیا تھا۔ گدھوں کو برسوں کی بھوک ستا رہی تھی۔ گیدڑ راتوں کو عجیب طرح روتے تھے نہ جانے سردی سے کانپتے تھے یا بھوک سے۔

پرانے تماشائی یا تو اب تماشا بن چکے تھے یا تاریخ کا بھولا بسرا باب۔ نئے تماشائیوں کو اب نئے تماشوں کی طلب تھی۔

اب سروں کی فصل پوری طرح پک چکی تھی۔ سروں کی فصل کاٹنے کا موسم شاید آ گیا تھا۔

سوال صرف یہ تھا کہ سروں کی فصل کاٹنے کا آغاز کہاں سے ہو۔

نئے تماشائیوں کو نیا تماشا درکار تھا۔ پرانے تماشے صحراؤں میں ہو چکے تھے۔ پہاڑوں، دریاؤں کے کناروں، نہروں کے آر پار، شہروں، گلیوں، کوچوں میں کئی بار تماشے ہو چکے تھے۔ کھیت کھلیان اور کھیل کے میدان کئی بار قبرستان بن چکے تھے۔ نئے تماشے کے لئے کوئی نیا تھیٹر، کوئی نیا میدان، کوئی نیا وکیل درکار تھا وہ وکیل تھا برف کا ایک بہت بڑا اچھوتا تودا۔

تب ایک ملک کے حاکموں نے اپنے ہمزاد حاکموں سے کہا: "یہ مقام الاؤ
کے جلانے کے لئے واقعی بہت مناسب ہے کہ سینکڑوں صدیوں سے سوئی ہوئی
اس برف کے اوپر کوئی آدم زاد نے کبھی قدم نہیں رکھا. سینکڑوں صدیوں سے قائم یہ برف
ملبہ ان کے پُر ہول ماحول سے کانپ رہی ہوگی۔ آؤ اس برف کے آس پاس، اس برف کے
اوپر نیچے اس برف کے درمیان آگ کے بڑے بڑے الاؤ روشن کریں کہ برف کو
اب آگ چاہیئے۔ انسانوں کے جسموں سے بھڑکنے والی آگ"

تب ایک ہمزاد نے دوسرے ہمزاد سے کہا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو۔
ایسا ہی ہوگا"

تب ایسا ہی ہوا۔

پھر کسی نے حاکموں سے پوچھا: "مگر انسانی جسم آئیں گے کہاں سے؟ کہ وہاں
تو چاروں طرف آدم زاد کا نشان تک نہیں ملتا"

حاکموں نے جواب دیا: "ہماری باتوں میں تم آدم زاد دخل نہ دو کہ ہم بہتر جانتے
ہیں کہ ہمارے لئے کچھ ناممکن نہیں ہے کہ ہم ناممکن کو ممکن بنا سکتے ہیں۔ برف کے تودوں پر آگ
ضرور بھڑکے گی۔ اور یہ آگ خود انسان اپنے ایندھن سے لگائے گا"

"برف ہی برف، آگ ہی آگ۔ برف اور آگ کا الاؤ اور انسان۔

تب انسانوں کے جسم کے الاؤ روشن ہونے لگے۔ انسان کے جسم کو ہی جلنے کے
لئے کسی ایندھن، کسی آکسیجن، کسی ہائیڈروجن کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ضرورت ہوتی ہے تو صرف
حاکم کے حکم کی۔

جسموں کی آگ کے الاؤ جب روشن ہوئے تو اس الاؤ کی تپش سینکڑوں
میل نیچے بھی محسوس ہونے لگی آگ کی ننھی ننھی ندیاں دھیرے دھیرے دریا بن کر نیچے کی طرف
آ رہی تھیں۔

فصلوں سے بھرپور تمام کھیتوں، کھیتوں سے اُگتے ہوئے تمام کھلیانوں، پھلوں
سے جھکے ہوئے تمام پیڑوں، پیڑوں سے اٹے ہوئے تمام باغوں اور باغوں سے گھرے
ہوئے تمام گھروں کو شاید انتظار تھا آگ کے دریا کا۔
شاید یہی حکم تھا حاکموں کا۔ شاید یہ کسی جہان آتما کا شراپ تھا۔ شاید یہ کسی

پہنچے چھوٹے بزرگ کی بددعا تھی کو سروں کی فصلیں جب پک جائیں تب انہیں کاٹ دیا جائے کہ اس دھرتی پر جتنے بھی گھر ہیں، اُن گھروں میں جتنی بھی خوشیاں ہیں وہ زیادہ دیر تک وہاں ٹھہر نہیں سکتیں۔

اور ایسا ہی ہوا۔ برف کے تودوں پر آگ روشن ہو گئی جو کائنات انسانوں کے آس پاس موجود ہے اس کائنات میں آج تک کسی نے اتنے اونچے مقام پر اتنی بھیانک آگ نہ دیکھی تھی کہ یہ آگ انسانوں نے لگائی تھی دیوتاؤں نے نہیں۔ دیوتا اپنے صدیوں پرانے مسکن سے اس آگ کو دیکھتے ہی فرار ہو گئے کہ انسانوں کے جسموں کی آگ کی بو دیوتاؤں کی برداشت سے باہر تھی۔

پھر حاکموں نے حکم دیا: آگ کی حدت اور زیادہ تیز ہو۔ تب آگ کی حدت اور زیادہ تیز ہو گئی۔ بڑے بڑے دھماکوں کی آوازیں آنے لگیں۔ فضاؤں میں عجیب طرح کا دھواں بھر گیا۔ ایسا دھواں جو پلک جھپکنے میں انسان کو خاک اور خون میں بدل کر رکھ دیتا ہے — برف پر آگ کا کھیل کھیلنے کے کھلونے بیچنے والے بے حد خوش تھے ایسے خطرناک کھیلوں کی پہلی بار آزمائش کے لئے کوئی مناسب میدان ملا تھا پہلی بار برف کے بے جان تودوں کی خاطر انسانوں نے تیل کے بجائے لہو ڈال کر آگ کا دریا روشن کیا تھا اس دور کے گلیڈیئٹر اپنے آقاؤں کے حکم پر ایک انوکھے کلوسیم میں مرنے مارنے کا کھیل کھیلنے پر کمربستہ تھے۔

اور نئے روم میں پرانی عمارتوں کو دکھانے والا گائیڈ کہہ رہا تھا:

"یہ کولیسیم ہے چاروں طرف جو بے شمار سیڑھیاں آپ دیکھ رہے ہیں، وہاں پرانے روم کے آزاد شہری بیٹھتے تھے بیچ میں سینیٹ کا بکس تھا اور آس پاس امیروں اور وزیروں کے۔ بیچ میں جو میدان ہے، وہاں کھیل ہوتے تھے۔ جانوروں کے جانوروں سے مقابلے، بھوکے شیروں کی شرابی ہاتھیوں سے لڑائیاں، اُلپی مینڈھوں سے مقابلے، پھر جانوروں اور انسانوں کے مقابلے، انسان جنگلی بیلوں کے ساتھ ٹکراتے۔ انعام میں موت یا من چاہی سندری پاتے۔ نہیں، نہیں، ینگ مین، آپ خاطر جمع رکھیں آپ کی من چاہی آپ کے ساتھ ہے۔ ہا ہا ہا!

"یہاں سب سے بڑا کھیل ہوتا تھا گلیڈیئٹرز کا۔ جانتے ہیں گلیڈیئٹرز جانور نہیں انسان ہوتے تھے۔ افریقہ اور ایشیا سے لائے ہوئے غلام مضبوط ترین جسم اور لمبے قد

والے غلاموں کو ہی گلیڈیئیٹر بنایا جاتا تھا انہیں انتہائی طاقت ور بنانے پر خاص صلاح اور
جوان اور بہت سا انہیں ہر طرح کے ہتھیاروں کے استعمال کے ہنر سکھائے جاتے۔
پھر ایک دن بہترین شراب پلا کر اور من پسند خوراک کھلا کر انہیں مقابلے میں
اُتارا جاتا۔ کسی جانور کے سامنے نہیں بلکہ اپنے ہی ایسے کسی گلیڈیئیٹر کے مقابلے میں۔ بعض
مرتبہ تو بھائیوں کے درمیان ہی مقابلہ ہو جاتا اور خوب ڈٹ کر ہوتا۔
آپ کیا پوچھ رہی ہیں مائی سوئیٹ میڈموزل ؟ وہ کیوں لڑتے تھے؟
• یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، وہ لڑتے تھے کہ لڑنا ہی اُن کی تقدیر
تھی۔ وہ غلام تھے۔
• کوئی بھی گلیڈیئیٹر اپنے حریف کے سامنے نہ رحم کی التجا کر سکتا تھا اور نہ
بزدلی کا مظاہرہ سب سے بڑی سزا تھی اُس گلیڈیئیٹر کی جو اپنے مخالف کو مارے بغیر چھوڑ
دے۔ اسے بھوکے بھیڑیوں کے سامنے ڈال دیا جاتا۔ تماشائیوں کے دیکھتے دیکھتے اس
کی ہڈی اور بوٹیاں غائب ہو جاتیں۔ کوئی بھی گلیڈیئیٹر دوسرے گلیڈیئیٹر کو نہیں بخشتا
تھا خواہ وہ اُس کا ماں جایا ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے مقابلے روز روز نہیں ہوتے تھے۔ کبھی
سال دو سال میں کبھی ایک بار کوشش ہوتی کہ مقابلے میں نئے سے نئے ہتھیار استعمال
کیے جائیں۔ جیسے ہی کوئی نیا ہتھیار ایجاد ہوتا، گلیڈیئیٹروں کا بہت بڑا مقابلہ منعقد ہو جاتا۔
عظیم سلطنت روم کے فوجی جرنیل اسی طرح نئے ہتھیاروں کی کارکردگی آزماتے تھے۔ مقابلے
ہوتے برچھوں سے، بھالوں سے، تیروں سے، تلواروں سے، خنجروں سے، گرزوں
سے، کلہاڑوں سے، ہتھیاروں سے، لوہے کے تاروں والے جالوں سے جن میں ایک
دن ایک گلیڈیئیٹر پھنس جاتا اور دوسرا اُسے ہتھوڑے سے مار کر ختم کر دیتا۔“

” پھر ـــ ؟ “

” پھر کیا مرنے والا جس قدر شور مچاتا، ہائے ہو کرتا، دیکھنے والے اُتنی ہی
داد دیتے۔ یہی دستور تھا پُرانے وقتوں کا۔ سچ پوچھو تو وہ لوگ نیم وحشی تھے۔“

دیومالائی ہیبت کے برف کے تودے کے قریب ایک خیمے کے کیمپ بیڈ
میں لیٹے لیٹے وہاں تعینات ٹولی کے کمانڈر نے ایک بار پھر سونے کی کوشش کی

کوشش کے باوجود نہ تو وہ سو سکتا تھا اور نہ ان کے بارے میں سوچ سکتا تھا جن کے پاؤں اُن کے بُوٹوں سمیت برف کی دلدل کی نذر ہو چکے تھے اس نے اپنے ماتحت افسر کے چہرے کی طرف سے بھی گویا نظریں پھیر لیں جس کی آنکھوں کی روشنی برف کے پُل پر اُترتی ہوئی سورج کی کرنوں ہی میں تحلیل ہو کر رہ گئی تھیں۔ بینائی کے بغیر آنکھیں، پیروں کے بغیر ٹانگیں، انگلیوں کے بغیر ہاتھ اور سوچ سے خالی ذہن انسان خواہ فوجی کمانڈر ہی کیوں نہ ہو، کس کس کے بارے میں سوچے کہ یہ سب روز کا معمول تھا۔

کمانڈر کو اس بات کا بہر حال اطمینان تھا کہ دنیا کے سب سے اُونچے برف کے پُل کے اُوپر انسانی سروں سے خون کی ہاکی کھیلنے والی ٹیمیں کھیل کے دستور اور قاعدوں سے پُوری طرح واقف تھیں۔ کچھ وقفے بعد کھیل بند ہو جاتا کیونکہ دونوں جانب مہذب انسان مقابلے پر تھے۔ وہ سلطنت روم کے تماشائیوں کی طرح نیم وحشی نہیں تھے۔ چنانچہ تہذیب کے تقاضے پورے کرتے ہوئے برف پر گرنے والے جسموں کو اٹھا لیا جاتا۔ زخمی ہونے والوں کی مرہم پٹی کی جاتی۔ اُڑتے ہوئے ہسپتال ہیلی کاپٹر کی صورت میں آتے اور اُن کھلاڑیوں کو اُٹھا لے جاتے جو موت کو گلے لگانے میں ناکام رہے تھے۔ اُن کے کپتان اُن کی دلجوئی کرتے کہ آج نہیں تو کل اُن کی باری ضرور آئیگی۔

جب کھیلتے کھیلتے کھلاڑی تھک جاتے، اُن کے کھلونے ٹوٹ جاتے یا آتش بازی کا سامان ختم ہو جاتا تو کھیل رُک جاتا۔ ایک فریق جھنڈی بلند کرتا، دوسرا فریق اپنی جھنڈی بلند کر کے جواب دیتا۔ اس طرح کھیل میں وقفے کا اعلان ہو جاتا۔ دونوں فریق قاعدے اور دستور کے مطابق کھیل کھیلتے تھے۔ وقفے کے دوران دونوں کمانڈر آپس میں ملتے جنہیں "فلیگ میٹنگیں" کہا جاتا۔ ان ملاقاتوں میں دونوں فریق بڑے تپاک سے ہاتھ ملاتے۔ اپنی خیریت بتاتے اور دوسرے کی خیریت دریافت کرتے۔ وہ سب کے سب مہذب لوگ تھے اور مہذب لوگ قتل بھی کرتے ہیں تو "معاف کیجیے" کہہ کر۔ رٹے رٹائے گھسے پٹے مکالموں میں جو باتیں دہرائی جاتیں وہ کچھ اس طرح ہوتیں۔

— آپ کے آدمی کل پھر ہمارے علاقے کے آس پاس دیکھے گئے ہیں [illegible] [illegible] آپ [illegible] اپنی سرحدوں کی یہ خلاف ورزی کبھی برداشت نہیں کریں [illegible]

آئندہ اگر آپ کے آدمی اس طرف آئے تو ہم سخت ترین کارروائی کرنے میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھیں گے۔ نتائج کی تمام تر ذمہ داری آپ پر ہوگی۔"

اس کا جواب بھی فوراً موجود ہوتا:

"یہ شکایت بالکل بے جا ہے۔ ہمارے جوانوں نے کبھی کسی سرحد کی خلاف ورزی نہیں کی۔ انہیں سخت حکم ہے کہ سرحدوں کی خلاف ورزی کبھی نہ کریں۔ آپ ہی کے لوگ اندھیرے کی آڑ میں ہماری لاشوں کے اندر آکر ہمارے چند آدمیوں کو اٹھا کر لے گئے تھے۔ مجبوراً میرے جوانوں نے دراندازوں کا سامنا کیا۔ ان میں سے دو درانداز مقابلے میں مارے گئے ان کی لاشیں مناسب کارروائی کے بعد آپ کے حوالے کر دی جائیں گی۔ آپ پر بھی لازم ہے کہ ہمارے جن جوانوں کو اغوا کیا گیا تھا، انہیں ہمارے حوالے کر دیں۔"

ایک ایک، دو دو اور کبھی کبھی تو دس دس یا رہ بارہ لاشوں کے تبادلوں کی تفصیل طے کر کے مقامی کمانڈروں کی فلیگ میٹنگیں بخوبی ختم ہو جاتیں — دونوں "او — کے اولڈ بوائے"۔ "سو لونگ اولڈ چیپ" ایک دوسرے سے کہتے "گڈ بائی" کا تبادلہ کرتے اور ان کی جھنڈیاں اٹھانے والے جوان واپس اپنے اپنے کیمپوں کو گھوم جاتے۔

رفتہ رفتہ یہ میٹنگیں روز کا دستور بن گئیں کہ ٹکراؤ بھی اب ہر روز ہوتا تھا میٹنگوں میں اب صرف لاشوں اور زخمیوں کے تبادلوں پر بات چیت ہوتی۔ اب کمانڈر لوگ ذاتی دلچسپی کی کوئی بات نہ کرتے۔ اب میٹنگوں کے بعد، پہلی میٹنگوں کی طرح یہ فرمائش نہ کی جاتی کہ "یار واپسی پر ذرا اپنے سسٹم پر کسی بھولی بسری فلم کا کوئی ریکارڈ لگوا دینا" یا میرے پاس آج ہی کے بیگ میں فلاں فلمی رسالہ آیا ہے، کہو تو میں اس کو بھجوا دوں۔"

اب تو خیر لاشوں کا ہی تبادلہ ہوتا ہے، مگر کچھ ہی دن پہلے کی بات ہے کہ فلیگ میٹنگوں کے بہانے دواؤں، بوتلوں، مرچ مسالوں، فلمی رسالوں، میووں اور اخباروں کا تبادلہ بھی ہو جاتا کہ ایسی آدم خور بلندی پر سامنے کا دشمن بھی ہم دم و آشنا ہوتا ہے یہ لوگ تو خیر دیرینہ ہم دم و آشنا تھے۔ زمین کی چھت پر خونی فانوسوں کی مانند لٹکنے والے برف کے ان تودوں پر بٹھنے والوں سے پہلے بھی یہ شاید ایک دوسرے سے واقف

تھے، اگر یہاں سے بچ نکلے تب بھی ایک دوسرے کے ہم دم اور آشنا رہیں گے کہ قسمت نے انہیں ہمزاد بنا دیا تھا اور دھرتی کے دستور کے مطابق ہر ہمزاد پر لازم ہے کہ ایک دوسرے کو کاٹ پیٹ کر کہیں پھینک دے ہابیل و قابیل نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

جب لاشیں بڑھتی گئیں اور قبروں کی قلت شدید ہوتی گئی تب شاہوں نے فیصلہ کیا کہ کھیل کے نئے دستور نئی سطح پر طے ہونے چاہئیں کہ خلیگ میٹنگوں سے صرف وقت ہی ضائع ہوتا ہے۔

تب پیادوں اور رخوں نے بول چال بند کر کے لڑنا شروع کر دیا۔ فرصت کے وقت بھی اور کام کے وقت بھی کہ یہی حکم تھا حاکموں کا۔

پیادوں اور رخوں کا کام مرنا ہے اور وزیروں اور شاہوں کا کام ہے بات چیت کے ذریعہ موت کا کاروبار جاری رکھنا۔

تب ایک ملک کے بہت بڑے سکریٹری نے دوسرے ملک کے اتنے ہی بڑے سیکریٹری کو ٹیلیفون کیا۔ ان ملکوں کے حاکموں کے درمیان ٹیلی فون کے تاروں کا رابطہ ہمیشہ قائم رہا۔ حد تو یہ ہے کہ جنگ کے دوران میں بھی وہ جب چاہتے، ایک دوسرے سے بات چیت کر کے خیر خبر دریافت کر لیتے۔ پچھلی لڑائی کے دوران میں لگی ہوئی "ہاٹ لائن" سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اعلیٰ سیکریٹری نے دوسرے اعلیٰ سیکریٹری سے "ہیلو" کہا اور حاکم کے حکم سے آگاہ کر دیا۔

نتیجے کے طور پر اعلیٰ حکام کے درمیان بات چیت کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ بات چیت ایک ملک کی راجدھانی کے دو اعلیٰ افسروں کے درمیان آمنے سامنے ہوئی۔

بات چیت کے شروع میں ایک ملک کا سب سے بڑا افسر دوسرے ملک کے سب سے بڑے افسر سے اس طرح مخاطب ہوا۔

"یور ایکسیلنسی" مجھے بے حد مسرت ہے کہ آپ اپنی تمام تر مصروفیتوں کے باوجود ہماری دعوت پر یہاں تشریف لائے۔ مجھے امید ہے کہ یور ایکسیلنسی کا قیام یہاں آرام دہ اور پُر سکون ثابت ہوگا۔"

"آپ جانتے ہیں کہ ہماری گفتگو انتہائی سنگین ماحول میں ہو رہی ہے۔ تناؤ

خطرناک حد تک بڑھ چکا ہے۔ میری حکومت اس تناؤ کے لئے آپ کی حکومت کو پوری طرح ذمہ دار ٹھہراتی ہے۔"

"پچھلے کئی مہینے سے آپ کے ہتھیار بند فوجی سپاہی ہمارے علاقے میں غیر قانونی دراندازی کرتے رہے ہیں۔ ایسی اشتعال انگیز کارروائیوں کے ذریعہ تنازعہ کی شدت خطرناک حد تک بڑھ رہی ہے اس کی تمام تر ذمہ داری فوجی بالی کمان پر ہے۔ یہ بھی واضح کیا جاتا ہے کہ اپنی علاقائی سالمیت اور قومی اقتدار اعلیٰ کو برقرار رکھنے کے لئے اپنے قومی حقوق کے تحفظ کی خاطر ہم جو بھی کارروائی مناسب سمجھیں گے، کریں گے۔ مجبوراً کئے ہونے ایسے سخت اقدامات کے خطرناک نتائج سے میری حکومت اپنے آپ کو بری الذمہ قرار دیتی ہے۔ میری حکومت ایک بار پھر عزت مآب مہمانِ محترم کو تسلیمات پیش کرتی ہے۔ اس ملک میں پوری ایجنسی کا ایک بار پھر خیر مقدم۔"

دوسرے ملک کے اعلیٰ افسر نے اس تنبیہ کو عین اسی طرح سنا جیسے اس کے میزبان نے اُسے سنایا تھا۔ چہرے پر کسی ردِ عمل کے بغیر، سر اٹھائے بغیر، آنکھیں سامنے کی تصویر پر جمائے ہوئے معزز میزبان کی طرح غیر جذباتی اور آہستہ آواز کے ساتھ عزت مآب مہمان یوں مخاطب ہوا۔

" اپنی جانب سے اپنی حکومت کی جانب سے آپ کا اور آپ کی حکومت کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ہمیں یہاں آنے کی دعوت دی گئی۔ ہماری بات چیت انتہائی سنگین حالات میں ہو رہی ہے۔ تناؤ خطرناک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے اس کے لئے ہم آپ کو کلیتاً ذمہ دار ٹھہرانے پر مجبور ہیں۔"

یہ امر بھی آپ پر واضح ہونا چاہئے کہ پچھلے کئی سال سے آپ کی مسلح افواج کے افراد مذکورہ علاقے پر غیر قانونی قبضہ کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ یہ سارا علاقہ ہمیشہ سے ہمارے قبضہ میں رہا ہے۔ آپ کی فوجیں اپنی غیر قانونی کارروائیوں سے اس کی قانونی حیثیت میں تبدیلی کرنے کی خطرناک کوشش کر رہی ہیں۔ یقیناً بڑی تعداد میں دونوں طرف جانی نقصان ہوا ہے۔ اس کی تمام تر ذمہ داری آپ کی حکومت پر ہے۔ آپ کی غیر قانونی کارروائیوں سے ہونے والے نقصان کی تلافی اور اپنے قانونی اور علاقائی حقوق کے تحفظ کے لئے جو کارروائی بھی فوجی اعتبار سے میری حکومت مناسب سمجھے گی کرے گی

واشنگٹن جا رہا ہے۔ ایک بار پھر میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔ آپ کا اور آپ کی حکومت کا کہ
آپ نے مجھے یہاں آکر اپنی پوزیشن واضح کرنے کا موقع دیا۔ میرا وفد تسلیمات پیش کرتے ہوئے
اس یقین دہانی کا اعادہ کرتا ہے کہ ہم ہر ممکن تعاون اور خدمت کے لئے ہر وقت حاضر ہیں۔"

مہمان نے خطاب کے آخری جملے جلدی جلدی ادا کرتے کہ یہ الفاظ بیسیوں پہلے
ہی میٹنگوں میں اور احتجاجی مراسلوں میں دہرائے جا چکے تھے۔

دونوں جانب ایک پل کے لئے خاموشی رہی۔ آمنے سامنے دیواروں پر آویزاں
نئے اور پرانے حاکموں کی تصویروں پر مہمان اور میزبان کی نظریں اور زیادہ گہرائی سے [illegible]
ہوگئیں۔ سرکاری ملاقات ختم ہو چکی تھی۔ جونیئر افسر اور اسٹینو گرافر سر جھکا کر باہر جا چکے تھے۔ کہنے
کے لئے اب کچھ نہیں تھا۔

سفارتی رپورٹ کے مطابق: "بات چیت صاف گوئی کے آزادانہ ماحول میں ہوئی
جس سے دونوں فریقوں کو ایک دوسرے کا زاویۂ نظر سمجھنے میں مزید مدد ملی۔ بات چیت کو جاری
رکھنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ اگلا دور دوسرے ملک کے دارالحکومت میں ہوگا۔"
کچھ کہے سنے بغیر میزبان بھی جانتا تھا اور مہمان بھی کہ اس اعلامیہ کے الفاظ کیا
شاید یہ اعلامیہ کمرے سے باہر کھڑے ہوئے اخباری نمائندوں میں تقسیم کرنے کے لئے پہلے
سے ہی تیار تھا۔

دونوں نے اچانک ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ پہلی بار اُن کی آنکھیں چار
ہوئیں۔ پھر ایک نے دوسرے سے کہا: "چل بھاؤ، ختم کر اس بکواس کو۔ کوئی کم دی گل کر۔"
تب بھاؤ نے کہا: "ہاں کالو۔ یہ اپنی زندگی ہی بکواس ہے۔ صرف بکواس!!
کم دی گل کریں۔ سناؤ کیسی ہیں ہماری اولڈ فلیم؟ فٹ اینڈ فائن؟ اور وہ تمہارے جیک
جل۔ میں ایک گاؤن لایا ہوں جیک کے لئے مفلر جل کے لئے ٹیڈی وول کیپ!"
"شکریہ۔ سب ٹھیک ہیں، بالکل ٹھیک۔ ویسے جیک اور جل تو اب اپنے
جیک اور جل جیسے کی عمر میں ہو رہے ہیں۔ تم بتاؤ کیسی ہے ہماری گولڈی لاک اور اس کی ممی
میں ڈیئر بھولی کزن کا مقابلہ جیتنے کے لئے اب بھی تیار۔ آئی ایم شیور۔"
"بھاؤ یار تم ویسے کے ویسے ہی بھاؤ ہو۔"
"اور تم بھی ویسے کے ویسے ہی کالو رہے ہو پکے دس نمبری!"

بعد وہ دونوں باہر آ گئے۔ ہاتھوں میں اپنے اپنے بریف کیس پکڑے، جو بات چیت کے دوران ہم ایک بار بھی کھولے نہیں گئے۔

دونوں نے وقت خلاء میں جھانکتے ہوئے تصویریں کھنچوائیں۔ نوجوان نامہ نگاروں نے بھر سوال کئے — ہر سوال کا جواب مابعد الہول۔ ایسی پُراسرار مسکراہٹ سے دیا گیا۔ پرانے نامہ نگاروں نے کچھ نہیں پوچھا۔ نہ سوال پوچھو نہ جھوٹ سنو۔ بس اعلانیہ پڑھو اور سر خیاں گھڑو۔

مہمان اور میزبان دونوں اب تک ایک دوسرے کی سیاسی صلاحیتوں کا لوہا مان چکے تھے۔ کالج چھوڑ کر اپنی اپنی سرکاری نوکریاں کرتے کرتے دونوں کو جھوٹ سچ بنا کر بیچنے کے پیشے میں لاثانی مہارت حاصل ہو چکی تھی۔ ثبوت کے طور پر دونوں اپنے ملک کے اعلیٰ ترین سرکاری عہدوں پر فائز تھے تقسیم کا سب سے بڑا

—— فائدہ یہی ہوا تقسیم اگر نہ ہوتی تو ان میں سے ایک ہی — صرف ایک ہی اعلیٰ ترین عہدے پر پہنچ پاتا۔ اور ایک نہ ایک دوسرے کو 'سر' کہنے پر مجبور ہوتا۔ اب دونوں ایک دوسرے کو سر عام اتنی آسانی کے ساتھ یور ایکسیلنسی کہتے جیسے گھر میں بیٹھے بے ایمان اور بدمعاش کہہ رہے ہوں۔

کالو اور بھالو دونوں بڑے سے گھر کی چھوٹی سی اسٹڈی میں بیٹھے تھے ہاتھ میں وہسکی کے گلاس اور زبان پر بھولی بسری برسوں بیتی کہانیاں۔

کہانیاں نہیں، بے ربط اور بے معنی جملے — وہ جملے جن کا مطلب یا بولنے والا جانتا ہے یا سننے والا۔ ایسے ٹوٹے سے ایسے بکھرے بکھرے سے الفاظ جو باہر والا سنے تو شیشے کی کرچیاں سمجھ کر وقت پھینک دے۔ اور گھر والا سنے تو اچانک ٹھوکر کھا کر ٹوٹ جانے والی نایاب مورت کے ٹکڑے سمجھ کر جوڑنے کی کوشش میں جُٹ جائے۔

وہ دونوں مل کر کالج کے اُن ہی ٹکڑوں کو دوبارہ وہی حسین و دلچسپ صورت دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ مگر جیک کا کراؤن ٹوٹ چکا تھا جل کی بالٹی بھی پانی سے خالی ہو چکی تھی۔ کالو کی جل اب کالج میں پڑھا رہی تھی۔ بھالو کی گولڈی لاک اور سنو وہائٹ اپنے اپنے گھر بیٹھی ایک تھی سی جل کو گود میں لئے اپنے سنہرے بالوں والی گولڈی لاک اور کالے بالوں والی سنو وہائٹ کی کہانی سنا رہی تھی: "تھی بھالو، پاپا بھالو اور ننھا بھالو"

"ارے کالو، وہ اپنا جیک کس حال میں ہے؟"
"سنا نہیں جیک آف آل ٹریڈ، ماسٹر آف نن۔"
"کیا کسی چرچ کی نن سے عشق کر بیٹھا ہے؟"
"بھالو تو ویسے کا ویسا بدمعاش رہا ہر بات کو پھونک مار کر مذاق میں اُڑا دینے والا۔"

سرسوں کا ساگ، مکی کی روٹی، بھالو کے ابا کی برسوں پرانی بیوک، لڑکے اس بیوک کو بیل گاڑی کی طرح استعمال کرتے کہ بیل گاڑی کو بیل ———— آگے سے کھینچتے ہیں۔ بیوک کو پیچھے سے آگے دھکیلا جاتا۔ ٹین ایج بیوٹی کوئن کا مقابلہ، جس کے پاس حاصل کرنے کے لئے دونوں نے نہ جانے کتنے پاپڑ بیلے۔ سرسوں کا ساگ، مکی کی روٹی کا ڈریس، چمڑے کی کہنیوں والا ٹویڈ کوٹ اور بھورے رنگ کے گراؤزر پہننے والا پروفیسر کی ماؤس۔ باٹنی ڈیپارٹمنٹ کے برسوں پرانا ازلی نگراں، فلمی بھوت بنگلوں کے چوکیداروں کے مانند پُراسرار۔

پتنگیں، بڑی چھوٹی، لمبی چوڑی، پتنگیں جو بسنت کے روز خوب ٹوٹتیں اور بسنت کے دوسرے روز ختم ہو جاتیں تو بسنت تک کے لئے کہ والدین کا خیال تھا کہ پتنگیں اُڑانا خطرناک مشغلہ ہے۔ لڑکیاں جو تین تین چار چار کی ٹولی میں کالج کے باغوں میں تتلیوں کی مانند اٹھلاتی پھرتیں اور باغوں کا مالی جو ایک پھول کے لئے ایسے نخرے کرتا جیسے کوئی نقلی دوا فروش کسی نردھن گنواری کو اس کی مرتی ہوئی ماں کو بچانے کے لئے دوا بیچ رہا ہو۔

ہاکی میچ انٹر یونی ورسٹی مباحثے، بیڈ منٹن مقابلے، مینز سنگلس، اور مکسڈ ڈبلس، کے پیرپھیر کئے جاتے کھیل کا پارٹنر چننے کے لئے۔ لائبریری کے رومانس، جو کتاب کے تبادلے سے شروع ہوتے۔ مونگ پھلی پر پروان چڑھتے اور فلم ساتھ دیکھنے کی پیش کش پر ختم ہو جاتے۔ سپلنگ بیوٹی جو ہسٹری کے ہر لیکچر کے دوران میں سو جاتی اور گھنٹی بجتے ہی اُٹھ کھڑی ہوتی۔ یہ سب جیک اینڈ جِل کے کنوئیں سے پہلے کی باتیں ہیں۔ یہ سب اسی سمے کی باتیں ہیں جب کولکتہ لاک کی می خود گولڈی لاک کہلاتی تھی۔

اور پھر سرسوں کے ساگ اور مکی کی روٹی کے لباس میں ملبوس خاتون خانہ نے پوچھا: "کھانا لگواؤں؟"

تب کسی نے کسی سے کہا: "اس کا مطلب سمجھتے ہو؟ نہیں سمجھتے تو میں بتاتا ہوں
رکو، پینا بند کرو اور کھانا شروع کردو۔"

"ہاں یاد ہے نا، رات گئے تک رتو بھابی چلاتی رہتیں مگر نہ بھیا بوتل بند
کرتے اور نہ اُن کے دوست اپنی بکواس۔ سائنسز میں، ہم خانہ عرشی یار —— کیا دن تھے!
ہم نے تو خیر دیکھے ہی نہیں۔"

"یاد ہے اماں جی کس طرح پھنکارتی تھیں تھیں کہ انہیں ڈر تھا کہ ان کا لال چوری
کے سگریٹ پیتے پیتے کوئلہ نہ ہو جائے۔"

"سگریٹ اور وہ بھی چوری کے۔"

"یار پاپا بڑے وضع دار تھے۔ خود ہی تکیے کے نیچے کریون اے کی ڈبیا رکھتے
تھے کہ بیٹے کو اگر بری لت لگی ہے تو گھٹیا سگریٹ پی کر جگر خراب نہ کرے۔"

"شاید اُن کے پاپا بھی یہی سوچتے ہوں گے۔"

"مگر ہم اپنے بیٹوں کے لئے ایسا نہیں کر سکتے۔"

"کہ اب ہم اُن کے سگریٹ چُرا کر پیتے ہیں۔"

"تو پھر تم پر بھی پابندی لگ گئی؟"

"اور تم پر بھی؟"

"ہاں مجھ پر بھی۔ ایک دو، اور بس —— تمام بیوٹی فل لڑکیاں، بیویاں بن
کر ایسا ہی کرتی ہیں۔"

"ٹیلی فون پر یہ خوب صورت سی لڑکی کیا کہہ رہی ہے۔"

"شکل پسند ہو تو آواز بھی سُن لو۔"

ٹیلی ویژن کی آواز جو اب تک بند تھی اُونچی کر دی گئی۔

خبروں کا بلیٹن ختم ہو رہا تھا۔ سرخیاں دوبارہ پڑھی جا رہی تھیں۔

دونوں ملکوں کے اعلیٰ حکام کی بات چیت صاف گوئی کے ماحول میں کسی نتیجہ
پر پہنچے بغیر آج شام ختم ہو گئی۔ واقف حال مبصروں کا کہنا ہے کہ بات چیت کی ناکامی کی ذمہ داری"

"پتہ ہے، پتہ ہے۔ بند کرو اسے۔"

اور ٹیلی ویژن کی آواز پھر بند کر دی گئی۔

• چھوڑو گول ہے بے چاری لڑکی :"

• کیا کرے اس کی نوکری کا معاملہ ہے۔"

• مصیبت یہ ہے کہ ہم سب کی نوکری کا معاملہ ہے۔"

" کم آن بوائز۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

• یار، یہ بیویاں :"

• بڑی بور ہوتی ہیں۔"

• یار، بور بیویوں کے چارمنگ شوہر کیوں ہوتے ہیں، ہم جیسے؟"

• بیویوں کو السر عطا کرنے کے لیے۔"

" تو کیا تمہارے ہاں بھی پیٹ کے پھوڑے موجود ہیں؟"

" ہاں ہر پروگریسٹ شوہر کی بیوی پیٹ کے السر کا شکار ہوتی ہے۔"

" خود دل کے بیمار بیویاں السر کا شکار۔"

• مگر سنو بھائیو، یار، برف کا یہ پل ہے کہاں؟"

" ویسے مجھے پتہ نہیں کہ اصل میں یہ ہے کہاں؟"

" آؤ نقشہ دیکھیں میرے بریف کیس میں ہے۔"

" چھوڑ یار ایسی تیسی اس کو۔ کوئی کم دی گل کر یار۔"

" ہاں، کوئی کم دی گل۔"

"ہم چندہ مانگنے نہیں آئے ..... " گرو جی نے خلاصہ کیا۔

"تو جا کر مانگ لیجیے ___ اٹھاؤ جتا!" وہ سب کھو کھو کر کے بھدے انداز میں ہنسنے لگے۔

"بچیو! سنو مت۔ ہم تمہاری مدد کرنے کے ارادے سے آئے ہیں۔ اس گندگی کے باہر ایک خوبصورت دنیا ہے۔ ایک صاف ستھرا سا جہاں ہے۔ ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ کیا تم نے کبھی اپنا گھر اپنا بچہ اپنے بچوں کے سپنے نہیں دیکھے؟"

"اوہ بڈھے!" نائیکہ حماقت ہوئی اندر داخل ہوئی۔ "کیا تیرے عیاش صاحب کا پیٹ بھر جائے گا؟ کون سی لڑکی کسی ایک کی غلام بن کر اس کے تلوے چاٹے گی؟ نکل جا یہاں سے ....."

"آج تو بائی ہم اکیلے واپس نہیں جائیں گے۔ جو بچہ ہمارے ساتھ آنا چاہے گی اسے ساتھ لے کر جائیں گے؟" گرو جی بھی اڑ گئے۔

"ان کی قیمت کیا ان کا ہرجانہ کون خصم دے گا؟" نائیکہ غصہ سے چلائی۔

"نہیں۔ تاریخ کمیشن دے گا ___"

"ٹھیک ہے تو پوچھ لو ان سے ___ کون تیار ہے؟"

"بیٹیو! ہمدرد ہو کر بولو۔ ایک خوبصورت زندگی، ایک خاندانی مستقبل تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ یہ دیکھو ___ ہمارے ساتھ ہمارا ممبر مگن لال ہے۔ ایک لائبریری میں پانچ سو روپے تنخواہ کماتا ہے۔ یہ تم میں سے کسی ایک کا ہاتھ تھامنے کے لیے تیار ہے۔ یہ ایک آدرش پتی ثابت ہوگا۔ اس سے شادی کرنے والی بہت خوش قسمت ہوگی۔ وہ گھر پر آرام سے رہے گی۔ مگن لال کمائے گا اور بیوی کو خوش رکھے گا۔ اس کے جیسے اور بہت سے ورکر ہم میں لڑکیوں کے ہاتھ تھامنے کے لیے تیار ہیں۔"

مگن لال کسی پرنے والے دولہے کی طرح شرما رہا تھا۔

"میں اس سے شادی کرنے کو تیار ہوں ___" ایک لڑکی آگے بڑھی۔ دبلی پتلی خوبصورت سی لڑکی ___ مگن لال نے تعریف کی اور اس لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی پہلی نظر میں ہی شرمانے لگی تھی۔

"واہ میری بیٹی!" نائیکہ طنزیہ لہجے میں بولی۔ "اور وہ تیرے پاس کے ہم نوا وہیں کے

کسبی

قیوم راہی

اندر کا موسم

چائے پی کر وہ جلد ہی ریستوران سے باہر آ گیا۔
مطلع صاف ہو چکا تھا اور ڈوبتے سورج کی زرد زرد سی روشنی اونچی اونچی عمارتوں کی منڈیروں اور جنگلوں پر پھیلی ہوئی تھی۔ بھیگی بھیگی سبک رفتار ہوا کسی حد تک خنک اور فرحت بخش محسوس ہو رہی تھی۔ اندر اور باہر کے موسم میں کتنا واضح فرق ہے۔ اس نے فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر سگریٹ سلگاتے ہوئے ایک تازگی کے احساس کے ساتھ سوچا۔ انسان کے ظاہر و باطن میں بھی تو بعض اوقات بڑا فرق ہوتا ہے جو کبھی کبھی تو تضاد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ پاس سے تیز رفتار ٹریفک پر سرسری نگاہیں دوڑاتا ہوا وہ ریحانہ کے بنگلے کی پچھلی سائڈ پر پاؤں لٹکا کر سگریٹ کے کئی ہلکے ہلکے کش لیے ــــ وہ بھی تو گذشتہ چند ماہ سے بیمونہ باجی کے گھر صرف ریحانہ کے درشن کرنے کے لیے جاتا تھا۔ لیکن وہاں یوں بے تعلق شرافت کا پتلا بنا بیٹھا رہتا تھا کہ کسی کو گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ اس کے اور ریحانہ کے درمیان کوئی رابطہ بھی ہے حالانکہ جب بھی اسے موقع ملتا وہ نظروں ہی نظروں میں ریحانہ سے اپنی چاہت کا اظہار کر دیتا ــــ ریحانہ ــــ اس کے دل کی ہر دھڑکن ریحانہ کو آواز دینے لگی۔ اور ریحانہ اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ اس کے روبرو نمودار ہو گئی۔ دلکش شکیل چہرے پر شربتی بڑی بڑی جھیل جیسی گہری گہری آنکھیں جن میں ڈوب جانے کو جی چاہے۔ سڈول صحت مند گورا بدن جوان امنگوں کی لے سے لبریز جسے دیکھتے ہی چھو لینے کی خواہش بے قرار کر دے۔ اس نے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لیے اور سگریٹ کا ٹکڑا سڑک پر پھینک دیا۔ پھر ایک مقناطیسی کشش کے زیر اثر وہ بیمونہ باجی کے گھر کی طرف کھنچا چلا گیا۔

بیمونہ باجی اس کے رشتے کی بہن تھی۔ سیدھی سادی۔ خلوص و محبت کا پیکر۔ [illegible] ان کے شوہر [illegible] تھا جو اپنی خوش اخلاقی اور شگفتہ مزاجی کے باعث [illegible] ایک [illegible] اس دنیا سے چل بسے تھے۔ بیمونہ باجی کا [illegible]

اس کے لیے ایک اتفاقی مسرت کے گہوارے کی حیثیت رکھتا تھا جب بھی اس کا دل چاہتا
وہ وہاں چلا جاتا اور وہاں کے سکون آمیز اور پر مسرت ماحول سے لطف اندوز ہوتا۔ لیکن
جب سے اس گھر کے مکینوں میں رنگینی کی جوان سال بہن ریحانہ کا اضافہ ہوا تھا اس کے لیے اس
گھر میں ایک خاص اور غیر معمولی کشش پیدا ہو گئی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے معمول کے خلاف پہلے سے کچھ
زیادہ بار وہاں جانے لگا تھا۔ وہاں جانے کے خیال سے ہی وہ ایک لذت محسوس کرنے لگا تھا۔
جب اس نے پہلی بار ریحانہ کو دیکھا تھا اس کے حسن و جوانی سے گھائل ہونے کے ساتھ ساتھ
اس کے سابق شوہر کی بدنصیبی کا بھی اس کو شدید احساس ہوا تھا۔ جس نے نہ جانے کس وجوہ کی
بنا پر شادی کے چھ برس بعد ریحانہ کو طلاق دے کر آزاد کر دیا تھا۔ اس کو بتا یا گیا تھا کہ ریحانہ
اور اس کے شوہر کے مزاجوں کا تضاد ان کی راہ میں حائل ہو کر بالآخر علیحدگی کا سبب بن گیا اور ریحانہ
طلاق کے سبب کر اس کا بیٹا بھی اس سے چھین لیا گیا تھا چند دنوں راولپنڈی میں اپنے والدین کے
گھر رہی، پھر جمال کے بے حد اصرار پر وہ اس کے گھر آ گئی — لیکن اس کا ذہن بسا اوقات طلاق کی
وجہ تسلیم کرنے سے گریز کرنے لگتا تھا اور تب وہ شکوک و شبہات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتی
شروع شروع میں تو ریحانہ اس سے خاصی لیے دیے رہی۔ لیکن بعد میں بیگانگی کی حالت
بتدریج کم ہوتی گئی اور اس نے محسوس کیا کہ ریحانہ دھیرے دھیرے اس کے قریب آتی جا رہی ہے۔
کتنی ہی بار وہ پانی کا گلاس یا چائے کا مگ لیتے ہوئے ریحانہ کے ہاتھ کو چھو چکا تھا یہی نہیں
بلکہ اس نے تو ریحانہ کی آنکھوں میں کچھ ایسے اشارے بھی دیکھے تھے جن کے زیر اثر وہ تذبذب
کے غار سے نکل کر امید کی روشنی میں آ گیا تھا۔ چنانچہ اب وہ اکثر اسی کشمکش میں مبتلا رہتا کہ کس
طرح ریحانہ سے تنہائی میں ملاقات کی راہ نکالی جائے اور بس — اس سلسلے میں اس نے
ریحانہ کو خط لکھنے کے بارے میں بھی سوچا۔ لیکن وہ اپنی اس خواہش کو تحریر میں منتقل نہ کر سکا
اور یوں یہ بات آئندہ کے لیے ٹلتی رہی

گزشتہ رات ریحانہ ایک نئے انداز سے اس کے خواب میں آئی تھی۔ سر جھکائے سوگوار سی گنہگار
سی — شکست خوردہ سی — وہ اس سے کچھ فاصلے پر کھڑی تھی۔ پھر خود ہی وہ آہستہ آہستہ چل
کر اس کے قریب بیٹھ جاتی ہے۔ پھر ہچکیاں لے لے کر رونے لگتی ہے۔ وہ اس کے سر پر
ہاتھ پھیر کر اسے دلاسا دیتا ہے۔ اسی عالم میں اس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ اس وقت اس کمرے
کے روشندانوں میں سے مدھم مدھم روشنی اندر آ رہی تھی۔ برابر والے پلنگوں پر اس کی بیوی اور
بچے گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ اور ساتھ والے کمرے سے اس کی ماں کے کھانسنے کی آواز
آ رہی تھی۔

اس نے آہستگی سے سیدہ باجی کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اس بار تو وہ یہاں چند ہی
دنوں کے بعد آیا ہے۔ کیا سوچیں گے یہ لوگ ؟ شک کے احساس نے اسے سہما سا دیا۔ وہ
گھبراہٹ کے جال میں پھنس گیا لیکن فوراً ہی اس نے خود کو اس جال سے باہر نکال لیا۔
سوچیں گے کیا۔ میں یہاں اکثر آیا کرتا ہوں۔ کچھ لیکن اتنی جلدی تو میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

[illegible] دوست سے ملنے آیا تھا سوچا یہاں بھی ہوتا چلوں۔
دروازہ کھلتے ہی مرتضیٰ کا مسکراتا ہوا چہرہ طلوع ہوا۔ سلام علیک ہوئی اور وہ اندر
چلا گیا۔ ریحانہ کمرے کے باہر [illegible] میں مصروف تھی اور [illegible] پہنے ہوئے بے بی کو
جوتے پہنا رہی تھیں۔ سلام کے بعد اس نے پوچھا، کہاں کا پروگرام بنا لیا سیموئہ باجی:
پروگرام تو کچھ نہیں۔ کل سے بے بی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے کلینک جا رہی ہوں:
خیریت تو ہے:
ہاں تشویش کی بات تو نہیں ہے وہی پیٹ کی خرابی ہے۔ کبھی کبھی درد ہونے لگتا
ہے۔ سوچتی ہوں تکلیف بڑھنے سے پہلے ہی علاج کیوں نہ کرا لیا جائے:
خیال تو ٹھیک ہے: وہ جانتا تھا سیموئہ باجی کے فیملی ڈاکٹر کی ڈسپنسری یہاں سے خاصی
دور واقع ہے اس لیے جانے آنے میں خاصا وقت لگ جائے گا۔
چند لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ بولا۔ یہاں ایک دوست سے ملنے آیا تھا وہ تو ملا نہیں
سوچا آپ کے گھر چلا جائے بلکہ آرام ہی کر لیا جائے۔ وہ مسہری پر نیم دراز ہو گیا۔
آرام؟ مرتضیٰ نے بالوں میں کنگھی کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔
ہاں مرتضیٰ بھائی۔ اس نے پیشانی پر بائیں ہاتھ کی انگلیاں جما کر کہا۔ سر میں درد محسوس ہو رہا ہے:
اچھا بھئی ہم تو اب چلتے ہیں دیر ہو رہی ہے، تم آرام کرو۔ سیموئہ باجی نے اعلان کیا۔
ہاں ہاں، آپ جائیے سیموئہ باجی آپ کو کون روکتا ہے:
ریحانہ۔ مرتضیٰ نے بے بی کی انگلی پکڑتے ہوئے کہا۔ تم نصیر کے لیے چائے بنا دینا اور
ایک پیراسٹامال بھی دے دینا:
ریحانہ نے سر کی خفیف جنبش سے اثبات میں جواب دیا اور اون سلائیاں بیڈ پر رکھ
کر دروازے میں کنڈی لگانے کے لیے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ اور اس نے ریحانہ کے جسم
پر اپنی للچائی ہوئی نگاہوں کی کمند پھینکی۔ پشت پر لٹکی ہوئی سیاہ بالوں کی لمبی سی چوٹی، گوری
گوری کلائیاں، سیاہ چپلوں میں گلابی گلابی خوبصورت پاؤں۔ اس کے انگ انگ میں سرور انگیز
لرزشیں جاگ اٹھیں۔ ریحانہ کنڈی لگا کر واپس آئی تو دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ ریحانہ
کے دہکتے ہوئے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ کتنی بھرپور اور شاداب لگ رہی تھی وہ، بالکل ایک
تازہ کھلے ہوئے [illegible] خوشرنگ پھول کی مانند۔ اس کے جسم میں 'پھول' سونگھنے کی
خواہش خمار بن کر سرایت کرنے لگی۔

میں آپ کے لیے چائے بنانے جا رہی ہوں۔ ریحانہ تیزی سے باورچی خانے میں چلی
گئی اور تب اس نے آنکھیں جھپکائیں۔ آس پاس ایک پُراسرار سنگین سی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔
اس کے اندر ایک کہرام سا برپا تھا۔ ایک دھماچوکڑی سی مچی ہوئی تھی۔ اور وہ سہما سہما سا دل
کی دھڑکنوں اور [illegible] کی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔
[illegible] طاقت اسے دھکیل کر باورچی خانے میں لے گئی۔

جب وہ ریحانہ کے نزدیک پہنچا تو جذبات کے بے پناہ ہیجان نے اسے بے قابو کر دیا تھا لیکن
بے حس و حرکت بیٹھی تھی وہ اس کے روبرو بیٹھ گیا۔ ریحانہ نگاہیں بچائے اب بھی چپ بیٹھی تھی۔
اس نے ریحانہ کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ دبی دبی رسیلی آواز میں بولا۔ "کتنا خوبصورت ہاتھ ہے
آپ کا!" اور ریحانہ نے جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو، وہ نہ جانے کن خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس
بار اس نے ریحانہ کے بازو پر ہاتھ پھیرا تب ریحانہ نے بازو سرکاتے ہوئے کہا۔ "کیا کرتے ہیں
آپ۔ چائے کرتے ہیں، چائے لا رہی ہوں" اور وہ ایک ذرا خبردار بچے کی طرح فوراً کمرے سے
چلا گیا۔ اس کے اندر کا تلاطم بدستور قائم تھا اور ریحانہ کی طرز ادا نے اس کا حوصلہ بڑھا دیا تھا۔
وہ بڑی بے تابی کے ساتھ ریحانہ کا انتظار کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد ریحانہ اس کے سامنے چائے کی پیالی لیے کھڑی تھی۔ چائے اتنی گرم تھی کہ پیالی
میں سے بھاپ نکل رہی تھی اس نے چائے کی پیالی لے کر قریب ہی تپائی پر رکھ دی۔ ریحانہ
واپس جانے لگی تو اس نے ریحانہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ ریحانہ نے کچھ کہنا چاہا کچھ
مزاحمت کی۔ اس کے حواس پر ایک مدہوشی سی طاری ہو گئی۔ بے اختیار ہو کر اس نے عالم
وارفتگی میں ریحانہ کو اپنی بانہوں میں کھینچ لیا۔ اس کا انداز وحشیانہ بھی تھا اور جارحانہ بھی۔
پھر ریحانہ کی اب تک کی خاموشی کے باعث وہ مزید بے باک ہونے لگا۔ تب ریحانہ ایک
زوردار جھٹکے کے ساتھ اس سے علاحدہ ہو گئی۔ اور یہ بڑے ہی سنگین لمحے تھے جن سے ٹکرا کر
اس کی ساری جرأت اور بے باکی پاش پاش ہو گئی۔ حیرانی کے حصار میں اب وہ بے حس و
حرکت بیٹھا تھا۔ ریحانہ چند قدم پیچھے ہٹ گئی اور ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے اسے گھورنے
لگی وہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکا اور اس کی گردن خمیدہ ہو گئی۔ ریحانہ نے آنسو پونچھ
ڈالے۔ پھر وہ ایک دم بھڑک اٹھی "تم نے مجھے ایسا ویسا ہی سمجھ لیا تھا شاید ــــ طلاق جو
ہو گئی ہے مجھے۔ بے شرم ــــ رذیل ــــ کیسی دیدہ دلیری سے میرے اوپر اپنا حق جتا رہے
تھے۔ جیسے میں تمہاری زرخرید لونڈی ہوں ــــ داشتہ ہوں تمہاری۔" ریحانہ کی آنکھوں میں
شعلے سے لپکنے لگے۔ "بے حیا ــــ کمینے ــــ فوراً یہاں سے دفع ہو جاؤ ورنہ ابھی شور مچا کر سب کو
اکٹھا کر لوں گی:"

وہ ایک دم کھڑا ہو گیا اور تیزی سے اس دروازے کی طرف لپکا جس پر تھوڑی دیر
قبل اس نے لذت انگیز احساس کے ساتھ دستک دی تھی۔

پھر اس نے خود کو سڑک پر تیزی سے چلتا ہوا پایا تیز سانسوں کے ساتھ اور اس
احساس کے ساتھ کہ وہ ہمیشہ کے لیے اس گھر سے منہ موڑ گیا ہے۔

(کتاب نما مئی ۱۹۸۶ء)

سہ پہر کا وقت تھا جب نمبردار کی بیوی ست بھرائی اسے اپنے ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچانے نکلی۔

وہ میلے میں لٹ جانے اور خالی ہاتھ واپس آنے والے بچے کی طرح آنکھیں جھکائے کھوئی کھوئی ست بھرائی کے پیچھے چل رہی تھی۔ وہ اسے بار بار تسلیاں دے رہی تھی مگر وہ سوکھے پتے کی طرح لرز رہی تھی۔ وہ چہرہ جس پر گلاب مہکتے اور کلیاں چٹکتی تھیں ہلدی کی طرح پیلا پڑ گیا تھا۔ اس نے چادر سے سارا بدن سر اور پیٹ ڈھکا تھا مگر اسے اپنی عریانی کا احساس مارے ڈال رہا تھا۔ عورتیں اور لڑکے بالے اُسے یوں ٹک ٹک کر دیکھ رہے تھے جیسے وہ مداری کے پیچھے چلتی بندریا ہو اور ابھی کسی موڑ پر رُک کر کرتب دکھانے لگے گی۔

کاش وہ اسے رات کے اندھیرے میں لے کر آتے اس نے دکھ سے سوچا۔ مگر اب سارے فیصلے دوسروں کے ہاتھ میں تھے۔ اپنا فیصلہ غلط ثابت ہو جائے تو آئندہ فیصلوں کا اختیار خود بخود چھن جاتا ہے۔ اس کی ٹانگیں لرز رہی تھیں اور قدم ڈگمگا رہے تھے جیسے وہ اپنے گھر نہیں جا رہی پھانسی کے تختے کی طرف بڑھ رہی ہو۔ نمبردار اور گاؤں کے سرکردہ لوگوں نے اس کی برآمدگی کے وقت یقین دلایا تھا کہ اسے کچھ نہیں کہا جائیگا لیکن وہ اپنے گھر والوں کو جانتی تھی اُسے معلوم تھا اگر وہ کسی طرح نہ پہنچ سکا گئی تو اس کا جینا موت سے بدتر ہوگا۔ وہ اس کے ہاتھ پاؤں خود توڑ دیں گے اور وہ کئی روز تک [illegible] [illegible]۔

ست بھرائی اس کے آگے آگے اس کے گھر میں یوں داخل ہوئی جیسے فاتح فوج کا جرنیل دارالسلطنت میں داخل ہوتا ہے مگر وہاں کسی نے ان دونوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ماں صحن میں چارپائی پر بیٹھی چاول صاف کر رہی تھی وہ اسی طرح چپ چاپ چاول صاف کرتی رہی۔ چھوٹا بھائی لکڑیاں چیر رہا تھا وہ چپ چاپ لکڑیاں چیرتا رہا۔ بڑا بھائی صحن کے ایک کونے میں چارپائی کی ادوائن ٹھیک کر رہا تھا۔ وہ بھی اپنے کام میں لگا رہا۔ صرف بھابی نے اس پر ایک نظر ڈالی مگر ایسی جیسی گھر میں گھس آنے والے بچے پر ڈالتے ہیں۔ البتہ اس نے ست بھرائی کو بیٹھنے کے لیے سرکنڈوں سے بنا ہوا مونڈھا لا کر دیا۔ مگر منہ سے کچھ نہ بولی۔ ست بھرائی خود ہی باری باری سب کو شرم سے دیتی اور نصیحتیں کرتی رہی کہ انسان خطا کا پتلا ہے اس عمر میں ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کا درجہ بلند کرتا ہے وغیرہ۔

وہ سیدھی پسار میں چلی گئی تھی اور دروازے کے ساتھ لگ کر ایسی جگہ بیٹھ گئی تھی جہاں سے سب کی حرکات و سکنات نظر آسکیں۔ وہ سب کچھ دیکھتے اور سنتے رہنا چاہتی تھی اسے ڈر تھا کہ لکڑیاں چیرتا ہوا کلہاڑا لے کر اس کی طرف بڑھے گا اور اسے سوکھی لکڑی کی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

تھوڑی دیر بعد ست بھرائی جانے لگی تو اس کا دل بیٹھنے لگا۔ اسے لگ رہا تھا اس کے جاتے ہی وہ اندر آجائیں گے اور وہ ماں سے اپنی زندگی کی بھیک بھی نہیں مانگ سکے گی کچھ مانگنے اور بخشوانے کے لیے الفاظ ضروری تھے اور اس کے پاس پچھتاوے کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہیں تھا مگر جب ست بھرائی کے جانے کے کافی دیر بعد بھی کسی نے اسے برا بھلا کہا نہ کوئی ڈنڈا اٹھا کر اندر آیا تو اسے ہول سا آنے لگا۔ شاید اس کا جرم ایسا تھا کہ کسی چھوٹی موٹی سزا سے اس کی تلافی ممکن نہ تھی۔

شام ہونے کو تھی۔ ودیا مر کلہاڑا ایک طرف پھینک کر دودھ دوہنے چلا گیا۔ بڑا بھائی گاؤ حقہ تازہ کرنے لگا۔ بھابی ننھی منجری کو گود میں لے کر چولہے کے پاس بیٹھ کر چاول پکانے لگی اور ماں رسی پر دھو کر ڈالے ہوئے کپڑے جمع کرنے لگی۔ کپڑے جمع کر کے وہ اندر آئی اور اس کے قریب سے یوں گزر گئی جیسے اسے دکھائی نہ دے رہی ہو۔ ماں نے کھونٹی سے لالٹین اتاری اور اسے جلا کر دروازے کی چوکھٹ سے لٹکا دیا۔ اسے لالٹین کی روشنی بری لگی جیسے اس نے اسے اور زیادہ عریاں کر دیا ہو۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ مکھی بن کر کسی نرسل کے پیچھے جا چھپتی چیونٹی بن کر کسی سوراخ میں گھس جاتی۔

چھوٹا بھائی دودھ کا برتن سر پر اٹھائے آپہنچا تو دونوں بھائی چولہے کے پاس بیٹھ کر کتابیں

یہ چاول کھانے لگے ۔ ساس ننھی صغریٰ کو ٹہلا کر اور تھپک تھپک کر سلانے لگی۔

اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا کھانے پینے کا اُسے ہوش ہی کب تھا۔ سب سے بڑی بھابی نے اُسے اپنے گھر میں روٹی دی تھی مگر نوالہ اس کے حلق سے نہ اترتا تھا۔ وہ خالی پیٹ اتنی دور سے پیدل چل کر آئی تھی مگر اب بھی اسے کھانے کی خواہش محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ پھر بھی اگر کھانا کھاتے وقت بھائیوں میں سے کوئی اس کے بارے میں پوچھ لیتا کہ اس نے کچھ کھایا پیا ہے یا نہیں تو وہ بغیر کھائے پیئے ہی مانتی۔ مگر انہوں نے تو شاید ہمیشہ کے لیے اسے گنتی سے خارج کر دیا تھا۔ مگر بھابی کو بالآخر اس کا خیال آ ہی گیا اس نے تھالی میں چاول ڈالے اور اندر آ کر تھالی اس کے آگے سرکا دی اور کچھ کہے سُنے بغیر لوٹ گئی۔ اُسے لگا جیسے وہ سچ مچ ایک پالتو کتیا ہو جسے راتب ڈالا گیا ہو۔ وہ اپنے ہی گھر میں اجنبی تھی اُس نے بہت کوشش کی مگر اُس سے سسکیاں روکی نہ جا سکیں اس کی سسکیوں اور ہچکیوں کی آواز سن کر بھی کسی کا نوالہ رُکا نہ ہی کسی نے اس کا بُرا منایا۔ وہ رو دھو کر خود ہی چپ ہو گئی اُس نے پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چند ایک لقمے بھی زہر مار کیے۔ اُسے پیاس لگ رہی تھی۔ بھابی پانی دے کر نہیں گئی تھی اور اُسے باہر جا کر نلکے یا گھڑے سے پانی پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

باہر کا دروازہ عموماً کھلا رہتا تھا مگر آج اُسے بند کر دیا گیا تھا۔ بند دروازہ دیکھ کر اُسے اپنا سانس رُکتا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا راستہ روک دیا گیا ہو۔ دو ایک بار کسی نے دستک دی تو اس کی ماں دروازے تک گئی اور ہر بار بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھولے بغیر واپس آ گئی۔ ضرور گاؤں کی عورتیں آنا چاہتی ہوں گی جن کو بُرا بھلا کہہ کر ماں نے وہیں سے لوٹا دیا ہو گا۔ اس کے گھر والے پہلے بھی کسی سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے اور اب تو وہ اور بھی بپھرے ہوئے تھے۔

کھانا کھا کر دونوں بھائی صحن میں بیٹھ کر کچھ دیر حقہ پیتے رہے وریام تو باڑے میں جا کر سوتا تھا مگر آج وہ گھر پر ہی رہا۔ گامو بھی خلافِ معمول جلدی کھانا کھا کر سونے کے لیے چلا گیا جیسے انہیں جلدی جاگنا اور کسی اہم مہم پر جانا ہو۔ اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا

کچھ دیر بھابی صحن میں برتن سمیٹتی اور صاف کرتی رہی پھر ننھی صغریٰ کو لے کر وہ بھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ ماں برآمدے میں بیٹھ کر تازہ پسا ہوا آٹا چھلنی میں ڈالنے لگی۔ ماں نے کھانا نہیں

رہا تھا اس نے کوئی ایسا نہیں کیا تھا یہ سوچ کر اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا کہ کہیں گھر میں ہونے والا تو نہیں تھا۔

ویسے بھی کل رات پہلے میں اگر اپنی چارپائی پر لیٹ گئی تو اس نے کچھ دیر تامل کیا پھر ہمت کر کے اٹھی اور اس کی پائنتی پر بیٹھ گئی وہ اس کے پاؤں پر سر رکھ کر رونا چاہتی تھی مگر اس نے پاؤں سمیٹ لئے اور کروٹ بدل لی۔ وہ چپ چاپ سانس روکے اسی جگہ بیٹھی رہی۔ ماں جاگ رہی تھی مگر خود کو سویا ہوا ظاہر کر رہی تھی۔ وہ کئی راتوں کی جاگی اور دن بھر کی تھکی ہوئی تھی اسے پائنتی پر بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی مگر اسے اپنی چارپائی پر لیٹے ہوئے ڈر لگ رہا تھا پتہ نہیں کب جھونکا پڑا یا وہ دونوں بھائی پچھلے سے اندر آجائیں اور اسے ساتھ چلنے کو کہیں — وہ چیخنا چاہے گی مگر اس کے منہ سے ایک لفظ نہیں نکل سکے گا۔ پھر پتہ نہیں وہ اسے کہاں لے جائیں۔ کس طرح ہلاک کریں۔ ہو سکتا ہے گلا گھونٹ دیں — چھری یا ٹوکے سے ذبح کر کے زمین میں دبا دیں۔ کنوئیں یا نہر میں دھکا دے دیں۔ اسے یقین تھا کہ جب وہ اسے لینے آئیں گے تو وہ اسی طرح خاموشی سے خود کو سپرد ہوا ظاہر کرے گی وہ اس کی اتنی بڑی خطا کیسے معاف کر سکتے تھے۔ معاف کرنا یا درگزر کرنا اس گھر کے لوگوں نے سیکھا ہی نہیں تھا اور پھر وہ اپنے بیٹوں سے بہت ڈرتی تھی وہ بگڑ جاتے تھے تو ماں کو بھی لہولہان اور بے عزت کر دیتے تھے گھر میں صرف ایک بھابی تھی جو اس کی جان بچا سکتی تھی مگر وہ کیوں بچاتی۔ اس نے بھابی کے گبرو بھائی کا رشتہ ٹھکرا کر اسے بھیّا کے لیے اپنا دشمن بنا لیا تھا ویسے بھی وہ قصے کہانیوں کی روایتی بھابی کی طرح اس سے جلتی اور شاید اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کی خواہش رکھتی تھی۔

وہ ماں کی پائنتی پر بیٹھی زار و قطار روتی رہی۔ اس کی ماں ضد کی پکی اور دل کی سخت ضرور تھی مگر کبھی کبھی وہ مہربان بھی ہو جاتی تھی یا کم از کم تھوڑی دیر کے لیے نرم پڑ جاتی تھی مگر آج اس کا دل پگھل ہی نہیں رہا تھا۔ پھر پتہ نہیں کب اور کیسے وہ روتے روتے وہیں پائنتی پر گچھا مچھا سی ہو کر سو گئی مگر ڈراؤنے خواب دیکھ دیکھ کر ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی سونے اور جاگنے میں اسے کچھ فرق محسوس نہیں ہو رہا تھا خوابوں نے بھی اسے سہما دیا چھوڑ دیا تھا۔

اگلے روز اس نے بھابیوں کی نظر سے اوجھل رہ کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کرنا شروع کر دیے۔ برتن دھوتی چولہے صاف کرتی چارپائیاں اور بستر بچھاتی۔ جھاڑو دیتی اور ننھی صغریٰ کو بہلاتی مگر بھابی نے اسے کھانے پینے

کا چیزوں کو چھونے سے منع کر دیا تھا۔ تیسرے چوتھے روز اس نے کھانا کھاتے ہوئے بڑے بھائی کے پاس ڈرتے ڈرتے پانی کا گلاس رکھ کے دیا تو اس نے گلاس اٹھا کر دیوار پر دے مارا اور ٹکڑے ٹکڑے کر دیا پھر کھانا چھوڑ کر پاؤں پٹختا ہوا باہر چلا گیا اس کے بعد وہ پھر سے سہم گئی اور اسے طرح طرح کے اندیشوں نے گھیر لیا۔

وہ گھر میں رہتی تھی مگر گھر کا کوئی فرد اس سے بات نہ کرتا تھا اس نے ماں سے کئی مرتبہ بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر ماں جواب نہیں دیتی تھی۔ سوائے ننھی منزی کی جیسی ماں کے وہ بات کرنے کو ترس گئی تھی۔ ایک رات اس نے ماں کے پاؤں پکڑ لیے اور روتے ہوئے کہنے لگی۔

• ماں مجھے مار ۔۔۔ مجھ پر تھوک۔ مجھے گالیاں اور طعنے دے خدا کے لیے کچھ تو کہہ۔

• میں تیری ماں نہیں ہوں تو کسی کتیا کی اولاد ہے۔

ماں نے گالی دی تو ناامیدی کے اندھیرے میں چمکتا ہوا جگنو دکھائی دیا ۔۔۔ مگر دوسرے ہی لمحے ماں نے ایک ایسی بات کہہ دی جسے سن کر وہ سناٹے میں آگئی۔

• تو اس گھر میں مہمان ہے پتہ نہیں کتنے دن کتنی گھڑیاں۔

• نہیں ماں ۔۔۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہو۔

• اپنی ناپاک زبان سے خدا رسول کا نام مت لے۔

• میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں ماں۔

• کچھ فائدہ نہیں۔

• تو کیا سچ مچ ماں؟

• ہاں۔

• کب؟

• یہ مجھے نہیں پتہ۔

مارے خوف کے اس کا حلق خشک ہو گیا ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔

(۲)

جل سکتے دن بہت حویلی کے ارد گرد گھومتے رہتے تھے ان کے مالکوں کا جب جی چاہتا انہیں باندھ دیتے
جب جی چاہتا کھلا چھوڑ دیتے تھے۔ ان کتوں کے ڈر سے لوگوں نے کچی سڑک سے گزرنا چھوڑ دیا تھا اور
انہیں قصبے میں آنے جانے کے لیے کھیتوں کے درمیان والی پگڈنڈی کا راستہ اختیار کرنا پڑتا تھا کوئی بھولا
بھٹکا شخص ادھر آ نکلتا تھا تو ان کتوں سے جان بچانا مشکل ہو جاتی تھی۔ ان کتوں نے کئی
لوگوں کو زخمی کیا اور بھنبھوڑا تھا گاؤں والے احتجاج کر چکے تھے کئی دفعہ بھیج چکے تھے مگر ان لوگوں پر
کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ گاؤں کے لڑکے جو قصبے کے سکول میں پڑھنے جاتے تھے۔ نہایت بچ بچا کر اور
یا پھر کاٹ کر یہاں سے گزرتے تھے انہوں نے ان کتوں کے نام بھی گاما اور دیاما رکھ دیئے تھے۔

گاما اور دیاما کو لوگ نہایت اجڈ اور ظالم سمجھتے تھے جنہوں نے اپنی سگی بہن کو قتل کرکے
نہر میں بہا دیا یا گڑھا کھود کر کسی کھیت میں دبا دیا تھا اور گاؤں والوں سے ہر قسم کا تعلق توڑ کر
اور گاؤں کی سکونت ترک کرکے یہاں سب سے الگ اس حویلی میں رہنے لگے تھے۔

یہ حویلی کسی زمانے میں مویشیوں کا باڑا تھی وہاں ایک کنواں بھی تھا جسے اب پر کر دیا گیا
تھا۔ غفوراں کے روپوش یا قتل ہو جانے کے بعد ان لوگوں نے اس میں چند ایک کمروں کا اضافہ
کرکے اسے حویلی کی شکل دے دی تھی۔

گاؤں میں اس حویلی کے بارے میں طرح طرح کے قصے مشہور تھے باغ علی حجام کا کہنا تھا
کہ ایک دوپہر کو وہ قصبے کی مشین سے آٹا پسوا کر لوٹ رہا تھا کہ حویلی سے کچھ فاصلے پر کسی عورت نے
اس کا نام لے کر پکارا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا مگر وہاں کوئی نہیں تھا۔

ودے جیسے اعتباری آدمی کا بیان تھا کہ اس نے ایک رات کھیتوں کو پانی لگایا ہوا تھا کہ
اس نے دیکھا ایک جوان سال عورت بال بکھرائے کھال کے اندر بے آواز چلتی جا رہی تھی اس
نے آواز دی تو قہقہہ لگا کر غائب ہو گئی حویلی سے کچھ فاصلے پر ایک بہت اونچا کھجور کا پیڑ تھا
بعض لوگوں نے کھجور کے اس پیڑ کے قریب سے بھی عجیب و غریب قسم کی آوازیں سنی تھیں۔ دتو
میراثی نے تو ایک چھل پیری کو اپنی آنکھوں سے دیکھا بھی تھا۔

ایک روز چودھری سرور کی بیٹی باپ کا کھانا لے کر کھیتوں میں گئی۔ چودھری سرور آم کے پیڑ کے نیچے
بیٹھ کر کھانا کھا رہا تھا اور وہ قریب بیٹھی پنکھا جھل رہی تھی کہ اچانک اسے پتہ نہیں کیا سوجھی وہ
دوڑ کر درخت پر چڑھ گئی۔ چودھری سرور نے خفا ہو کر ڈانٹا کہ جوان لڑکیاں درختوں پر نہیں چڑھتیں تو

وہ جلدی میں قہقہے لگاتی اور اوپر چڑھتی جاتی۔ پھر اُس نے آم کی ٹہنی سے چھلانگ لگا دی اور گر کر
بے ہوش ہو گئی اب وہ بیساکھیوں کے سہارے چلتی تھی۔

لوگوں نے ایسے سب واقعات اور قصوں کی کڑیاں حویلی سے ملا دی تھیں اور یہ فرض کر لیا گیا
تھا کہ غفوراں کو نہایت بے دردی سے قتل کر کے حویلی کے پاس کہیں ان کھیتوں میں دفن کر دیا گیا تھا اور
اس کی بے چین روح بھوت یا چڑیل کی صورت میں وہاں گھومتی رہتی تھی۔ گاؤں میں صرف ایک
مولوی فیروز دین تھے جو ان باتوں پر یقین نہیں کرتے تھے اور انہیں ضعیف العقیدہ لوگوں کا
واہمہ قرار دیتے تھے لیکن پھر ایک روز اُن کے ساتھ نہایت عجیب واقعہ پیش آیا۔ وہ رات کے
وقت قصبے سے لوٹ رہے تھے کہ اچانک ان کے آگے آگے ایک دیا روشن ہو گیا کچھ دیر وہ
ردِ بلا کے لیے مخصوص دعائیں اور وظیفے پڑھتے رہے مگر جب جلتا ہوا دیا ان کے بہت قریب آ
گیا اور ہوا میں تیرتا ان کے ساتھ ساتھ چلنے لگا تو وہ ساری دعائیں بھول گئے اور بے ہوش ہو
کر کھڈ میں گر گئے۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ غفوراں کو قتل کر کے نہر یا دریا میں بہا دیا گیا تھا۔ بعض کا خیال تھا کہ
اسے گاؤں والے مکان میں قتل کر کے دفن کر دیا گیا۔ یہ مکان اب تک مقفل تھا۔ وہ اُسے
فروخت کرتے تھے نہ اس کی دیکھ بھال اور مرمت پر توجہ دیتے تھے۔ مگر ساتھ والے گاؤں کے
مستری ظہور نے جو حویلی کی تعمیر اور مرمت کا کام کرتا رہا تھا لوگوں کو بتایا تھا کہ حویلی کے اندر گامو
اور دیامو کے گھروں کے عین درمیان ایک چبوترا سا بنا ہوا تھا جس پر سرکنڈوں اور سوکھی ہوئی لکڑیوں
کا ڈھیر پڑا رہتا تھا۔ جسے گھر کے لوگ ضرورت کے وقت بھی نہیں چھوتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ یہ چبوترا
دراصل ایک قبر تھی اور اسی کی نگرانی کی خاطر ہی وہ لوگ گاؤں والا مکان چھوڑ کر یہاں منتقل ہوئے
تھے۔

گاؤں کی عورتیں بوڑھی سکینہ کو بھی چڑیل کے نام سے ہی یاد کرتی تھی۔ جو اپنی بیٹی کی حفاظت
نہ کر سکی تھی اور داماد جو کر اُسے بدسلوکی سے تنگ آکر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا پھر اس کے عیبوں
پر پردہ ڈالنے کی بجائے قتل ہو جانے دیا تھا۔ وہ گاؤں میں بہت کم آتی تھی مگر جب بھی آتی ادھر
سے گزرتی سہاگنیں، حاملہ عورتیں اور نوجوان لڑکیاں اس کے سائے سے بچنے کے لیے راستہ
بدل لیتیں۔ ان کا خیال تھا وہ جسے چھو لے گی یا جس سے بات کرے گی اس کی کوکھ کبھی ہری نہ

وہ کھل جاتے گی۔ اس کے بارے میں مشہور ہو گیا تھا کہ وہ جس درخت کے نیچے بیٹھ جاتی تھی
وہ پھلدار ہوتا تھا۔ گاؤں میں جب بھی کوئی غیر معمولی واقعہ یا حادثہ رونما ہوتا بوڑھی سکینہ
اور اس کے خاندان کو اس میں ضرور ملوث کر لیا جاتا۔ جب کہ بوڑھیوں نے تو گامو کے ہاں نرینہ اولاد نہ
ہونے کو بھی خاندان کی روح کا انتقام ہی سمجھا تھا اور جب دیامو کا نوعمر بیٹا سانپ کے ڈسنے سے
مر گیا تو اسے بھی اسی انتقامی کارروائی کا حصہ سمجھا گیا جو خاندان اپنے گھر والوں سے لے رہی تھی۔
سکینہ نے بھی کبھی اپنی صفائی میں کچھ کہنا ضروری نہ سمجھا تھا۔ شروع میں جب لوگ استفسار کرتے
تھے تو وہ نہایت مختصر سا جواب دے کر آگے بڑھ جاتی تھی۔
چلی گئی ــــ جہاں سے کہ وہ آئی تھی۔
بعض لوگوں نے اس سے یہ مطلب نکالا تھا کہ وہ گھر والوں کی بدسلوکی اور غفلت کی وجہ سے
وہاں سے بھاگ کر [illegible] کے پاس چلی گئی تھی جو اس کے بھائیوں کے خوف سے روپوش ہو گئے تھے
مگر بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ بڑھیا نے نہایت پتے کی بات کی تھی انسان مر کر بھی تو وہیں جاتا ہے
جہاں سے آیا ہوتا ہے۔

(۳)

گاؤں کے بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے کہ یہ خاندان پرانے زمانے کے کسی ایسے غیر ملکی حملہ آور قبیلے
سے تعلق رکھتا ہے جو جوانی خوب صورتی میں وقتی تھا۔ خصوصاً ان کی عورتیں حسن و جمال میں نہایت
ممتاز حیثیت کی حامل ہوتی ہیں۔ چنانچہ جب صغریٰ نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو آس پاس کے
دیہات میں ایک بار پھر اس خاندان کے حسن کی دھوم مچ گئی۔
گو صغریٰ بہت کم حویلی سے باہر قدم رکھتی ہے مگر اب حویلی کے گرد حصار پہلے جیسا ناقابل عبور نہیں
رہا۔ دیامو اور گامو کا ایک دوسرے سے جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی
ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں اور ایک دوسرے سے بات تک کرنے کے روادار نہیں ہیں۔ گامو
کو نرینہ اولاد نہ ہونے کے صدمے نے وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہے۔ سکینہ بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہے
اور گو وہ دیامو کے پاس رہتی ہے مگر وہ ماں سے زیادہ صغریٰ کا خیال رکھتی ہے۔ ان کی [illegible]
مر کے گئے ہیں ایک بار پڑ گیا تھا اور ہے کسی نے زہر دے دیا۔ کہتے ہیں [illegible]
[illegible] کر چپ ہو جاتے یا تھوڑا سا سنک سمجھا کر کے سانپ جانے والے [illegible]

کہتے ہیں۔ ان لوگوں کے گاؤں والوں سے تعلقات بھی کافی بہتر ہو رہے ہیں اور ان شادی غمی کے موقعوں
پر گاؤں میں آنے جانے لگے ہیں۔ صغریٰ کبھی نہیں جاتی مگر رابعہ یاوری کے پہلو کبھی کبھار گاؤں چلی
جاتی ہے۔

پچھلے کچھ عرصے سے حویلی کے گرد منڈلانے والے نوجوانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوگیا ہے۔
رات کو چاروں طرف سے بانسریوں، الغوزوں اور فراقیہ گیتوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ صغریٰ
دن کو بار بار چھت پر آنے جانے اور راتوں کو دیر تک جاگنے لگی ہے۔

یہ سرما کی ایک تاریک اور سرد رات کا قصہ ہے جب آدھی رات کے قریب رابعہ نے اپنے شوہر
کو سوتے میں جگا کر بتایا کہ صغریٰ حویلی میں نہیں ہے۔

"کہاں گئی؟" گامو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"میری آنکھ کھلی تو وہ اپنے بستر میں نہیں تھی۔ میں نے پہلے تو یہی جانا کہ ادھر ادھر ہوگی ابھی
آجائے گی مگر اس کا کچھ پتہ نہیں ہے۔"

"تمہیں اس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ میں اس کتیا کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔"

شور سن کر سکینہ بھی جاگ گئی اور لڑکھڑاتی ہوئی آگئی۔

رابعہ نے لالٹین جلائی۔ گامو نے ٹکوا سنبھالا۔ لالٹین لے کر وہ تینوں کچھ دیر حویلی کے اندر باہر
اسے ڈھونڈتے رہے انھوں نے سدیامو کے گھر میں بھی جھانکا مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔ پھر سکینہ
نے مشورہ دیا۔

"تم ترکھانوں کے ہاں جا کر دیکھو ان کا بیٹا نفسو اکثر حویلی کے آس پاس منڈلایا کرتا ہے۔ جلدی
کرو۔"

گامو ٹکوا لیے، اندھیرے میں لمبے لمبے ڈگ بھرتا گاؤں کی طرف چلا گیا۔ اور رابعہ روتے ہوئے
اپنی ساس سے لپٹ گئی۔

"اب کیا ہوگا ماسی؟"

"وہی جو اس گھر میں ہوتا چلا آیا ہے۔"

"نہیں ماسی۔ خدا کے لیے ایسا نہ کہو — میری ایک ہی بیٹی ہے۔"

"بیٹا مجھے کیا فرق پڑتا ہے میری یہاں اس گھر میں کون سنتا ہے۔"

تم اس کے پیچھے جاؤ ماسی ـــــ روکنے مدنہ لے گا۔"

"نہیں یہ غیرت کا معاملہ ہے وہ میری ایک نہیں سنے گا۔"
ابھی وہ نہیں پہنچی تھی جب حویلی کے باہر آہٹ سنائی دی۔ دوسرے ہی لمحے انہوں نے
وہ لت ساتھ لیے ہانپتا تھا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا اس کے بال الجھے ہوئے تھے
ہوتا تھا اسے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا گیا ہے وہ ڈری اور سہمی ہوئی تھی۔
حویلی کا صدر دروازہ بند کر کے گھمو اس کے قریب آیا اور اُسے لاتوں اور مکوں سے پیٹنے لگا
میں پڑگئی تو ... دھاڑا۔

"ڈنڈا کہاں ہے میں اس کے ٹکڑے کر دوں گا۔"

صغریٰ ماں کے پاؤں پڑ گئی۔

"مجھے بچا لو ماں ـــــ ابا مجھے مار ڈالے گا۔"

"ڈنڈا تمہارے پاس پڑا ہے گامو" سکینہ نے جذبات سے عاری لہجے میں کہا۔
رابعہ نے غصے اور نفرت سے اور صغریٰ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ گامو ڈنڈا اٹھانے
کے لیے مڑا تو رابعہ نے اُسے روک دیا اور بولی۔

"ہوش کرو غصے میں تم پاگل ہو جاتے ہو۔"
پھر اس نے ڈنڈا پکڑ کر دور اندھیرے میں پھینک دیا اور زمین پر گری ہوئی صغریٰ کو سہارا
دے کر اندر لے گئی۔

"میں دیکھ رہی ہوں گامو" سکینہ بولی "یا تو تم بوڑھے اور کمزور ہو گئے ہو یا بے غیرت"

"ہاں" گھمو نے مرجھائے ہوئے لہجے میں کہا اور نادم سا ہو کر اندر چلا گیا۔
جب وہ اپنے اپنے بستروں میں لیٹ گئے تو انہیں چبوترے کی طرف سے بلند آوازمیں بین
کرنے کی آواز سنائی دی۔

"کہاں مر گئے غفورو ـــ اس رات تیرا باپ بھی زندہ ہوتا تو تیری فریاد سن لیتا"
پھر اس کے دوہتڑوں سے چھاتی پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں جیسے مقتول ابھی ابھی قتل
ہوا ہو۔

(ادبیات" اسلام آباد" اکتوبر - دسمبر ۱۹۸۹ء)

اس علاقے کا دورہ کرتے ہوئے ایک بڑی عجیب بات یہ نظر آئی کہ سب کتے خوب پلے ہوئے تھے اور ایک دو نہیں سب کے سب دم کٹے تھے میں نے اپنے ساتھی ماسٹر صاحب سے کہا۔ مجھے یہ تو پتہ تھا کہ بعض لوگ اپنے کتوں کا مزاج کڑوا بنانے کے لیے ان کی تھوڑی سی دم کاٹ کر اس پر نمک مرچ لگا دیتے ہیں لیکن ہر کتے کی جڑ سے ہی دم کاٹ دیتے ہیں اس میں کیا حکمت ہے؟

ماسٹر صاحب بولے۔ "ممکن ہے ان کتوں کا تعلق کسی ایسی نسل سے جو بن کی دم سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے۔"

اس جواب سے میری تسلی نہ ہوئی چنانچہ اسی رات میں نے گاؤں میں اپنے میزبان سے بھی سوال کیا۔ بوڑھا کھلکھلا کر ہنس کر کہنے لگا: "یہ ایک لمبی داستان ہے حکم ہو تو سناؤں؟"

"ضرور سنائیے"

اس پر ہمارے میزبان نے یہ قصہ بیان کیا: "عرصہ ہوا ایک روز تحصیلدار کا پیغام آیا کہ ہمارا گاؤں اس سال تیس جنگی سپاہی مہیا کرے گا۔ گاؤں کے سب لوگ بڑے حیران ہوئے انھوں نے میری بزرگی اور تجربہ کی بنا پر مجھے تحصیلدار کے پاس بھیجا کہ جا کر یہ حکم منسوخ کراؤں میں نے جا کر تحصیلدار سے کہا "جناب میں نے فوج میں پورے بارہ سال نوکری کی ہے۔ یمن، طرابلس، استنبول اور کئی دوسرے محاذوں پر جنگ میں حصہ لیا ہے۔"

تحصیلدار چلا کر بولا "فاتحہ بائیں مت کرو بابا، فوج میں نوکری کی ہے تو کسی پر احسان نہیں کیا قومی فرض ادا کیا ہے۔ کیا اب اس کا معاوضہ لینے کے لئے آئے ہو؟"

"استغفراللہ! میرا مقصد یہ نہیں تھا جناب!" میں نے جواب دیا۔ "میں تو جنگ آزادی میں بھی بنا کسی تنخواہ کے کام کرتا رہا اور بڑی کٹھن خدمات انجام دیتا رہا ہوں۔ کئی ماہ گوریلا دستوں کی قیادت کی۔ لڑائی ختم ہوئی تو چاہ کے بجائے کاغذ کا ایک ٹکڑا میرے ہاتھ میں تھما دیا گیا تاکہ سند رہے اور ....

تحصیلدار سٹپٹا گیا اور بولا۔ "آخر چاہتے کیا ہو بابا؟ سیدھی اور مختصر بات کرو۔ فضول باتوں میں میرا
سرکاری وقت ضائع مت کرو۔ کیا تمہاری جلیل القدر خدمات کے صلہ میں پنشن مقرر کر دی جائے؟ تم کو معلوم
نہیں کہ ملک کی کتنی ابتر حالت ہو رہی ہے؟"

"جناب ملک کی مالی حالت تو ابھی حال ہی میں نائب تحصیلدار صاحب
نے میرا سفید بیل۔ بحق سرکار ضبط کر کے خاصی سنوار دی ہے۔ بہرحال میں مالی امداد مانگنے کے لئے نہیں آیا ہوں بس مجھے تو
گاؤں والوں نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے آپ نے ہمیں تیس جنگلی سور مارنے کا حکم دیا ہے اس لمبی داستان کا
مقصد یہ تھا کہ آپ کو یہ بتاؤں کہ ہمارے گاؤں میں میرے سوا ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے سور کی شکل بھی
دیکھی ہو۔ خود میں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کے باوجود آج تک صرف ایک بار سور دیکھا ہے اور وہ بھی محاذ جنگ پر۔
ہمارے ایک لیفٹیننٹ صاحب ہوتے تھے اگر فوت ہو چکے ہوں تو خدا ان کی مغفرت کرے اور زندہ ہوں تو لمبی عمر
دے بڑے بانکے جوان تھے ان کی مونچھیں اتنی بڑی تھیں کہ ایک مونچھ سے آپ جیسے دو تحصیلدار بیک وقت لٹک جائیں ——
تو دونوں کا وزن اٹھا سکتے تھے ایک روز گشت کے دوران میری پنڈلی میں گولی لگی تو لیفٹیننٹ صاحب نے مجھے پیٹھ پہ
اٹھا کر جرمن فوجی ہسپتال پہنچا دیا اس زمانہ کے لوگ آج کل کے لوگوں سے کتنے مختلف تھے۔ بہرحال ہسپتال میں میں نے
پہلی اور آخری دفعہ سور دیکھا ہے تو جناب عالی! ہمارے سارے گاؤں میں میرے سوا کوئی نہیں جانتا کہ سور ہوتا
کیا ہے۔"

تحصیلدار غیظ و غضب کے عالم میں چلا اٹھا۔ "دیکھو بابا میں اور کچھ سننا نہیں چاہتا بس اس سال تمہارے
گاؤں سے پورے تیس عدد سور چاہتا ہوں۔ تمہارے گاؤں والوں کو بھی پتہ چل جائے گا کہ سور کیا ہوتا ہے اور سرکار
کے حکم کی تعمیل بھی ہو جائے گی۔"

"لیکن جناب سور نہ تو ہمارے اپنے گاؤں میں پایا جاتا ہے نہ کسی کو معلوم کہ سور کیا ہوتا ہے
اور نہ دور دور تک کسی اور گاؤں میں۔ البتہ ہم لوگ یہ لفظ ضرور استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً جب ہم کسی سے ناراض ہوں تو
اسے "سور" کہتے ہیں۔ ناراضی زیادہ ہو تو اسے "سور کا بچہ" کہہ ڈالتے ہیں لیکن یقین کیجئے خود سور کا گاؤں میں کسی کو پتہ
نہیں کہ کیا ہوتا ہے۔"

تحصیلدار نے دراز سے کاغذوں کا ایک پلندہ نکالا۔ جب سے صاف [illegible] "یہ تم خود ہی
دیکھ لو کہ حکومت تمہاری بہبودی کے لئے کیسی کیسی اسکیمیں بناتی ہے گورنمنٹ کو عوام کا کتنا خیال ہے مگر تم لوگ انتہائی جاہل
ہو کہ اس بات کا ذرا بھی احساس نہیں کیا تم پڑھ سکتے ہو یہ کیا لکھا ہے یہ؟"

"جی نہیں! میں تو پڑھ نہیں سکتا بابا"

"اور [illegible] کرنے [illegible] قوم [illegible] نہیں بنا پایا [illegible] ان کا منصوبہ
تھا کہ [illegible] ملک کا [illegible] کی پیداوار بڑھانے کے لئے [illegible] کا قلع قمع

کرنا اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ کسانوں کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ ساری اسکیم محض تم لوگوں کی بہتری کے لئے ہے
تمہارا [illegible] ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے جناب! آپ ہم کو سؤر دکھا دیجئے۔ شکار ہم کر لیں گے۔ اور ہاں ہم لوگ مکئی کی کاشت بھی
نہیں کر سکتے۔ مکئی ہمارے باپ دادا نے کی تھی۔"

"انہوں نے نہیں کی تو اب تمہیں کرنا پڑے گی۔ گاؤں والوں سے کہدو۔ سارا وقت گپیں ہانکنے میں ضائع
کرنے کے بجائے مکئی کاشت کریں۔ مکئی ہوگی تو سؤر بھی آجائیں گے اور یوں تم لوگوں کو ان کا شکار کرنے کا موقع
مل جائے گا۔"

"حضور سرکار! مگر ہماری زمینوں میں تو مکئی اگ ہی نہیں سکتی۔ آٹھ نو ماہ سردی پڑتی ہے چھ ماہ تو برف بھی
نہیں پگھلتی۔"

"تم ہر بات کا کوئی نہ کوئی بہانہ ڈھونڈ لیتے ہو۔ کبھی امریکہ کے کسانوں کو بھی دیکھا ہے تم نے؟ ایک وہ ہیں
جو قطب شمالی کی برفوں میں جیبل کے پودوں کو اگا لیتے ہیں اور ایک تم ہو کہ ناممکن ناممکن کی رٹ لگائے جا
رہے ہو۔"

میں نے تنگ آکر مذاق سے کہا ——— "جناب، جن لوگوں نے آپ کو اوپر سے حکم بھیجا ہے
انہیں کہیے اس سال برف نہ پڑنے دیں۔ تاکہ ہم مکئی کاشت کر کے سؤر کا شکار کر سکیں۔"

تحصیلدار نے قانون کی آڑ لیتے ہوئے رعب ڈالا، "بابا، تم جانتے ہیں۔ کہ سرکاری دفتر میں کھڑے ہو کر
سرکاری حکم کا مذاق اڑانے کی سزا کم از کم دو سال ہے۔"

"نعوذ باللہ! جناب عالی، ہماری کیا مجال ہے کہ سرکار کا مذاق اڑائیں میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ ہمارے
علاقے میں سؤر نہیں ہوتے۔"

"پھر وہی بات تم زیادہ جانتے ہو یا حکومت کے ماہرین جنہوں نے حکم دیا ہے اس سے پہلے کئی کتابیں پڑھی ہوں گی۔
نقشے دیکھے ہوں گے تب کہیں جا کر تمہارے گاؤں میں سؤر کا سراغ لگا یا ہوگا۔ عام ممکن ہے سؤر تو ہوں مگر تم لوگوں کو
پتہ نہ ہو۔ گاؤں کے لوگوں سے کہو کہ آنکھیں کھول کر چلا کریں۔"

"لیکن صاحب یقین کیجئے۔۔۔۔"

تحصیلدار نے بات کاٹتے ہوئے پھر سے وضاحت شروع کر دی ——— "دیکھو بابا! یہ محکمہ زراعت کی اتنی بڑی وزارت
نے سب صوبوں کے گورنروں کو بھیجا ہے ہر صوبہ کو سؤروں کا کوٹہ مقرر کر دیا گیا ہے۔
اب گورنر صاحب خود تو سؤروں کا شکار کرنے سے رہے۔ چنانچہ انہوں نے کمشنروں کا کمشنریوں نے ڈپٹی
کمشنروں کا اور انہوں نے آگے ہر تحصیلدار کا کوٹہ مقرر کر دیا ہے اسی طرح میں نے تحصیل کے ہر گاؤں کو برابر کوٹہ
تقسیم کر دیا ہے تمہارے گاؤں کے حصے میں بیس عدد سؤر آتے ہیں کیا تم اتنے کوٹہ مقرر ہو کہ یہ معمولی سی بات نہیں

ہو سکتے ہیں؟"

"- جناب ہم دیہاتی لوگ جاہل ضرور ہوتے ہیں مگر کیا نئے ہمارے ہاں شعور نہیں ہو گی اسٹائل ماہرین سے نظر چوکتی ہو؟"

"تمہارا مطلب ہے وزیرِ زراعت کو بھی اس بات کا پتہ نہ تھا اور نہ ہی ماہرین کو علم تھا جو سالہا سال یورپ و امریکہ کے زرعی اداروں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے رہے ہیں زرعی ماہر نہیں جانتے۔ گورنر نہیں جانتا۔ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر تک نہیں جانتے۔ میں بھی نہیں جانتا۔ بس جانتے ہو تو صرف تم دیکھا تمہارے ایک فقرے کی ہتک آمیز بازگشت کہاں تک جا سکتی ہے؟ پہلے مجھ تک پھر ڈپٹی کمشنر کمشنر اور گورنر تک اور پھر......"

"- نعوذ باللہ تحصیلدار صاحب!"

"- نعوذ باللہ ہو یا استغفراللہ، تم لوگوں کو یہ حکم ماننا ہی پڑے گا اور یاد رکھو حکومت یہ کام تم سے بیگار میں نہیں کروا رہی ہر سور کے عوض ۱۲ پیسہ معاوضہ دیا جائے گا تم لوگ شکار کر کے سور کی دم کاٹ کر میرے پاس لے آنا۔ میں تم کو ہر دُم کے بدلے ایک پرچی دوں گا تم وزارتِ زراعت سے اس پرچی پر مہر لگوا کر بنک میں پیش کرنا تو تم کو فوراً بارہ پیسے مل جائیں گے جانتے ہو گندم کا کیا بھاؤ ہے؟"

"- جناب ہم سے تو حکومت ۸ پیسے فی کلو کے حساب سے خریدتی ہے۔"

"- تو ذرا خود ہی حساب لگا لو ایک سور کی دُم کے عوض ۱½ کلو گندم۔ بھلا اور کیا چاہیے تمہیں؟ میں تمہاری جگہ ہوتا تو رات دن بیوی بچوں سمیت کھیتوں کی خاک چھاننے کے بجائے حکومت کو سور کی دُمیں سپلائی کرنے کا ٹھیکہ لے لیتا۔ اور کوئی کام نہ کرتا۔ جاؤ جاؤ اور سرکار کا حکم مانو ورنہ میں خود پولیس لے کر تمہارے گاؤں آؤں گا اور پھر چھوٹے بڑے مرد کو سور کا شکار کرنا سکھاؤں گا۔" میں مایوس ہو کر گاؤں لوٹ آیا اور لوگوں کو سارا قصہ سنایا۔ ایک شخص نے تجویز پیش کی۔ "کیوں نہ گاؤں میں سور پالنے کی مہم شروع کر دی جائے۔ جب ذرا بڑے ہوں اُن کی دُمیں کاٹ کر حکومت کے سامنے پیش کر دی جائیں۔"

سب لوگوں نے یک ساتھ لاحول پڑھی ایک حرام اور مردود جانور گاؤں میں کس طرح پالا جا سکتا ہے؟

ایک اور شخص جو پڑھا آدمی ہے ذرا عقل مند تھا کہنے لگا۔ "حوالدار جی! سنا ہے فلاں علاقے میں بڑے سور ہوتے ہیں اگر آپ خود زحمت کریں تو وہاں جا کر سور کی تیس دُمیں خرید کر وا سکتے ہیں۔" اس شخص کی بتائی ہوئی جگہ شہر سے دو روز کی مسافت پر تھی۔ میں نے مشورہ دیا۔ "اگر اتنی دُور رہائش بھی تو کیوں نہ بہت دُمیں خرید لائیں تاکہ جانے کا خرچ تو نکل آئے۔"

میرا مشورہ متفقہ طور پر مان لیا گیا کچھ رقم امداد باہمی کے بنک سے قرض لی گئی۔ میں دوسرے ہی دن لے کر سفر پر روانہ ہو گیا وہاں پہنچا تو دیکھا تو ہزاروں کی تعداد میں سور کی دُمیں فروخت ہو رہی ہیں منڈی [illegible]

مشرف عالم ذوقی

سورباڑی

(جنوبی افریقہ کے سیاہ فام انقلابی شاعر بنجامن کے لئے جسے پھانسی دے دی گئی)

۱

لُٹے ہوئے سامان
حقارت سے دیکھتی ہوئی آنکھیں
ہم نے اب جینے کا عہد کر لیا ہے ——
ان بیڑیوں کو کاٹ کر
بیڑیاں جو نامرد بناتی ہیں ہمیں
کاٹ ڈالتی ہیں تنے ہوئے اُن بازوؤں کو
جن میں روانی سے دوڑتے ہوئے خون
ہر پل احساس دلاتے ہیں آزادی کا
اور سو جاتی ہے کٹے ہوئے بازوؤں کے
سوکھے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں میں
آزادی......
ناپاک منصوبوں کا آدمی
کٹے ہوئے بازو کے سوکھے ہوئے گوشت کے لوتھڑوں سے
جگنے والے آزادی کو
آسانی سے کہہ دیتا ہے قتل

ناپاک منصوبوں سے آدمی کا قتل اتنا ہی ضروری ہے
جتنا سوکھے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں میں پھر سے آزادی بھرنے کا احساس
بیڑیاں کاٹتے ہوئے مرد بناتے ہیں...
اور جو جو جانب بچی ہوئی آخری سانس تک
ہمارے خلاف چلتی ہوئی جھوٹی چھوت کا مداوا ن سے لے...
اور ڈرتے رہنے کا بھرم قایم رکھتا ہے...
فتح ہر حالت میں ہماری ہے:

۲

باڑی سے نکل کر سور کبھی کبھی اِدھر بھی آجاتے ہیں۔ جہاں بڑے بڑے مکانات ہیں، دفاتر ہیں گورنمنٹ کوارٹرز ہیں۔ آوارہ گھومتے رہتے ہیں سور۔ بے فکری آواز نکالتے ہوئے۔ کیچڑ تک منہ دیئے پتہ نہیں کیا ڈھونڈتے رہتے ہیں۔۔ سور باڑی کہیں دور نہیں ہے۔ جس جگہ بیلی آفس ہے اور بھی کئی دفاتر ہیں جیسے کچہری، ٹریژری آفس، ڈی۔اسی۔ای، سپرنٹنڈنٹ آف ایجوکیشن، کمشنریٹ... ان سے ذرا ہٹ کر میدانوں کا ایک لمبا سلسلہ ہے اور میدانوں کے دونوں جانب خالی جگہیں کی اسی باڑی کو ڈوموں کی سور باڑی کا نام دے دیا گیا ہے۔ آفس کھلنے کا وقت دس بجے ہے۔ دس بجے تک یہ بلوری باڑی گلزار رہتی ہے۔ گندے کپڑوں میں سینہ کھول کر دودھ پلاتی ہوئی ڈومنیں، لکڑی کی کانتی سے سوپ ٹوکریاں بنتی ہوئی... بیڑی سلگاتا ہوا ڈوم، اپنی گھروالی اور بچوں کے ساتھ بیٹھا ہوا... بھیس پہنو ڑے۔ ننگ دھڑنگ... میونسپلٹی کل کے پاس بیٹھا، کیچڑ لئے شور مچاتے بچے... جھونپڑیوں کے باہر اور اندر بچھے پلنگ پر لیٹے ہوئے بوڑھے بوڑھیاں، نالیوں کے درمیان پڑی ہوئی لاوارث خالی چارپائیاں، اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے مٹی، تامچینی کے چٹ اکھڑے ہوئے برتن... آپے سے نکلی ہوئی باڑی سے شور مچاتے ہوئے سور... کوئی کوئی بچہ بڑے آرام سے سور کی پیٹھ پر گھومتا ہوا نظر آتا۔ ادھ کھلی ہوئی گھمٹ ساڑھیاں سنبھالے اِدھر سے اُدھر جاتی ہوئی ڈوم عورتیں بھی نظر آتیں جن کے بارے میں وہ خود بتاتا؛

کرتا تھا۔ ٹیوب لائٹ کی مدھم روشنیوں میں جسم کا کاروبار ہوا کرتی تھی ہے۔ میرے عزیز دوست سے دیکھنے پر کہا تھا: وہیں نے سب چالاک ہے یار آخر کو لڑکیاں ہی ٹھہریں... بھرے بھرے جسم والی ڈومنی کی اس سور باڑی کی بڑی الگ کہانی ہے۔ اُڑتی اُڑتی خبروں سے اتنا ضرور اندازہ ہوا تھا کہ یہ ساری بڑا ہرتی گورنمنٹ کی ہے جس پر نا جائز قبضہ کر کے یہ کب سے آکر بس گئے۔ اس کی معلومات نہیں ہے۔ سرکار آئے دن یہاں سے جگی جھونپڑیاں ہٹانے کی بات کرتی رہتی ہے۔ مگر شاید ایسا موقع آیا ہی نہیں۔ اور آیا بھی ہو تو ڈوم سور باڑی چھوڑ کر نہیں بھاگے۔ اب تو سڑک کے دونوں طرف کتنی ہی جگی جھونپڑیاں آباد تھیں۔ اور بیچ کی سڑک جس سے کار زبان دکھنے، جھم جھم و طیرہ گزرا کرتے ان کے لئے آنگن کی طرح تھے کتنی ہی عورتیں کنارے کنارے بیٹھی ہوتیں، باتیں کرتی ہوئی بچوں کو گود میں لئے ہوئے۔ جوئیں نکلواتی ہوئی، جوڑے بناتی ہوئی وغیرہ ہلاتی ہوئی۔ ادھر پھر یہ ہنگامہ شروع تھا۔ سور باڑی ٹوٹ جائے گی... اس بے ڈھب طرح بسی ہوئی باڑی کو دیکھنے کے بعد احساس ہوتا تھا۔ گورنمنٹ کو شروع میں ہی چاہیے تھا، اس طرف کوئی قدم اٹھائے۔ گھر بن جائے تو توڑنے اور چھوڑ کر جانے میں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کہ گھر کے تحفظ کی ذمہ داری بھی تو ہم پر ہی عائد ہوتی ہے۔

"تم ٹھہرے شاعر آدمی" میری اس بات پر وہ خود بگڑ کے بولا تھا "دیکھتا نہیں، آتے جاتے کیسی گندگیاں اُڑاتے رہتے ہیں سالے، جینا حرام کر دیا ہے۔ آتے جاتے ناک بند کر کے گزرنا پڑتا ہے۔"

"اور اسی لئے تم سور باڑی توڑ دیئے جانے کے حق میں ہو" حق سی بات پر میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ خود خاموش ہو گیا تھا، اس لئے کہ سور باڑی توڑے جانے کا کوئی دوسرا جواز اس کے پاس نہیں تھا۔ ذرا ٹھہر کر وہ خود ہی بولا:

"تیرے چھوڑو بھی، تم نے آج کا اخبار پڑھا؟"

"نہیں، کوئی خاص بات؟"

"ساؤتھ افریقہ میں سیاہ فام جشیوں پر گورنمنٹ کا ظلم پھر شروع ہو گیا ہے۔ کل ٹی وی پر تم نے کیا کہ کتنا ظلم ہے دیکھا یا نہیں؟" اس کے لہجے میں افسردگی آگئی تھی۔

سکتے ہیں یہ احساسات۔ اس طرح کی سوچ لبے تربیتی کے سوالات : تنویر نے اتنا کہہ کر چپ کر دیا تھا مجھے۔ مگر آج تم سمجھے ہم اس بیمار احساس سے کہیں دکھیں سے ضرور گزشتہ کی اندرونی طرف ہاربان ہی ہے۔

اور اسی روز آفس جاتے ہوئے دیکھا کہ باڑی میں بھیڑ اکٹھا ہے۔ کچھ شور ہنگامے بھی ہیں۔ ساڑھے دس بج گئے تھے۔ آج آفس جانے میں بجے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ڈی۔ ایم صاحب کی گاڑی سے ایک ڈوم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ڈوم کو اسپتال لے جایا گیا ہے۔ مگر ڈی۔ ایم صاحب کافی غصہ میں تھے۔ کچھ لوگ آفس میں بات چیت کر رہے تھے جس سے اندازہ ہوا کہ غلطی ڈوموں کی ہی تھی۔ آنکھیں موندے ادھر ادھر گھو متے رہیں گے تو ایسا ہی ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ دھکا لگا بھی تو ڈی۔ ایم صاحب کی گاڑی سے۔

آفس: دن آفس میں ہر جگہ اسی بات کا چرچا تھا۔ تنویر لپک لپک کر کہہ رہا تھا "اب موقع مل گیا ہے کہ یہ پوری سور باڑی توڑ دی جائے گی۔ ڈی۔ ایم صاحب کو بھی کہنے کا اچھا موقع مل گیا ہے۔ آخر کب تک برداشت کریں ساہوں نے؟"

کانوں میں انگلیاں ڈالے سب کچھ سنتا پڑ رہا تھا۔ تنویر نے ہی کبھی کہا تھا کہ ان جات کے لوگوں میں احساس نہیں ہوتا، بیشتر کرتی ہیں ان کی عورتیں۔ کارل مارکس اور اینگلز کے فلسفے کے آنے کے بعد چھوٹے موٹے انقلابات جنم لیتے رہے ہیں کہ اب اس بات پہ دل نہیں مانتا کہ پیشے کے نام پر کوئی ذات ایسی بھی ہو سکتی ہے جو احساس دیکھے۔ یہاں سور باڑی کا کے اپنے میں تمن ڈوموں کو دیکھنے کے بعد ایسا فخر ہوتا تھا۔ مگر آج یہ دلی ہٹ رہی تھی جب دوپہر کے وقت ایک عجیب نظارہ دیکھنے میں آیا۔ ماؤں ماؤں کرتے ہوئے ہزاروں ڈوم دومنیوں کی قطاریں۔ بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں ہاتھ میں بیلچے لئے، کنستر اور کوڑا اٹھانے والی گاڑیوں کے ساتھ ڈی۔ ایم کے خلاف مظاہرہ کر رہی تھیں۔

شام کو گھر لوٹتے ہوئے میں نے تنویر کو بتایا کہ آج ڈوموں نے کیا کارروائی کی؟ تنویر آج کچھ غصے میں تھی۔ جلے ہوئے انداز میں بولی "تو تمہیں پھر ایک کہانی مل گئی ملک... جیسی تم چاہتے ہو۔ بنگلہ کا صرف شوق ہے تمہیں۔ کچھ کر تو سکتے نہیں۔"

یہ چیز بات تھی کہ تم نہیں کر رہی ہو" تو غلط کو غلط کہنے کا احساس ایکدم کیا اور اس
احساس کا احساس ہو گیا بھی اوقات "ابھی پہچان نہیں ہے!"
جب پہچان ہر ایک لمحہ کو ملے گی، یہی تنہا و تسلی ہو جائے گی تمہاری۔ تمہاری لڑائی
بس ان کھوکھلے لفظوں تک ہے۔ اس سے آگے نہیں۔ ورنہ تمہارے کم بھی ایک موڑ پر سنبھلنے
ایک ہو گئے ہوتے... لفظوں سے الگ... اپنی طرف سے۔ جو تم سے نہیں ہو سکتا۔ میں جانتی ہوں
کہ تم سے کچھ نہیں ہو سکتا:

کچھ دیر کے لئے احساس ہوتا تھا کہ غلط کو غلط کہہ کر پہچان کرا دینے کا احساس بھی ابھرا ہے
شاید لفظوں سے جو بچتے ہوئے جب جیت ہار کے فیصلے کے بغیر کہانی ختم ہو جاتی ہے تو ہوتا
پہنچتا ہے شاید اپنی طرف سے ہونے والی کارروائی اس طرح کے [illegible] میں لفظوں سے
کبھی آگے نہیں بڑھی۔ تو پھر کھوکھلا اور نیٹ (نامرد) ہوا تا"

اور تم کہہ رہی تھی "اپنی فرمائشوں کو نظر انداز کر کے جب [illegible] سوچتے ہو تو مجرا [illegible] ہے۔
اس لئے کہ تمہاری بھی ایک باڑی ہے اور اس میں بچے ہیں، بیوی ہے۔ اکثر محسوس کرتی ہوں
کہ دوسروں کے جذبوں اور احساس سے لفظوں کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے تم بھول جاتے
ہو کہ تمہارے اندر بھی ایک باڑی کی ذمہ داری ہے اور اسے نظر انداز کرتے ہوئے ایک جھوٹی لڑائی
لڑتے رہتے ہو تمہارے اندر بے نام ہتھیاروں کی، کھوکھلے لفظوں کی۔

۴

دوسرے دن یہ خبر پھیل چکی تھی کہ سور باڑی خالی کرنے کا سرکاری حکم ہو چکا ہے۔ تمام
جگی جھونپڑیاں توڑ دی جائیں گی۔ تین دنوں کا وقت ملا ہے اپنی اپنی جگی جھونپڑیاں ہٹانے
کے لئے۔ آفس جاتے ہوئے دیکھا کہ ڈوموں کے بیچ اس خبر سے عجیب سی دہشت پھیل گئی
ہے۔ ایک طرف باڑی کے شور والا پردہ ہے تو دوسری طرف ڈومنیں آپس میں گالی گلوج
کرتی ہوئی بکتی ہیں کہ ڈوم آنکھی ہوئی کشتی اور میلے کچیلے کپڑوں میں ایک دوسرے
سے بات چیت کر رہے تھے۔ ایک آدمی نے اشارہ کیا، وہی بھیکو ہے جو ڈی ایم کی گاڑی

وہ کام کیوں ہوا جو آپ سے میں پوچھ رہا تھا۔ اس دوران سرکاری اعلان بھی گونج گیا تھا
کہ یہ جتنی بھی دکانیں اور فٹ پاتھ توڑ دیئے جائیں گے۔ اب صرف ایک دن کا وقت رہ گیا ہے
گھروں کی جو سیڑھیاں ناجائز طور پر گلیوں پر نکلتی ہیں وہ بھی توڑ دی جائیں گی۔ اس سرکاری
اعلان کا یہ اثر تھا کہ نالیوں پر بنی ہوئی تختیاں اور فٹ پاتھ کی دکانیں ٹوٹنے لگیں۔ بازار میں عجیب
سی ہماہمی تھی۔ لوگ اپنے ہاتھوں اوزاروں کے ساتھ نالیوں پہ نکلی ہوئی سیڑھیاں اور دکانیں توڑ
رہے تھے۔ سرکاری اعلان اب بھی جیپوں اور رکشے سے برابر گونج رہا تھا۔ کہیں اس پردے تک
شاید میں ایسا سوچ رہا تھا یہ صحیح نہیں تھا مگر شام ہوتے ہی یہ خبر سامنے آ گئی تھی کہ کل سور باڑی
توڑ دی جائے گی، پولیس کے رولر چلیں گے وہاں۔ سور باڑی کے ڈوموں نے جھنڈے سے لگا
کر لیا ہے اور ڈوموں کو سور باڑی چھوڑنے کی وربل نوٹس بھی مل چکا ہے۔

شام ہوتے ہی سور باڑی میں ایک ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ معلوم ہوا کہ پولیس کے کتنے
سپاہی آ کر وارننگ دے کر جا چکے ہیں کہ کل تک پوری باڑی خالی ہو جانی چاہیے۔ ڈومنیں،
قصاب کے ٹولے میں ذبح ہونے والے جانوروں کی طرح چلا رہی تھیں۔ کچھ لوگ کھڑے تھے سور باڑ
کے شوہر بھی اس ہنگامے میں شامل تھے۔ اور ان سے الگ دیکھا ــــ ایک طرف دو جھونپڑیوں
کے بیچ نالے کے اوپر رکھی چارپائی پر بیٹھا ہوا بھیکو بیڑی پھونک رہا ہے۔ سب سے الگ تھلگ
آج ہاتھ پیروں کی بیٹیاں اتر گئی تھیں مگر بھیکو شانت نہیں تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ سرکار کی
اس زبردستی کی کارروائی پر ایک کارروائی اس کے اندر بھی چل رہی ہے۔

گھر لوٹتے ہوئے ایک عجیب سا احساس مجھ پر حاوی تھا۔ کچھ دیر کے لئے اپنے بارے میں سوچ
کر محسوس ہوا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ سب کیوں کر رہا ہوں؟ یہاں کیوں آتا ہوں۔ یہ خیال بھی پہلے
کی طرح اعتماد ہوا کہ ڈوم قبیلے کے لوگ بھی تہذیب یافتہ ہو جائیں۔ شاید نہیں۔ میں ایسا نہیں
سوچ رہا تھا۔ اس لئے کہ مجھے یقین تھا کہ کسی لحاظ سے بھی ہم اپنے پیشے کو غلط کہنے کی بھول نہیں
کر سکتے۔ اور انسانی برابری کے توازن کے لئے یہ ضروری ہے کہ پیشے کو ویسا ہی رہنے دیا جائے
اور ان پیشوں سے جڑے کچھ لوگ جب چاہیں اس پیشے سے باہر جا سکتے ہیں۔ ان پر رہنے، جنہیں
رہنے میں کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔ مگر کسی پیشے کو قید مان کر یا نظروں سے گرا کر اس پر کی

جانے والی کارروائی غلط ہے۔ اور یہ اسی کا ردعمل تھا جس نے میرے قدموں کو بار بار اس بازی
میں کھینچا تھا۔ شاید یہ بھاؤ تاؤ اس خیال سے بھی کہیں جڑی تھی جو رنگوں اور نسلوں کا فرق کھو کر کے
ایک ہو کر بن جاتے ہیں دو قوموں کے بیچ ایک ہی طرح کے جسم والے دو آدمیوں کے بیچ۔ اس
دن دو نو نے خبر سنائی کہ ساؤتھ افریقہ کے انقلابی شاعر بنجامن کو پھانسی پڑ گئی۔ کامن ویلتھ
ممالک کی بات بھی نہیں مانی افریقین گورنمنٹ نے۔ وہی کیا جس کی اس نے ضرورت سمجھی
کی۔ سپاہی کو مارنے کا جھوٹا الزام لگا کر پھانسی دے دی۔ لبرٹین کے نام پر ہر شخص فاشسٹ کہلاتا ہے
اور کیا ملتا ہے فاشسٹ کہنے والوں کو۔ کہیں غدار کہیں وفادار۔ ایک ہی ملک میں مقبول بھٹ
کی طرح کہیں غدار اور کہیں شہید۔ دراصل مرتبہ پر جانے کی تیاری کے باوجود آزادی کا مفہوم
سمجھنے میں کہیں نہ کہیں غلطی ضرور ہوتی ہے۔ کچھ دیر کے لئے لگا تھا کہ ہم کہیں نہ کہیں سے جھوٹ
کے احساس سے ضرور جکڑے ہیں۔ شاید سارے کے سارے ہی۔ سارے کے سارے ملک بھی۔ یہ
احساس پتہ نہیں کب کیسے زور پکڑ گیا۔ بنجامن کی غلطی کیا تھی؟ بھیکو کی غلطی کیا تھی؟ وہی
بیمار سا احساس، بنجامن کا شاعر باہر آگیا تھا۔ بھیکو جاہل تھا اس کی گونگی انقلابی شاعری کو
اس حادثہ کے اندر کا اندر چنگاری بن رہی ہوگی۔ کسی نہ کسی سطح پر ہم برتری کے جھوٹے
احساس سے چپکے ہوئے ضرور ہیں اور یہ احساس خوفناک جانور کی طرح دوسرے تمام چھوٹوں
کے کمزور وجود کو نگل جاتا ہے۔ اس سطح پر کسی ایک جنگ ضرور ہونی چاہئے۔ اس سطح پر
ایسی ایک جنگ کی ضرورت بھی ہے۔ بنجامن بھی ہار گیا تھا مگر شاید نہیں۔ اس نے اندھیرے میں
اپنے ہی جیسے ہزاروں لاکھوں سیاہ فام حبشیوں کی جلتی آنکھوں میں ڈال دیا ہے۔ مستقبل میں
پیدا ہونے والے بھیانک خوابوں کے جراثیم اور عزائم کے خاتمے کے لئے، انجانے میں ہی،
انقلاب کے نام پر ایک مشعل۔

کیا بھیکو لوٹ پائے گا۔

میں سوچتا ہوں۔ بھیکو کو فوراً اپنی طرف سے کوئی نہ کوئی کارروائی کرنی ہی چاہئے۔

غزلیں
نظمیں

اختر نظمی

یہاں سے دیکھئے اک گھر دکھائی دیتا ہے
وہاں جو چاند ہے اکثر دکھائی دیتا ہے

مروتاً بھی اگر کوئی مجھ سے ہنس کے ملے
مجھے خلوص کا پیکر دکھائی دیتا ہے

کسی نے مجھ سے کہا تھا کہ شہر چھوڑ گیا
وہ آدمی تو برابر دکھائی دیتا ہے

وہاں سے دیکھئے ہم لوگ جس مقام پہ تھے
یہ رہگزار سمندر دکھائی دیتا ہے

جو خواب ہے مری آنکھوں میں، دیکھ لیجئے دو
کبھی کبھی تو یہ منظر دکھائی دیتا ہے

تم اس کے پاس تو جاؤ ملو جلو اس سے
وہ شخص دور سے بہتر دکھائی دیتا ہے

مجھے کسی پہ بھروسہ نہیں رہا نظمی
جو آئینہ ہے، سکندر دکھائی دیتا ہے

(سیکٹ ساہیوال ۲۳ - اگست [illegible])

اختر ہوشیارپوری

ابھی اور تھا آشنا اور ہے
مجھ کو جس کا ہے اب سامنا اور ہے

اپنی سانسوں میں آواز کس کی ہے یہ
کوئی شاید یہاں دوسرا اور ہے

وہ بجھا اور تھی روشنی اور تھی
یہ جو ہے طاق پر اک دیا اور ہے

وہ کوئی اور تھا جس نے کھولا تھا در
میرے اندر جو شخص آچھپا اور ہے

جس کو سر کر چکا ہوں وہ لمحہ تھا اور
اب جو درپیش ہے مرحلہ اور ہے

کیا سرِ آئینہ کیا پسِ آئینہ
درمیاں میں کے کوئی کھڑا اور ہے

کیا زمینوں کی اختر بنے آسماں
اب دعا اور ہر چند تھا اور ہے

و [illegible]

امجد اسلام امجد

اپنے گھر کی کھڑکی سے میں آسمان کو دیکھوں گا
جس پر تیرا نام لکھا ہے اُس تارے کو ڈھونڈوں گا

تم بھی ہر شب دیا جلا کر پلکوں کی دہلیز پہ رکھنا
میں بھی روز اک خواب تمہارے شہر کی جانب بھیجوں گا

ہجر کے دریا میں تم پڑھنا لہروں کی تحریریں بھی
پانی کی ہر سطر پہ میں کچھ دل کی باتیں لکھوں گا

جس تنہا سے پیڑ کے نیچے ہم بارش میں بھیگے تھے
تم بھی اُس کو چھو کے گزرنا میں بھی اُس سے لپٹوں گا

خواب مسافر لمحوں کے ہیں ساتھ کہاں تک جائیں گے
تم نے بالکل ٹھیک کہا ہے میں بھی اب کچھ سوچوں گا

بادل بن کے گھوموں گا میں تیرے دل کے آنگن سے
قوسِ قزح کے سب رنگوں میں تجھ کو بھیگا دیکھوں گا

رات گئے جب چاند ستارے لکن میٹی کھیلیں گے
آدھی نیند کا سپنا بن کر میں بھی تم کو چھو لوں گا

صفحہ صفحہ ایک کتاب حسن سی کھلتی جائے گی
اور اُسی کی لو میں پھر میں تم کو ازبر کر لوں گا

بے موسم بارش کی صورت، دیر تلک اور دُور تلک
تیرے دیارِ حسن پہ میں بھی کن من، کن من برسوں گا

شرم سے دوہرا ہو جائے گا کان پڑا وہ بُندا بھی
بادِ صبا کے لہجے میں اک بات میں ایسی پوچھوں گا

وقت کے اک کنکر نے جس کو عکسوں میں تقسیم کیا
آبِ رواں میں کیسے اب وہ چہرا جوڑوں گا!

○

(ادبیات، اسلام آباد جولائی ستمبر)

امید فاضلی

○

آسمانوں سے فرشتے جو اتارے جائیں
سچ کا اظہار کریں وہ بھی تو مارے جائیں

جو بھی رُت آتی ہے ہم سے ہی لہو مانگتی ہے
ہم کہاں تک تری دنیا کو سنوارے جائیں

دل کشادہ نہیں رکھتے ہیں بڑے شہر کے لوگ
ان کے دُکھ بھی مجھے سینے میں اُلجھے جائیں

میرا ذِمّہ نہ اگر جل اُٹھیں راہوں میں چراغ
شرط یہ ہے کہ اُسے آپ پکارے جائیں

جس طرف دیکھیے سیلاب بہ کف ہے دُنیا
کشتیاں لے کے کدھر تیرے کنارے جائیں

یادِ جاناں میں بڑا نشہ ہے لیکن کب تک
ایک ہی نقشہ رگ و پے میں اُتارے جائیں

آنکھ اب خواب میں ڈھلنے کی سکت کھو بیٹھی
وہ جہاں ہے وہیں سارے نظارے جائیں

اس کو ہم قیدِ جنوں سمجھیں کہ آزادیِ فکر
ہم جہاں جا نہ سکیں خواب ہمارے جائیں

سچ کے مقتل سے گزرنا نہیں منظور تو لوگ
زندگی موت کے مانند گزارے جائیں

جانے کس حال کو پہنچا دیں اسے اہلِ ہوس
زلفِ گیتی کو اگر ہم نہ سنوارے جائیں

عشق پھر عشق ہے یہ رائیگاں جاتا ہی نہیں
جیتنا ہے اسے اُمید تو ہارے جائیں

○

(نقوش [illegible])

جاوید اختر

یہ تسلّی ہے کہ ہیں ناشاد سب
میں اکیلا ہی نہیں برباد سب

سب کی خاطر ہیں یہاں سب اجنبی
اور کہنے کو ہیں گھر آباد سب

بھول کے سب رنجشیں سب ایک ہیں
میں بتاؤں سب کو ہوگا یاد سب

سب کو دعوائے وفا سب کو یقیں
اس اداکاری میں ہیں اُستاد سب

شہر کے حاکم کا یہ فرمان ہے
قید میں کہلائیں گے آزاد سب

چار لفظوں میں کہو جو بھی کہو
اُس کو کب فرصت سُنے فریاد سب

جگن ناتھ آزاد

کیا گِلا غیروں کا، خود ہی سانحے لے کر چلے
پتھروں کے شہر میں ہم آئنے لے کر چلے
زندگی بھر کی وفاؤں کا صلہ لے کر چلے
دردِ پنہاں اک سزا تھی یا جزا لے کر چلے
کیا بتائیں ہم تری محفل سے کیا لے کر چلے
چند یادوں کی متاعِ بے بہا لے کر چلے
ہم میں اور اُن میں ازل کے روز جو حائل رہا
ہم وہی روزِ ابد تک فاصلہ لے کر چلے
باوجود کس مپرسی دل کہیں تنہا نہ تھا
ہر جگہ یادوں کا ہم اک قافلہ لے کر چلے
جو دیاں پھیلا کے جو آئے ہیں دیکھو ان کی طرف
ہم تو پہلے ہی سے دستِ نارسا لے کر چلے
ان دنوں کچھ جادہ و منزل کا عالم اور ہے
جس کو چلنا ہو فقیروں کی دُعا لے کر چلے
جس جگہ دُنیا تھی اور دُنیا کا دامانِ طلب
ہم وہاں بس اک دلِ بے مدعا لے کر چلے

سید عارف

سوچتے ہو وہ آنکھ ملانے والا روشن تارا تھا
جس کو ہم نے جان سے مارا شخص دکھی اکیلا تھا
اس کی سانس میں سات سمندر خشکی ناخشکی دوڑتے تھے
جس کی آنکھوں کے جنگل میں صدیوں کا اندھیارا تھا
ہریالی بھری بیلوں کے گھنے پھولوں کا سنگھار لئے
موسم اس کے ساتھ چلا تھا کس نے اسے پکارا تھا
اس کے بھی چھنا چہرے آنسو موتی بہکے تھے
ہیرے بھی آنکھوں سے ابر آپ کا ساگر سارا تھا
جگنو والا آنچل لے کر گیا جو تاروں کی نگری
اس کے تن کی جوت میں راہی سورج کا اجیالا تھا
([illegible])

کیا جانے رات کیسی کہانی سنا گئی
پلکوں کے ساتھ ساتھ ہمیں نیند آ گئی
نکلے تھے دھوپ بانٹ کے اندھی گلی سے ہم
گھر کا چراغ رات کی آندھی بجھا گئی
ہم کو بھی اپنے آپ سے انکار تھا بہت
سورج کی آنکھ پھول پہ شبنم گرا گئی
اتنا تو یاد ہے کہ جزیرہ بھی پاس تھا
ابھرے تو موج موج سمندر دکھا گئی
یوں بھی تو جھوٹ موٹ کے کردار ہم ہی تھے
لیکن زمیں کی پیاس کہانی بنا گئی
راتوں سے زخم کھا کے پلٹنے کی دیر تھی
جگنو سی آنکھ راہ میں چاندی بچھا گئی
اندر سے ٹوٹ ٹوٹ کے برباد ہو گئے
عارف یہ زندگی ہے کہ رشتے نبھا گئی
(شب خون [illegible])

ضیا فتح آبادی

وہ زرد پتہ جو شاخِ شجر پہ تنہا ہے
اسی کے قدموں پہ سر آندھیوں کا جھکتا ہے

یہ آب و خاک کا پیکر عجب تماشا ہے
حصارِ جسم سے باہر نکل کے دیکھا ہے

تمام منظرِ عالم نگاہ کا ہے فریب
زمیں بھی وہم ہے اور آسماں بھی دھوکا ہے

اسی کو میں لیے بیٹھا ہوں بند مٹھی میں
ہوا کا جھونکا جو گھر میں مرے در آیا ہے

کوئی مسیح نہ منصور ہے زمانے میں
صلیب و دار کا لیکن ہنوز چرچا ہے

میں اپنی لاش لیے دربدر پھرا تو مگر
کسی نے پوچھا نہ: تیرا بھی کیا ارادہ ہے

کہاں اندھیرے میں کھو جاتا ہے نہ جانے ضیاؔ
جو سایہ دھوپ میں ہر لحظہ ساتھ رہتا ہے

روبی نئی دہلی دسمبر ۱۹۸۶ء

[illegible] جنوری ۱۹۸۸ء

نظر اقبال

جو دآیا مرے بُلانے سے
آئے گا اب کسی بہانے سے

اِک نئی شے وجود میں آئی
خاک اور خواب کو مِلانے سے

دُھن اُسی کی ہے رات دن مجھ کو
ہے جو باہر مِرے نشانے سے

اب کہاں جائیے کہ شوقِ وصال
اور ظاہر ہوا چُھپانے سے

کاش میں بھی کبھی نکل سکتا
خواہشوں کے حصار خانے سے

آگ باہر کہیں لگی ہے، مگر
دھواں اُٹھا ہے آشیانے سے

حرف نے کر دیا مجھے قائم
جُڑ بکھرتا ہوں تھرتھرانے سے

جسم کی روشنی بحال ہوئی
رُوح کی بتیاں بُجھانے سے

شک نظر شام کی طرح اُترا
آسمانوں کے شامیانے سے

عارف عبد المتین

ہر ایک قطرۂ خوں آفتاب ہم نے کیا
یہ رنگ و نور کا سارا حساب ہم نے کیا

ہمیں تھی خواب کے آشوب سے شناسائی
حقیقتوں کو حریفانِ خواب ہم نے کیا

ہم ایک بحر تھے اور ظرف کے حوالے سے
کبھی کو موج، کبھی کو حباب ہم نے کیا

اِس آرزو میں کہ سب پر ہو رحمتوں کا نزول
خود اپنے آپ کو وقفِ عذاب ہم نے کیا

ہمیں نے شام و سحر اس کو حرف حرف پڑھا
یہ کائنات کا چہرہ کتاب ہم نے کیا

جہاں کے بارِ امانت کی تاب تھی کس میں
ترے سوال کا خود کو جواب ہم نے کیا

لہو ہمارا چمن میں نہ رائیگاں ٹھہرا
ہر ایک خار کو مانندِ گلاب ہم نے کیا

علی سردار جعفری

آئے ہم غالبؔ و اقبالؔ کے نغمات کے بعد
مصحفِ عشق و جنوں حسن کی آیات کے بعد

اے وطن خاکِ وطن وہ بھی تجھے دیدیں گے
بچ گیا ہے جو لہو اب کے فسادات کے بعد

نارِ نمرود یہی اور یہی گلزارِ خلیل
کوئی آتش نہیں آتش کدۂ ذات کے بعد

رام و گوتم کی زمیں حرمتِ انساں کی امیں
بانجھ ہو جائے گی کیا خون کی برسات کے بعد

ہم کو معلوم ہے وعدوں کی حقیقت کیا ہے
بارشِ سنگِ ستم جامِ مدارات کے بعد

شیخ جی دیتے ہیں اب دخترِ تقویٰ کو طلاق
رات انگور کی بیٹی سے ملاقات کے بعد

تشنگی ہے کہ بجھائے نہیں بجھتی سردارؔ
بڑھ گئی کوثر و تسنیم کی سوغات کے بعد

علیم اختر مظفرنگری

☆

نامۂ شوق کا پیغام مجھے لوٹا دو
میرا جامِ مئے گل فام مجھے لوٹا دو
میں نے اک نامۂ پُرشوق جو لکھا تھا کبھی
بلکہ اُس خط پہ مرا نام مجھے لوٹا دو
صبح تو عالمِ آغازِ شکستِ شب ہے
میری تنہائی ہوتی شام مجھے لوٹا دو
میں تو منزل پہ اکیلا ہی پہنچ جاؤں گا
میری رفتارِ شکستہ گام مجھے لوٹا دو
کرم و لطف کے بُت تم سے تراشے نہ گئے
ستم و جور کے اصنام مجھے لوٹا دو
میں تو عادی ہوں خود اپنا ہی لہو پینے کا
لاؤ خالی ہی سہی جام مجھے لوٹا دو
چاندنی رات کی ناگن سے نہ ڈسواؤ مجھے
میری قسمت کی سیہ شام مجھے لوٹا دو
مجھ سے اک کیفیتِ چشمِ فسوں گیں لو
نشۂ بادۂ گل فام مجھے لوٹا دو
دوستو آپ کے کچھ کام نہیں آئے گی
لاؤ یہ شورشِ آلام مجھے لوٹا دو
پھر خدا اپنے شب و روز کا عالم رکھو
مجھ کو میرے سحر و شام مجھے لوٹا دو
میں نے اس [illegible]
میرا [illegible] انعام مجھے لوٹا دو

عمران عظیم

چمکتی صبح کے ہر گنبدِ بے در میں ڈر رکھنا
نہیں جاتا کہاں ہے راستہ کیا ہے خبر رکھنا

قصیدے تو صداقت کے پڑھا کرتے ہیں سب لیکن
بہت مشکل ہے سرمد کی طرح نیزوں پہ سر رکھنا

مری ماں کی دعائیں کیوں بچھڑتے وقت کہتی ہیں
مرے بیٹے کہیں جانا مگر یاد اپنا گھر رکھنا

ابھی تو بالیاں کچی ہیں موسم کے بدلنے تک
سنو آوارہ جھونکو کھیت میں یوں ہی سفر رکھنا

یہ دنیا ہے یہاں ہر سانس پر محتاط رہنا ہے
جہاں رہنا وہاں بستی کو اپنی معتبر رکھنا

تجھے لفظوں سے نسبت ہے معانی سے تعلق ہے
تو پھر لہجے میں بھی دل جیت لینے کا ہنر رکھنا

عظیم آنکھیں کھلی رکھنا بہت پُرپیچ رستے ہیں
زمیں پر پاؤں رکھنا آسماں کی بھی خبر رکھنا

(دعا ادب راولپنڈی، مئی جون ۸۶ء)

عناصر کی غزلیں

غلام حسین ساجد

حکومت کاروانِ دہر پر مٹی ہی کرتی ہے
کہ اِس مٹی کے شانے پر سفر مٹی ہی کرتی ہے
مسخر کرلیا ہے چاند تاروں کو بھی اِنساں نے
مگر اِس کے دلِ وحشی کو سر مٹی ہی کرتی ہے
یہی اِک بھید پایا ہے تغیر سے زمانے کے
کسی نامعتبر کو معتبر مٹی ہی کرتی ہے
تو کیوں اُس نے ہر اِک شے پر اثر کا سحر پھونکا ہے
اگر ان خاک زادوں پر اثر مٹی ہی کرتی ہے
ہزاروں رنگ ہیں اِس عالمِ اَسرار کے، لیکن
یہاں مٹی کے سائے میں بسر مٹی ہی کرتی ہے
اگرچہ خواب میں ہر روز اِک دریا سے ملتا ہوں
مگر میرے خیالوں میں گزر مٹی ہی کرتی ہے
الگ ہے ساری دُنیا سے سرشت اِس خاک کی ساجد
کہ اپنے آپ کو اپنی سپر مٹی ہی کرتی ہے

ادبیات، اسلام آباد جولائی ستمبر [illegible]

مَیں سمجھتا ہوں کہ مجھ میں کچھ کمی مٹی سے ہے
لوگ کہتے ہیں زمیں پر زندگی مٹی سے ہے
صرف اِس قریے پہ میرے بخت کا سایہ نہیں
چھاؤں سی کچھ آسماں پر بھی مری مٹی سے ہے
مَیں ہوں مٹی کی حمایت کے لئے تیار بھی
اور اِس مٹی پہ میری جنگ بھی مٹی سے ہے
جل رہا ہے ایک چہرے کی تمازت سے یہ دل
اِس شکستہ آئنے میں روشنی مٹی سے ہے
اُس جہاں میں خلق کی جاتی ہیں کیسے نعمتیں
اِس جہاں میں تو عجب آسودگی مٹی سے ہے
غیب میں بھی خاک ہی سے دلکشی موجود ہے
اور یہ دُنیا بھی اچھی یا بُری مٹی سے ہے
بجھ نہ پائے گی سمندر سے بھی ساجد میری پیاس
میری شریانوں میں آشفتگی مٹی سے ہے

★
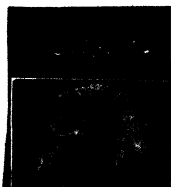
لوگ حالات سے مجبور بھی ہوتے ہوں گے
پاس آنے کے لیے دور بھی ہوتے ہوں گے

جن کی قسمت میں اندھیروں کے سوا کچھ بھی نہیں
اُن کے خوابوں میں کئی طور بھی ہوتے ہوں گے

طنز کے سنگ کبھی تہمت و الزام کے سنگ
آئینے روز یہاں چور بھی ہوتے ہوں گے

جو گزرنا ہے سفینوں پہ گزر جائے گی
ورنہ دریا تو بدستور بھی ہوتے ہوں گے

زخم پر زخم، شکستوں پہ شکستیں کھا کر
آدمی ہیں کبھی مغرور بھی ہوتے ہوں گے

لب پہ سامانِ تبسم کی نمائش تاباںؔ
اور دل میں کئی ناسور بھی ہوتے ہوں گے

[illegible]

ہنر کے اور کہاں امکاں، ہنر نہاں رکھ آؤں
میں اپنے لفظ کو کوزہ گری میں رکھ آؤں
پڑا ہے سنگ پہ آئینوں سے واسطہ اپنا
یہ آئینہ بھی سکندر کے گھر میں رکھ آؤں
ملی شفق کو بصیرت، اسی حوالے سے
یہ شام، کاسۂ اہلِ سحر میں رکھ آؤں
جبیں سے لپٹی ہوئی دھند منظروں کی ہے
کچھ اور گردِ تماشا، نظر میں رکھ آؤں
یہ دیکھنا ہے وہ سنجیدہ طبع ہے کتنا
خلل دماغوں کا سب اس کے سر میں رکھ آؤں
لے بدن کی روایت کو اک نظام نیا
چھپا کے خود کو قبا سے ہنر میں رکھ آؤں
خود اس کے سایوں نے یخ بستہ کر دیا ہے
یہ دھوپ دھوپ سا موسم، شجر میں رکھ آؤں
عجب ہے گردشِ حالات، اب یہ سوچا ہے
کوئی پہاڑ تری رہگذر میں رکھ آؤں
وبالِ دوشِ سحاب، دشتِ تشنگیِ جاں
وجود کو بھی عدم کے سفر میں رکھ آؤں
سنائی دے گی فضا کو بھی خواب کی دستک
میں نیند باندھ کے زنجیرِ در میں رکھ آؤں
اگر دریچوں میں خلا ہیں، پرانے لفظوں کی
فضا کو خیمۂ حرفِ دگر میں رکھ آؤں

(شاعر، بمبئی۔ مارچ، اپریل ۷۶ء)

فضا ابن فیضی

یہ منظر کاغذ پہ نہیں پتھر پہ لکھ دینا
ہٹا کر مجھ کو تم منظر کے پس منظر پہ لکھ دینا
چمن والے خود اپنے کرب سے واقف نہیں شاید
مرا سوکھے ہوئے موسم کو برگِ تر پہ لکھ دینا
خبر کوئی نہیں ہے جسم ہوں یا کوئی سایا ہوں
ذرا اس کی وضاحت دھوپ کی چادر پہ لکھ دینا
کبھی میں بھی بہت اونچی اڑانیں بھرنے والا تھا
مری پہچان اس ٹوٹے ہوئے شہپر پہ لکھ دینا
اسی کی دید سے محروم، جس کو دیکھنا چاہا
مری آنکھوں کی اس کم مائیگی پیکر پہ لکھ دینا
یہاں میں ہوں کہ تم، سب ہیں طلسمِ صورت و معنی
اسی ماجرے کو وقت کے منظر پہ لکھ دینا
نیازِ عجز کا شیوہ ہے فطرت آموزِ نقش سے
مری خاموشیوں کو بہتے کنکر پہ لکھ دینا
بہت نازک ہیں میرے سوز و ساز تیغ زن لوگو
جراحت خوردگی میری صفِ لشکر پہ لکھ دینا
سرابوں کے سفر سے تو فضا ابتک نہیں لوٹا
جو خط لکھنا تو اتنی بات اس کے گھر پہ لکھ دینا

شب خون
دسمبر ۱۹۷۶ء، جنوری ۱۹۷۷ء

قتیل شفائی

رقص کرنے کا ملا حکم جو دریاؤں میں
ہم نے خوش ہو کے بھنور باندھ لیے پاؤں میں

ان کو بھی ہے کسی بھیگے ہوئے منظر کی تلاش
بوند تک بو نہ سکے جو کبھی صحراؤں میں

اے مرے ہمسفرو تم بھی تھکے ہارے ہو
دھوپ کی تم تو ملاوٹ نہ کرو چھاؤں میں

جو بھی آتا ہے بتاتا ہے نیا کوئی علاج
بٹ نہ جائے ترا بیمار مسیحاؤں میں

حوصلہ کس میں ہے یوسف کی خریداری کا
اب تو مہنگائی کے چرچے ہیں زلیخاؤں میں

جس برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
اس کو دفناؤ مرے ہاتھ کی ریکھاؤں میں

ہم کو آپس میں محبت نہیں کرنے دیتے
اک یہی عیب ہے اس شہر کے داناؤں میں

مجھ سے کرتے ہیں قتیل اس لیے کچھ لوگ حسد
کیوں مرے شعر ہیں مقبول حسیناؤں میں

(گلدستہ دہلی ۸۶ء)

ایم قمرالدین

رہتی ہے مرے سر پہ جو تلوار ہمیشہ
رہتا ہے اسی سے مرا معیار ہمیشہ

اقرار اگر چاہو، سوالات ہوں منفی
مثبت ہوں تو وہ کرتا ہے انکار ہمیشہ

اب اس کو نہیں اور کسی چیز سے نسبت
ہے آپ کا دست آپ کی دستار ہمیشہ

باہر تو وہ گنبد ہے حقیقت کے مطابق
ثابت ہے عدالت میں جو مینار ہمیشہ

ہاں! روز کھُلے رکھتا ہے وہ در و دریچے
اور اُن میں وہ خود چنتا ہے دیوار ہمیشہ

(انکار نئی دہلی اکتوبر ۱۹۸۸)

تاریخ پیدائش ــــ ۸ اگست [illegible]ء

تاریخ وفات ــــ ۲۷ مئی ۱۹۸۶ء

خاندانی نام: سراج الحق
تخلص: قمر مرادآبادی
تاریخ و سنہ پیدائش: ۸ اگست [illegible]ء
مقام: مرادآباد
والد: ضیاء الحق (رام پور اسٹیٹ میں سب انسپکٹر تھے)
دادا: ظہور الحق

ابتدائی تعلیم

تحصیل اسکول مرادآباد میں حاصل کی۔
اعلیٰ تعلیم: جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی۔

شادی اور بچے

کل سات اولادیں: ۳ لڑکے ۴ لڑکیاں
ملازمت: والد کا انتقال [illegible]ء میں ہو گیا اس لیے نوکری میں ہی فکر معاش دامن گیر ہو گئی۔

تلمذ سخن

پہلی غزل: [illegible]ء میں کہی اور حکیم سید اعجاز احمد قیصر نے اصلاح فرمائی۔ اس کے بعد قاضی شباب الدین اثر مرادآبادی کے اصلاح لیتے رہے۔

شعری مجموعے

ساز تمام: [illegible]ء
شعور ہنر: [illegible]
کلیات قمر: [illegible]ء
اشارے قمر: [illegible]ء
گستاخ غزل: [illegible]ء

نثری تصانیف

حیات اعلیٰ: [illegible]ء
[illegible]
آئینہ [illegible]
[illegible]

کعبہ ہے بند اور نہ بتخانہ بند ہے
کیوں میکدے میں گردشِ پیمانہ بند ہے

دیوانگانِ عشق کی نظروں سے پوچھ
زنداں کے گوشے گوشے میں دیوانہ بند ہے

کیوں اس قدر بگڑ گئے ہو اظہارِ عشق پر
کیا لفظِ عشق میں کوئی افسانہ بند ہے

دیوار و در میں بوئے وفا ہے بسی ہوئی
زنداں میں ہو نہ ہو کوئی دیوانہ بند ہے

فصلِ بہار آئی تو ہم رنگ لائیں گے
اب کچھ دنوں کو لغزشِ مستانہ بند ہے

جنت کا در کھلا ہے تو کیا کیجئے قمر
افسوس تو یہ ہے در جاناں بند ہے

[illegible] اگست ۱۹۸۱

نمونۂ تحریر

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

محشر بدایونی

اس شام کی آہنگ میں کیا رنگ نوی کا
گھر ہو کسی کا ہے چراغ اور کسی کا

اک بار شبِ مہ بڑی تھی برسات سے جس کی
وہ سبز شجر ہو کہ چکا مشک کسی کا

سب رشتے ہوا توڑ گئے پھر بھی ہے باقی
بس اک یہی حلقہ مری تنہا سفری کا

نازک دلی فسانہ ہوئی کہیں اور پھر
دیواروں سے ٹکراتا رہا شور گلی کا

حال دادِ محبت یاراں ہوں میں ورنہ
ان مجھ کو بھی آتا ہے تعلق شکنی کا

کچھ نقشِ زرنگاں پہ بھی یہ طفل چلیں گے
یا کھیل ہی کھیلیں گے بزرگانہ روی کا

(ماہنامہ فکر کراچی، جون ۲۰۰)

مسعود قریشی

محسوس تھی شب، شعلہ جگر ہم ہی نہیں تھے
خاشاک سے کیا شکوہ، شرر ہم ہی نہیں تھے

ٹکرائی ہے سو بار نظر اُن کی نظر سے
اُس بزم میں مشتاقِ نظر ہم ہی نہیں تھے

تھے آپ کے بھی نقشِ قدم اپنی گلی میں
آوارہ سرِ رہگذر ہم ہی نہیں تھے

اک عمر ملاقات کی مانگی تھیں دعائیں
پھر آئے وہ ملنے کو تو گھر ہم ہی نہیں تھے

ہر بار رہے منتظرِ بارِ دگر ہم
اور یوں بھی ہوا بارِ دگر ہم ہی نہیں تھے

نہ دار کا اعزاز ملا اور نہ خلعت
اب جا کے کھلا، اہلِ ہنر ہم ہی نہیں تھے

(ماہنامہ فکر کراچی، فروری ۲۰۰۰ء)

منیر نیازی

دیتی نہیں اماں جو زمیں آسماں تو ہے
کہنے کو اپنے دل سے کوئی داستاں تو ہے

یوں تو ہے رنگ زرد مگر ہونٹ لال ہیں
صحرا کی وسعتوں میں کہیں گلستاں تو ہے

اک چیل ایک ممٹی پہ بیٹھی ہے دھوپ میں
گلیاں اُجڑ گئی ہیں مگر پاسباں تو ہے

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

مجھ سے بہت قریب ہے تو پھر بھی اے منیرؔ
پردہ سا کوئی میرے ترے درمیاں تو ہے

(گلدستہ دہلی ۸۸ء)

منوّر رانا

...حلق سے اُترے نوالے کی طرح
...دلتی ہے منہ کے چھالے کی طرح
...یا ہر بنہ پھر رہا ہوں میں کہ جب
...ہے شجر پہ دوشالے کی طرح
...شدت سے منہ کھولے پرندہ گر پڑا
...ر بانٹتے اخبار والے کی طرح
...نا کیا کر اب تو دیکھتا کوئی نہیں
...زا ہوں میں مُردہ رسالے کی طرح
...کی طرح میری انا ہے بس رہی
...یرے دریچے میں مکڑی کے جالے کی طرح
...شہر میں بچہ یہ ہنستا ہوا
...ے چراغوں کے اُجالے کی طرح
...میں بہت سے آتے دسمبر مگر
...ہوں کے تیا کمبل والے کی طرح

(... ستمبر ۱۹۸۸ء)

اعتراف

آج پھر ذہن کے گلیاروں میں ہنگامہ ہے
آج پھر پورش جذبات کے بیتے لادے
نطق کے بندیچوں پر صدا دیتے ہیں
آج پھر صبح کا اخبار لہو میں تر ہے
دل ہر لفظ سے لہو کے دھنواں اٹھتا ہے
آج پھر میری زباں چپ ہے، قلم رکتے ہیں
ایسا لگتا ہے کہ اظہار کی جرأت نہ رہی
تیغ اور صبح ہی شاعر کی زباں ٹھہری ہے
جب بھی کچھ کہنے کو کھلتی ہے زباں
شور و فغاں اٹھتا ہے
کب کسی لفظ سے یہ بار گراں اٹھتا ہے

o

آج پھر ملک کے اک شہر پہ محشر ٹوٹا
کسی معصوم کے سینے میں کسی ظلم کا خنجر اترا

آج پھر آگ لگی
آج پھر خون بہا

بے گنہ خون کے دھبے ہیں مرے دامن پر
انسان دھبوں میں گم ہوتا چلا جاتا ہے شاعر کا وجود
نطق بے بس ہے، زباں چپ ہے، قلم سکتے میں
ہر طرف جلتے ہوئے جسم کی بو، خوف کے بھوت
کوئی قسمت ان، نہ کوئی تابوت

ہر کوئی مہر بلب
اور گلی کوچوں میں ہے موت کی دہشت کا سکوت
کیسے کہتے کہ ابھی ایک قیامت گذری
کیسے کہتے کہ اک انجان علاقے کے کسی کوچے میں
اجنبی شخص کی صورت میں مرا قتل ہوا
کیسے کہتے کہ مرے ہاتھ کی پہچان نہیں
کیسے کہتے کہ مرے نطق میں اب جان نہیں

اجمل اجملی

(روزنامہ انقلاب نئی دہلی ۸۰ء)

مُردہ فرعون کا زندہ تابوت

(برٹش میوزیم میں)

اطہر راز

جسمِ بے جاں ہے کہ تدبیر کا مُردہ خانہ
وقت کی دُھول میں لپٹی ہوئی بوسیدہ کتاب
چاٹ کر چھوڑ گئی وقت کی دیمک جس کو
حیف خاموش نگاہوں میں
—— نمائش کے لیے
ایک فرعون کی خواہش ہے کفن کی زینت
چُپ کی چادر میں ہے لپٹی ہوئی خاموش زباں
جس میں اظہارِ تمنا کی ہے زندہ تحریر
دائمِ خفتہ میں گرفتار ہے صدیوں کی طلب
وہ طلب شکوہ بہ لب زیست سبب ہے جس کا
جیسے آنکھوں کے اندھیرے میں
—— بے حس جگنو
مرنے والے کے شبیہہ
آنے والوں کے تصور میں ہے زندہ اب تک
ایک فرعون کی خواہش ——
کہ جسے موت نہیں آئی ہے
جا کے پھر لوٹ کے آنے کی تمنا ہے عجیب
خواب در خواب کے ماحول میں جینا ہے عجیب

[illegible]

ایک نظم

آنس معین

دانشور کہلانے والو
تم کیا سمجھو
مبہم چیزیں کیا ہوتی ہیں
تھل کے ریگستان میں رہنے والے لوگو
تم کیا جانو
ساون کیا ہے
اپنے بدن کو
رات میں اندھی تاریکی سے
دن میں خود اپنے ہاتھوں سے
ڈھانپنے والو
عریاں لوگو
تم کیا جانو
چولی کیا ہے، دامن کیا ہے
شہر بدر ہو جانے والو
فٹ پاتھوں پر سونے والو
تم کیا سمجھو
چھت کیا ہے، دیواریں کیا ہیں
آنگن کیا ہے
اک لڑکی کا خزاں رسیدہ بازو تھامے
نبض کے اوپر ہاتھ جمائے
[illegible] پر کان لگائے
دھڑکن کی سانسیں گننے والو
تم کیا جانو
مبہم چیزیں کیا ہوتی ہیں
دھڑکن کیا ہے، جیون کیا ہے
ستر نمبر کے بستر پر
اپنی قید کا لمحہ لمحہ گننے والی
یہ لڑکی جو
برسوں کی بیمار نظر آتی ہے تم کو
سولہ سال کی ایک بیوہ ہے
ہنستے ہنستے رو پڑتی ہے
اندر تک سے بھیگ چکی ہے
جان چکی ہے
ساون کیا ہے
اس سے پوچھو
کانچ کا برتن کیا ہوتا ہے
کچا بندھن کیا ہوتا ہے
چولی دامن کیا ہوتا ہے
اس سے پوچھو
مبہم چیزیں کیا ہوتی ہیں
سونا آنگن، تنہا جیون کیا ہوتا ہے

[illegible]

بلراج کومل

گولڈ رش

اجنبی راستوں پر
لڑکھڑاتے ہوئے
لوگ
اک دوسرے کو
ہر اک کام پر
کوستے، روتے
آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں

جو گئے
لوگ ہیں
کھوج میں جا رہے ہیں جو
سونے کی
سارے کے سارے بڑی دھوم سے
ان کے ماں باپ بھائی، بہن
ان کے اپنے
کسی دوسری اجنبی رہگزر پر
اسی کھوج میں
اک زمانہ ہوا
جا چکے ہیں
کہاں ان کو سونا ملے گا؟
ملے گا؟ یا شاید نہیں
کوئی بھی یہ نہیں جانتا
اک اندھیرا، گھٹا ٹوپ، گہرا اندھیرا ہے
چاروں طرف
لوگ سب سمت، سرپٹ
لڑکھڑاتے چلے جا رہے ہیں
وہ گھر

وہ جو چھوڑ آئے تھے
جن کو وہ پیچھے
سنا ہے
کہ سب جل چکے ہیں
سبھی
راکھ ہوتے چلے جا رہے ہیں
یہ جینے کی خاطر
بھٹکتے مسافر
سلامت
اگر اتفاقاً کبھی
چند ذرے کہیں چیتھڑوں میں
چھپائے ہوئے
گھر کی جانب، پلٹ آئے
جائیں گے، آخر کہاں جائیں گے
واپسی پر
دھوئیں میں گھرا
ان کا اپنا، پرانا سا گھر
کوئی ملبہ، کھنڈر
گر انھیں مل گیا بھی
تو رہ دیکھنے والا
ان کی، وہاں
کون ہوگا؟
وہ سہانا تمام چھوٹا سا رستہ
جو گھر تک پہنچتا تھا
کھو گیا اس وقت تک
اس کا کوئی نشاں تک نہ باقی رہے

[illegible]

حمایت علی شاعر

جواب

سورج نے جاتے جاتے بڑی تمکنت کے ساتھ
ظلمت میں ڈوبتی ہوئی دنیا پہ کی نظر
کہنے لگا کہ کون ہے اب اس کا پاسباں
میرے سوا ہے کون زمانے کا راہبر
میں تھا تو اپنی راہ پہ تھی گامزن حیات
اب میں نہیں رہوں گا تو یہ ساری کائنات
ظلمات میں بھٹکتی پھرے گی تمام رات

سورج یہ کہہ کے جا ہی رہا تھا کہ اک دیا
چپکے سے جل اُٹھا اور اُسے دیکھنے لگا

[illegible]

آئینہ در آئینہ

اس بار وہ ملا تو عجب اُس کا رنگ تھا
الفاظ میں ترنگ نہ لہجہ دبنگ تھا

اک سوچ تھی کہ بکھری ہوئی خال و خد میں تھی
اک درد تھا کہ جس کا شبیہ انگ انگ تھا

اک آگ تھی کہ راکھ میں پوشیدہ تھی کہیں
اک جسم تھا کہ روح سے مصروفِ جنگ تھا

میں نے کہا کہ یار تمھیں کیا ہوا ہے یہ
اُس نے کہا کہ عمرِ رواں کا عطا ہے یہ

میں نے کہا کہ عمرِ رواں تو سبھی کی ہے
اُس نے کہا کہ فکر و نظر کی سزا ہے یہ

میں نے کہا کہ سوچتا رہتا تو میں بھی ہوں
اُس نے کہا کہ آئینہ رکھا ہوا ہے یہ

دیکھا تو میرا اپنا ہی عکسِ جلی تھا وہ
وہ شخص میں تھا اور حمایت علی تھا وہ

[illegible]

رئیس امروہوی

یہ میرا وطن ہے

بہت ہو چکی مدحتِ مصر و ایراں
سُن اے تذکرہ گوئے تاریخِ انساں

یہ میرا وطن ہے کہ جس کے مقابل
نہ آشور و بابل نہ روما و یونان

یہیں صبح پہلے پہل مسکرائی
وہ نظمِ تمدن کی صبحِ درخشاں

یہیں شام پہلے پہل جگمگائی
وہ بزمِ تفکر کی شامِ فروزاں

گلوں کا وطن گلعذاروں کا مسکن
گلستانِ جاں و گلستانِ جاناں

یہیں آریوں نے وہ دُنیا بسائی
کہ ہیں جس کے آثار اب تک نمایاں

یہیں جسم نے وہ ہیولے تراشے
کہ دُنیائے محسوس ہے جس پہ نازاں

یہیں آسمانوں سے اوتار اُترے
یہیں دیوتاؤں پہ اترائے انساں

بظاہر اسی خاک کے چند خاکے
مجازاً و حقیقت بھگت اور بھگواں

اسی خاک پر دیو بھی دیوتا بھی
یہیں ہمتِ انساں یہیں فوقِ انساں

اسی ارضِ اصنام پر پہلے پہلے
ہوئے شرک و توحید دست و گریباں

یہیں دیومالا نے تاریخ لکھی
وہ تاریخ اِک دفترِ علم و عرفاں

یہیں نغمہ رقص کا معبدِ فن
وہ صحرا کے نغمے وہ رقصِ غزالاں

سُن اے تذکرہ گوئے تاریخِ انساں
یہ میرا وطن ہے کہ جس کے مقابل
نہ آشور و بابل نہ روما و یونان

(کتاب نمائی دہلی دہرہ ۵)

زہیگہ رضوی

ایک نظم

ننھے بچوں کے منہ سے
اب ماں کے دودھ کی مہک نہیں آتی
بیوپاریوں نے
پٹ شکل اور دلکش بنانے کے لالچ دے کر
دودھ بھری چھاتیوں کو
نئے فیشن کی سندر چولیوں سے کس دیا ہے
ننھے ہاتھ
دودھ بھری چھاتیوں کا لمس نہ پا کر
پلاسٹک کا نپل منہ میں لے کر سو جاتے ہیں
ڈبے کے دودھ پہ پلنے والے بچوں کی
بڑھتی ہوئی تعداد دیکھ کر
بیوپاری بے حد خوش ہیں
لیکن پلاسٹک کا نپل منہ میں لیکر سونے والے بچے
خوابوں کے آسمانی پالنوں میں
اپنے ننھے ہاتھ اٹھا کر
یہ دعا مانگ رہے ہیں

خداوندا،
عورت کے سینے کی ان سڈول گولائیوں کو
سپاٹ کر دے
جن میں تو نے
پیار سے یہ دودھ اتارا تھا
کہ عورت
روز ازل
اپنے خوبصورت پیکر کو تراشنے والے صناع سے
کیا ہوا اپنا وعدہ
بھول گئی ہے

(دسمبر دہرم شالہ [illegible])

ساغر نظامی (مرحوم)

اتحاد

دامِ نفرت سے ہو اے نازشِ دوراں آزاد
کہ نفرت پہ نہیں فطرتِ انساں کا مدار

کس کو نشہ ہے یہاں جذبۂ نفرت نے سکوں
کہ تجھے آئے گا اس آگ کے پہلو میں قرار

اور یہی جذبۂ نفرت جو محبت بن جائے
تیری جلتی ہوئی دنیا میں پھر آجائے بہار

کنجِ گل میں یہ چہکتے ہوئے معصوم طیور
جن کے نغموں سے ہے ایوانِ ترنم گلزار

لالہ و گل کی خموشی کے حریفِ ناطق
یہ پر و بال کے بربط، یہ فضاؤں کے ستار

مل کے گاتے ہیں تو شاہیں کا جگر جلتا ہے
ساتھ اڑتے ہیں تو ہوتا ہے قفس زیرِ غبار

خار و گل ایک ہی ٹہنی پہ بسر کرتے ہیں
بادۂ قرب سے سرشار ہیں اضدادِ بہار

جوئباروں میں یہ امواجِ رواں دوش بدوش
بزم ہے منظرِ فطرت میں جدائی کا شعار

یہ بپا باندھ کے مرغابیوں کا حسنِ سفر
سینۂ آب پہ یہ سوزِ اخوت کے شرار

غول در غول بیاباں میں یہ ہرنوں کا خرام
سونپ اس قافلۂ رم کے رموز و اسرار

○

سوزِ قربت سے دہکتے ہیں ستاروں کے کنول
کششِ قرب سے ہے محفلِ انجم کی بہار

قطرے ملتے ہیں تو ہوتا ہے سمندر پیدا
وصلِ ذرات کا مرہون ہے طغیانِ غبار

صدیوں پیوستگیِ خاک نے پایا ہے فروغ
مستقل قرب کا سنگین عمل ہیں کہسار

مل کے ہنستے ہیں تو بنتا ہے چمن بزمِ نجوم
کہیں اک جگنو سے ہوتا ہے چراغانِ بہار

○

اصل ساون تو وہی ہے کہ جھڑی لگ جائے
سازِ بشکستہ ہے بکھری ہوئی بوندوں کا ستار

دامِ نفرت سے ہو اے نازشِ دوراں آزاد
کہ نفرت پہ نہیں فطرتِ انساں کا مدار

کس کو نشہ ہے یہاں جذبۂ نفرت نے سکوں
کہ تجھے آئے گا اس آگ کے پہلو میں قرار

طارق عزیز

زمیں زادے۔ چلو باتیں کریں شہرِ تمنا کی
یہاں تو شام سے پہلے ہی سورج ڈوب جاتا ہے
یہاں ہر خواب سے پہلے ہی نیندیں چونک اٹھتی ہیں
بہاریں یوں گزرتی ہیں
کہ جیسے وقت سے ان کی کوئی ازلی عداوت ہو
کوئی بادل نہیں رکتا۔ ہوائیں بے مروت ہیں

زمیں زادے۔ یہ چھوٹے چھوٹے سر اور ہاتھ میں ہستی
خبر ہے کس نے ذہنوں سے ارادے نوچ ڈالے ہیں؟
تمہیں معلوم ہے ہونٹوں پہ کیسی چپ کے تالے ہیں؟
نہیں ہم رشد و دولت کی زیارت سے نہیں آئے
زمیں زادے تمہاری ہی امیدوں کی قسم کھا کر
گواہی دو کہ پھر اب یہ گواہی لوٹ آئی ہے

ہوئیں صدیاں کہ آنکھوں میں کوئی سورج نہیں چمکا
کوئی شبنم نہیں اتری، کوئی مٹی نہیں مہکی
چلو یہ تو ہماری کم نگاہی کی سزا ٹھہری
مگر ہم خواب نہ دیکھیں تو نیندیں بے ثمر اپنی
سماعت بے خبر اپنی، صدا نا معتبر اپنی

زمیں زادے، چلو باتیں کریں شہرِ تمنا کی
یہ باتیں جو سلگتی ہیں مگر کرنیں نہیں بنتیں
انہیں روشن اگر کر پاؤ تو کہنے کی ٹھہرو
مگر کیا کر سکو گے تم، مگر کیا کر سکیں گے ہم
کہ ہم اس شہر میں بے خواب راتوں کے حوالے ہیں
زمیں زادے، زمیں پہ چلنے والے تھکنے والے ہیں۔

○

(نقوش دسمبر ۱۹۸۰ء)

فارغ بخاری

جمود

یہ بے کراں بے ہنر چٹانیں
جو ریگزاروں میں سالہا سال سے یونہی
اپنا ناتراشیدہ جسم لے کر
نہ موسموں بھیگے بادلوں کا لباس پہنا
نہ راس آیا طلائی کرنوں کا ان کو گہنا
اکیلے مرنا، اکیلے جینا، اکیلے رہنا
کسی کی سننا نہ اپنا دکھ ساتھیوں سے کہنا
یہ سوچتی ہیں ازل سے اُن کے نصیب میں ہے
سموم کے طوفان کے زہر آلود تیر کھانا
ستمگر و سنگ دل ہواؤں کے وار سہنا
کبھی نہ اسرار کھل سکے گا
کسی پر اس حسن و بانکپن کا
نہ جب تلک ان زمین کے سینے پہ گا
ان پہ، تیشہ کسی ہنرمند کوہ کن کا

قتیل شفائی

اندھے خواب

پھول تو کل بھی کھلے تھے
کل بھی تیرے باغ میں آئی تھی اک رنگیں بہار
کل بھی تھا تجھ کو کسی نادیدہ شے کا انتظار
پھول تو اب بھی کھلے ہیں
اب بھی ہے ہر پنکھڑی ان خوشبوؤں کی ترجماں
جن کو چھونے کے لئے تو ہے خلا میں پُر فشاں
پھول تو کل بھی کھلیں گے
لیکن اے پھولوں کے مالک اے تہی دامن فقیر
کیا خبر کل بھی نہ جاگے تیرے خوابوں کا ضمیر

(سرسبز، دھرم شالہ جنوری۔جون ۸۲)

صلیب آج بھی!
کرن کلیانی

محمود نقوی:

ایک سوال

اے خدا!
تجھ سے فرشتوں نے کہا تھا اک بار
مشتِ خاکی کو کیا مالک و مختارِ زمیں
جس کی رگ رگ میں لہو بن کے رواں
خون و فساد
تجربہ ہو چکا ایسا ہی ہمیں پہلے بھی
پھر بھی ممتاز کیا نوعِ بشر کو تو نے
مصلحت اس میں ہے کیا؟

اے خدا!
جس کی تقدیر میں خود اپنے قلم سے تو نے
بے نیازی سے لکھی کون و مکاں کی تسخیر
تیری مرضی کے مطابق وہ ہواؤں میں اُڑا
چاند تاروں پر کمندیں پھینکیں
کر سکا ذات کو اپنی نہ مسخر لیکن
پیکرِ خون و فساد
مصلحت اس میں ہے کیا؟

اے خدا!
تیرے فرشتوں کا کہا سچ ہی ہوا
آگ سے جس کو کیا تھا تخلیق
اس نے سجدہ نہ کیا
خاک کے اس پتلے کو
پھر بھی اس پیکرِ خاکی میں ہوئی شعلہ مزاجی پیدا
ہر طرف گرمیٔ انفاس سے ہے ایک قیامت برپا
ہر طرف معرکۂ خون و فساد
مصلحت اس میں ہے کیا؟

اے خدا!
خالقِ روز و شب
اپنے فرشتوں کو ذرا
اتنا بتا دے اک بار
کب تلک سلسلۂ خون و فساد
کرۂ ارض کی وسعت پہ رہے گا موجود
تاکہ بے چین نگاہوں کو قرار آ جائے
مطمئن ہو سکیں ہم جیسے گنہگار بھی کچھ
قلبِ پیمبر کی طرح

یوجنا، نئی دہلی، یکم تا ۳۱ جون ۱۹۸۷

روشنی

روشنی

مظہر امام

یہ زندگی ہے کہ بہتا ہوا آگ کا دریا
اسی میں ہم بھی ہیں، تم بھی حباب کی صورت

ہزار دوریٔ امن و سکوں کے باوصف
ہر ایک سانس چھپائے اضطراب کی صورت

سوال ذہن کے گنبد میں گونجتے ہیں سدا
نظر کہیں نہیں آتی جواب کی صورت

چراغِ دیر و حرم روشنی کی خاطر ہیں
انہیں سے چادرِ عصمت جلائی جاتی ہے

یہ نور بانٹ صحیفوں کے جگمگاتے ورق
انہیں سے آگ گھروں میں لگائی جاتی ہے

اُچھالے جاتے ہیں بھگوان کے لئے نیزے
خدا کے نام پہ آفت مچائی جاتی ہے

ہمارے پاؤں میں بھی ایک سی ہی زنجیریں
ہمارا درد وہی ہے، تمہارا درد وہی

ہمارے جسم کا رنگِ لہو بھی یکساں ہے
شرارِ اشک وہی ہے، فغانِ سرد وہی

ہمارا اور تمہارا ہے ایک سا انجام
سفر کی راہ وہی، راستے کی گرد وہی

یہ ظلمتوں کا تصادم ہے، تیرگی کا فساد
فسادیوں کے لئے جسم و جاں کھلونا ہیں
جو کر سکیں تو کریں ہم ہی اپنی چارہ گری
کہ چارہ ساز ہیں جتنے، رقیبِ عیسیٰ ہیں
سفر میں ساتھ چلیں، دل سے دل ملا کے چلیں
کہ تم بھی، ہم بھی، اسی روشنی کے جویا ہیں

ندا فاضلی

کون بتائے

آؤ کہیں سے
تھیلا بھر مٹی بھر لائیں
مٹی کو بادل میں گوندھیں
چاک چلائیں
نئے نئے آکار بنائیں
کسی کے سر پر پگڑی رکھ دیں
ماتھے اوپر تلک سجائیں
کسی کے چھوٹے سے چہرے پر
موٹی سی داڑھی پھیلائیں
کچھ دن ان سے جی بہلائیں
اور یہ جب میلے ہو جائیں
داڑھی، چوٹی، تلک سبھی کو
توڑ پھوڑ دیں،
گڈمڈ کر دیں
ملی جلی یہ مٹی پھر سے
الگ الگ سانچوں میں بھر دیں
داڑھی میں چوٹی لہرائے
چوٹی میں داڑھی چھپ جائے
کس میں کتنا کون چھپا ہے
کون بتائے ◆

شاعر بمبئی جنوری ۱۹۸۵ء

ایک لٹی ہوئی بستی کی کہانی

بجیں گھنٹیاں
اونچے مینار گونجے
سنہری صلاؤں نے اُجلی ہواؤں کی پیشانیوں پہ
رحمت کے
برکت کے پیغام لکھے
وضو کرتی صبحیں
کُھلی کہنیوں تک
منوّر ہوئیں
جھلملاتے اندھیرے
بھجن گاتے آنچل نے
پوجا کی تھالی سے
بانٹے سویرے
کھلا دوار — بچوں نے بستہ اٹھایا
بزرگوں نے پیڑوں کو پانی پلایا
نئے حادثوں کی خبر لے کے
بستی کی گلیوں میں اخبار آیا
خدا کی حفاظت کی خاطر
پولس نے
پجاری کے مندر میں
ملّا کی مسجد میں / پہرا لگایا

ایوانِ اردو دہلی ستمبر ۱۹۸۷ء

[illegible]

وِنزر کاسل میں

★

ابنِ آدم کے خوں میں نہاتے ہوئے
بادشاہوں کی تاریخ کے کچھ ورق
آج دیکھے تو اجداد یاد آ گئے

ہائے کیا لوگ تھے میرے اجداد بھی
فاقہ کش، پست ہمت، تہی جوم سے
سرنگوں قصرِ شاہی کی دہلیز پر
نیم جاں، خوف کھاتے ہوئے لرزے سے

ذہن میں نقشِ ماضی ابھرتے رہے
اور احساس مجروح ہوتا رہا
آنکھ الجھی رہی منظروں سے مگر
میرے اندر کا میں خون روتا رہا

مجھکو معلوم ہے میرے اجداد میں
وہ بھی تھے جو بناتے تھے تیغ و تبر
وہ بھی تھے جو شہِ وقت کے نام پہ
ہنستے ہنستے کٹا دیتے تھے اپنا سر

وہ مگر اپنی قوت سے ناآشنا
وہ مگر سادہ لوحی کے پالے ہوئے
بے خبر اپنی طاقت سے تھے اس قدر
دوسروں کے لئے جان دیتے رہے

[illegible]

نصرت [illegible]

اندھو، بہرو... سنو

اندھو، بہرو — سنو!
تم ہر شب ہمارے گھروں پہ چھاپے مارتے ہو
ہم نے کاغذ کے کوزوں میں
محبت بھری نظموں اور گیتوں کی صورت میں
آنے والے دن کی نذر کرنے کے لئے
جو کچھ رکھا ہوتا ہے،
تم - قومی مفادات کے تحفظ - کے نام پہ
ضبط کرکے اپنے ساتھ لے جاتے ہو، اور
پھر انہیں شہر کے چوراہے میں جلا دیتے ہو
لیکن کیا تم نے کبھی سوچا ہے، کہ
ہماری نظموں اور گیتوں کو،
تمہارا آگ لگا دینے کا عمل،
انہیں دو آتشہ بنا دیتا ہے
تم اندھے تو تھے ہی، شاید بہرے بھی ہو
کیا تم کو سنائی نہیں دیتا، کہ جب تم
ہماری محبت بھری، امن و دوستی کی خواہشوں سے
بھری ہوئی،
نظموں اور گیتوں کے مسودے جلا رہے ہوتے ہو تو
ہوائیں ہمارے پیار بھرے گیت اور امن کی نظمیں
گا رہی ہیں۔
[illegible] ◆

[illegible]

مضامین

یہ لوح دل بھر بھی گئی اور پھر بھی سادہ ہے   تمہارے نام کو لکھا بھی اور مٹایا بھی

چوہدری صاحب ملتان چلے گئے اور آن سے ملاقات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ مجھے فرائض منصبی کے سلسلے میں کورٹ اور جانے کا اتفاق ہوا تو ۔۔۔ صاحب کے ساتھ آتش کی غزل سے بھی کبھی کبھار کی ملاقاتیں ہونے لگیں اور مجھے اس کی غزل میں دو رجحانات بطور خاص نمایاں نظر آئے۔

اوّل، کمال درجے کا داخلی اطمینان اور استغنا

دوم، شدید درجے کا خوف اور خارجی بے اطمینانی

چنانچہ وہ اندر سے سمندر کی طرح شانت اور گہرا تھا۔ لیکن سطح پر موجوں میں تلاطم بپا تھا اور بلبلے بنتے بنتے ٹوٹ جاتے تھے لیکن غزل کی صورت میں تجربہ جو علامتی شکل اختیار کر لیتا ہے اس سے اکثر اوقات یہ پتہ چلانا مشکل ہو جاتا ہے کہ شاعر عصری آگہی کو شعری صورت دے رہا ہے یا اپنی واردات پر سخن کا پردہ ڈال رہا ہے۔ اس کی ذات کی گرہ تو اس وقت کھلتی ہے جب اس کے اشعار کسی خاص واقعے کے پس منظر یا پیش منظر سے ہمارے سامنے نیا مفہوم لے کر آتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ کہہ رہا تھا کہ

زمیں ہے آنگن اور آسماں سائباں اپنا   گھٹا گھٹا سا ہے پھر بھی کتنا مکاں اپنا

تو سب لوگوں نے سمجھا کہ وہ شہر کے تنگ مکانوں کا ذکر کر رہا ہے یا پھر ان تنگ دل لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جن کے دل کے مکان کٹ کر رہ گئے ہیں۔ اسی طرح جب اس نے یہ شعر کہا

رہتا ہوں جس زمیں پہ وہی اوڑھ لوں گا میں   جائے اماں اک اور بھی ہوتی ہے گھر کے بعد

تو اس کا تجزیہ کچھ یوں کیا گیا کہ شاعر کو اپنے وطن کی مٹی سے گہری محبت ہے اور وہ اس دھرتی کو اپنے گھر سے بھی زیادہ اہمیت دیتا اور اسی جائے اماں میں زندگی گزارنے کا آرزومند ہے۔

لیکن ایک روز اچانک جب آتش صاحب اپنے جسم کی دیوار خود ہی گرا کر جسم کے پیچھے چھپی ہوئی دیواروں کو دیکھنے کے عمل کا تجزیہ ہوا تو وہاں ساری غزلوں کے معنی بدل گئے اور سب لوگوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ اس کے اشعار کی سطح پر کچھ بھی مفہوم کو ہی سمجھ نہ سکے۔ وگرنہ وہ تو ایک مدت سے کہہ رہا تھا کہ

انجام کو پہنچوں گا میں انجام سے پہلے   اب میری کہانی بھی سنائے گا کوئی اور

تو جستجو سفر میں تھکے تو اس قدر اعتبار نہ کر   کہ تیری راہ میں تھک بھی چکا ہوں تم ۔۔۔

وسعت دید میں گم ہو جاؤں گا   ایک بچے کی طرح سو جاؤں گا

چھٹ جائیں قید شب سے جو ہم خودکشی کے بعد   اڑ جگنوؤں کے غول میں روشنی اوڑھے ہوئے

چنانچہ آتش صاحب کا جو آخری ۔۔۔ ہے وہ اس آتش صاحب سے بالکل مختلف ہے جس کی غزلیں ہم پر اسرار زبان ۔۔۔ کی حقیقت کی طرف چشم کشا مصرعوں میں سامنے نہیں کرتی تھیں۔

مجھے حیرت ہے کہ جواں سال آنس معین کی موت پہ مجھے شیلے [illegible] یاد نہیں آیا لیکن شکیب جلالی بہت یاد آیا۔ وجہ یہ ہے کہ شیلے نے ریمبو صرف باہر کی دنیا پر اپنی نظریں مرکوز کر رکھی تھیں اور وہ اسے تلاش تلاش کر کے اپنے اوپر نچھاور کر رہا تھا۔ شکیب جلالی اور آنس معین دونوں نے آتش فشاں اپنے اندر جلا رکھا تھا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ یہ آتش فشاں انہیں اندر اندر بھسم کر رہا ہے۔ اور ان کے گرد و پیش میں جو دنیا پھیلی ہوئی تھی وہ ان کے وسیلے، ظرف اور معیار کے مطابق نہیں تھی، چنانچہ ایک شعوری موت دونوں کے جسم و جاں پر پھیلا تھا اور دونوں نے ایک جیسے حالات میں اپنے اپنے آتش فشاں میں چھلانگ لگا دی۔ کم عمر لوگوں سے کنارہ دونوں نے خودکشی کر لی تھی۔ شکیب جلالی نے سرگودھا میں، آنس معین نے کئی سال بعد ملتان میں۔

○

آنس معین کی غزل اس کی زندگی کا استعارہ ہے۔ اس نے مصرعے موزوں نہیں کیے بلکہ اس طوفان کی اطلاع دی ہے جو گرد و پیش میں مسلسل اس کے دل پر یلغار کر رہا تھا۔ وہ تضادات کی زد پر تھا اور اس نے قدروں کی شکست و ریخت کا منظر دیکھا اور مصلحت کے میدانوں میں تماشوں کے واقعات مشاہدہ کیے تھے۔ چنانچہ اس نے اکثر گواہی دی کہ

اس دور میں کچھ اور ہیں تنہائی کے معیار — یہ بات الگ زہر کی تاثیر وہی ہے
ہر ایک شہر کا معیار مختلف دیکھا — کہیں پہ سر، کہیں پگڑی کا احترام ہوا
ان لوگوں سے کھل کر ملنا اور گرا ہے — جیسے پرندوں کی نیچی پرواز سے ڈرنا
جانے ہر کس قدر واقف ہے اپنے آپ سے — سنگ جیسا آدمی ہر کانچ کے اس گھر میں ہے
ہاتھ میں لے کر پتھر [illegible] پاس کھڑے تھے ندی کے — کانپ رہا تھا پانی پر اک چہرہ سہما سہما سا

ہاں وہ انسان جس کا چہرہ بھی سہما سہما نظر آتا ہے وہ آنس معین ہے چنانچہ اس نے اپنے اندر کی آواز بھی لوگوں کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش کی۔

لمبی سوچیں ہیں دن اور پھیلی راتیں — وقت سے پہلے دھوپ سروں پہ آ پہنچی
کب تک یہ تبسم میرے ہونٹوں سے الجھے گا — یہ زہر بھی کتنا ہے اٹھانے کو کوئی اور
میرے سر پر دیکھ کے میرے شانوں پر — شاخ نے گل کا بوجھ اٹھانا سیکھا ہے
ذرا تو کم ہوئیں تنہائیاں پرندے کی — اب ایک حرف بھی اس آشیاں میں رہتا ہے
دل کی مدھم گلی تو جلنے لگا شہر بھی — میں اپنے اندر کی روشنی سے ڈرا ہوا ہوں
ہماری مسکراہٹ پر نہ جانا — دیا تو قبر پر بھی جل رہا ہے

یہ وہ خوف ہے جو اب ہر آنس معین کے دل میں مستقل طور پر مکیں ہو گیا ہے۔ اور اپنے ناخن پنجے نکال کر اس کی رگ جان پر مسلسل کچوکے لگاتا ہے۔ اسے اندیشوں کی افزائش کرتا ہے۔ ان اندیشوں کو سر اٹھانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ آنس

سہی نہ ہو مدافعت کر رہا ہے لیکن ایسا ہی جیسے کچا مکان بارش کے سامنے مدافعت کرتا ہے یا شبنم کی بوند سورج کی پہلی کرن سے نبرد آزما ہوتی ہے۔ آتش کی خوبی یہ ہے کہ وہ ذات کی ہر لرزش کو شعر کا پیکر عطا کر دیتا اور ہر خدشے پر مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔

ذرا سا کھول کے دیکھو تو گھر کا دروازہ — یہ کوئی اور ہی دستک ہے، اب کہا کب ہے؟
دو کار تحفظ ہے پر سانس بھی لینا ہے — دیوار بناؤ تو دیوار میں در رکھنا
کبھی میں سوچ کر دروں صدا تیرگی کے ڈر سے — کبھی یہ سوچوں کہ بہت کا ہے مکان اپنا
نہ جانے باہر بھی کتنے آسیب منتظر ہوں — ابھی میں اندر کے آدمی سے ڈرا ہوا ہوں

ممکن ہے کہ صدیوں بھی نظر آئے نہ سورج — اس بار اندھیرا مرے اندر سے اٹھا ہے
کیا عدالت کو یہ باور میں کرا پاؤں گا — ہاتھ تھا اور کسی کا مرے دستانے میں

میرا خیال ہے کہ باہر کے اس خوف نے ہی آتش کو اپنے اندر کی دنیا میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ چنانچہ کبھی وہ باہر کی کھڑکی کو بند دیکھتا ہے، کبھی اپنی پلکوں کی اوٹ میں چھپ جاتا ہے اور کبھی جلدی جلدی اس دنیا سے ہی نکل جانے کی آرزو کرتا ہے۔

اندر کی دنیا سے ربط بڑھاؤ آتش — باہر کھلنے والی کھڑکی بند پڑی ہے
کوشش قدموں کی چاپ نے آتش — سونی گلیوں سے کچھ کہا ہوتا
تیرگی میں ہی نہ رہ جائے کہیں — آنکھ شب کے درمیاں مت کھولنا

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آتش نے اندر کی دنیا میں چلے جانے کے بعد باہر کی دنیا کی ویرانی کا منظر بھی دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس کی غزل میں ایسے اشعار جابجا ملتے ہیں جن میں وہ اندر کی دنیا سے باہر کی دنیا کو صدا دے رہا ہے اور جیسے اس تجربے سے آشنا کر رہا ہے جو اس نے وجود سے عدم میں یا [illegible] سے اُس دنیا میں چھلانگ لگا کر کیا ہے۔

ان کے لیے جو لوٹ کے آئیں گے نہ آتش — کیا جاگتی گلیوں کے سوا اور بھی کچھ ہے
نہ تھی زمین میں وسعت مری نظر جیسی — بدن تھکا بھی نہیں اور سفر تمام ہوا
یاد ہے آتش پہلے تم خود بکھرے تھے — آئینے نے تم سے بکھرنا سیکھا تھا
نظر کو خوب خبر تھی کہ ایک سراب ہے وہ — مگر نظر کو بھروسہ اسی سراب پہ تھا
گونجتا ہے بدن میں سناٹا — کوئی خالی مکان ہو جیسے
دامن بھی دریدہ ہے مرا ہاتھ بھی زخمی — شاخوں پہ گلابوں کے سوا اور بھی کچھ ہے
میں اپنی ذات کی تنہائی میں مقید تھا — پھر اس چٹان میں اک پھول نے شگاف کیا

بعض صاحب نے آتش کی دو غزلوں کے بعد دوستوں کو بتایا کہ ایک محفل میں ان کے ایک معمولی دوست نے کہا تھا کہ

لوگوں کو ہماری دنیا کے حسن و جمال اور وسعت کا علم ہو جائے تو شاید آدھے سے زیادہ انسان خودکشی کر لیں۔ آنس شاید
اس وسعت دنیا کو دیکھنے کے لیے نشاط کے اس جہان کو چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا اور جاتے جاتے کہہ گیا

بکھرے پھول فضاؤں میں بس چھوڑ گیا — تمام رنگ یہیں احساس پاس چھوڑ گیا
ہے میرے اندر بھی ہوا ایک اور دنیا — مگر کبھی تم نے اتنا لمبا سفر کیا ہے!

ماضی میں نے اتنا لمبا سفر نہیں کیا۔ اس لیے یہ اصرار مجھ پر کیونکر کیا جا سکتا ہے ؟

آنس معین کا آخری خط

زندگی سے زیادہ عزیز امی اور پیارے ابو جان

خدا آپ کو ہمیشہ سلامت اور خوش رکھے۔

میری اس حرکت کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ میں زندگی کی یکسانیت سے اکتا گیا ہوں۔ کتاب زیست کا جو صفحہ الٹتا ہوں اس پر وہی تحریر نظر آتی ہے جو پچھلے صفحے پر پڑھ چکا ہوتا ہوں۔ اسی لیے میں نے ڈھیر سارے اوراق چھوڑ کر وہ تحریر پڑھنے کا فیصلہ کیا ہے جو آخری صفحے پر لکھی ہوئی ہے۔

مجھے نہ تو گھر والوں سے کوئی شکایت ہے نہ دفتر یا باہر والوں سے۔ بلکہ لوگوں نے تو مجھ سے اتنی محبت کی ہے کہ میں اس کا مستحق بھی نہیں تھا۔

لوگوں نے میرے ساتھ اگر کوئی زیادتی کی بھی ہے یا کسی نے میرا کچھ دینا ہے تو میں وہ معاف کرتا ہوں۔ خدا میری بھی لغزشوں اور کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔

اور آخر میں ایک خاص بات وہ یہ کہ وقت آخر میرے پاس راہ خدا میں دینے کو کچھ نہیں ہے۔ سو میں اپنی آنکھیں EYE BANK کو DONATE کرتا ہوں۔ میرے بعد یہ آنکھیں کسی مستحق شخص کے لگا دی جائیں تو میری روح کو حقیقی سکون حاصل ہو سکنے کی امید ہے۔

مرنے کے بعد مجھے آپ کی دعاؤں کی پہلے سے زیادہ ضرورت رہے گی۔ البتہ غیر ضروری رسومات پر پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے کچھ روپے امی کے پاس اسی لیے رکھوا دیئے ہیں کہ اس موقع پر کام آ سکیں۔

آپ کا نالائق بیٹا

آنس معین

اسلم نعین جنرل مینجمنٹ ٹریننگ — ۲/۲/۸۶

(اوراق لاہور اکتوبر۔ نومبر ۸۶)

ابوالفضل صدیقی صاحب مرحوم؟

انور سدید

ابھی ابھی اخبار "امروز" نے اطلاع دی ہے کہ

"(پ۔پ۔ا) معروف افسانہ نویس ابوالفضل صدیقی ۱۶ ستمبر کو کراچی میں انتقال کر گئے۔ ان کی عمر ۸۰ سال تھی۔ انہیں دو ہفتے قبل دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ ایک مقامی ہسپتال میں زیر علاج تھے۔ ان کے پسماندگان میں دو بیٹے اور دو بیٹیاں شامل ہیں۔ وہ چھ کتابوں کے مصنف تھے۔ انہوں نے تین صد سے زیادہ افسانے لکھے جن پر انہیں ادبی ایوارڈ بھی ملے۔ انہیں پاپوش نگر کے قبرستان میں سپردِ خاک کر دیا گیا۔ ان کی رسم سوئم جمعہ کو ہادی مارکیٹ ناظم آباد میں ہو گی۔"

خبر نمایاں طور پر چھپی ہے۔ بے حد مختصر اور بامعنی ہے لیکن میں سوچ رہا ہوں کہ کیا بڑا ادیب واقعی مر سکتا ہے اور کیا جمعہ کو رسم سوئم کے بعد ہم ابوالفضل صدیقی کو واقعی اس دنیا سے خارج اور اپنی یادوں سے حذف کر دیں گے؟ یہ سوچ کر میرے جسم میں کپکپی سی کی لہر سی دوڑ گئی ہے اور میں اپنے آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ سچا ادیب کبھی مر نہیں سکتا۔ وہ اپنی تخلیقات میں اور اپنی کتابوں میں زندہ رہتا ہے اور ابوالفضل صدیقی تو بڑے ادیب ہی نہیں بڑے انسان بھی تھے۔ ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کرنے کے لیے ایک ادبی جلسہ انجمن ترقی اردو کراچی نے ۲۹ مارچ ۱۹۸۰ء کو منعقد کیا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، ممتاز زمن، شمیم احمد اور مشرف احمد نے ان کی شخصیت اور فن پر مضامین پڑھے تھے اور اس صداقت کی بازیافت کی تھی جس کا اظہار ابوالفضل صدیقی نے اپنے افسانوں میں کیا تھا اور جو ان کے باطن میں مشکِ نافہ کی طرح ہمہ وقت موجود رہتی تھی۔ بلاشبہ یہ جلسہ غیر معمولی تھا اور ابوالفضل صدیقی کو ان کے شایانِ شان خراجِ تحسین ادا کیا گیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ معمول کی ایک کارروائی تھی جس کی ابوالفضل صدیقی کے نزدیک شاید کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ان کی شان تو اس بے نیازی میں تھی جو ان کی فطرت کا حصہ تھا۔ ان کا وقار تو اس استغنا میں تھا جو وہ نام نہاد کے عزیزوں سے اجتناب کر کے ظاہر کرتے تھے۔ ان کی عظمت اس درویشی میں تھی جو عارف پور نواده کے چودھریوں کا فرزند ہونے کے باوجود انہوں نے اپنی طویل عملی زندگی میں ظاہر کی۔ انہوں نے اپنا پیرہن کاغذ کے بے خوشبو پھولوں سے نہیں سجایا اور عظمت کا جعلی لبادہ زیب تن نہیں کیا۔ چنانچہ انہیں ملنے کے بعد کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ میں کسی بڑے ادیب سے یا کسی عظمت مآب سے مل کر آ رہا ہوں۔ بلکہ وہ ہمیشہ دوسروں کو عظمت کا احساس دلاتے اور انہیں ایک بڑے امتحان میں ڈال کر خود اپنے اوپر انکسار کی گلیم ڈال لیتے۔ اب جبکہ ان کا جسم خاکی اس دنیا میں موجود نہیں اور وہ پیوندِ خاک ہو چکے ہیں تو احساس ہوتا ہے کہ ابوالفضل صدیقی حقیقی معنوں میں عظیم انسان بھی تھے اور عظیم ادیب بھی۔ اور ایسے ہی لوگوں کی رحلت سے بسا اوقات ویران اور دنیا تاریک ہو جاتی ہے۔

ابوالفضل صدیقی کی زندگی اور ان کی افسانہ نگاری پر نظر ڈالیں تو وہ ہر لحاظ سے ایک با معنی، منفرد اور مثبت کردار کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ وہ ۴ ۔ ۸ ۔ ۱۹۰۸ء میں بدایوں کے جاگیردارانہ ماحول میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب ایہام کے مشہور شاعر غلام مصطفیٰ یک رنگ سے ملتا ہے جو مرزا مظہر جانِ جاناں کے شاگرد تھے۔ اصغر علی صدیقی ضابطؔ اس خاندان کے ایک اور شاعر تھے جن کا زمانہ ۱۸۳۲ء تا ۱۸۹۲ء ہے۔ ابوالفضل صدیقی کے والد چودھری ابوالحسن صدیقی علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور عدالتِ دیوانی میں وکالت کرتے تھے۔ شاعری کا ذوق انہیں بھی تھا اور وہ بصیرؔ تخلص کرتے تھے۔ انہوں نے ابوالفضل کو ابتدائی تعلیم سینٹ جارج اسکول مسوری میں دلائی لیکن سینئر کیمبرج کے بعد علی گڑھ بھیج دیے گئے۔ لیکن وہاں دل نہ لگا اور وہ اپنی جاگیر عارف پور نواده میں مقیم ہو گئے۔ انگریزی مدرسے اور علی گڑھ کے عارضی قیام نے انہیں روشن مزاجی عطا کی، حقیقت کو سائنسی انداز میں دیکھنے کا رویّہ اور انسان دوستی سکھائی۔ دوسری طرف دیہات کے ماحول نے انہیں فطرت شناس بنایا۔ سیر و شکار کی عادت ڈالی۔ باغبانی اور کاشتکاری سے محبت بڑھانے کا سلیقہ سکھایا۔ ان کی شخصیت اور فن کے پسِ پشت بدایوں ایک اہم عقبی دیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن روشن مزاجی اور زندہ دلی کے آثار سینٹ جارج اسکول اور علی گڑھ نے پیدا کیے۔ وہ بیک وقت قدیم بھی تھے اور جدید بھی۔ قدامت سے انہوں نے صحت مند روایات کے تسلسل کو قائم رکھنے کا سبق سیکھا اور جدیدیت سے انہوں نے ہر نئے تجربے اور خیال سے با معنی انداز میں استفادہ کی کاوش کی اور ان عناصر سے ابوالفضل صدیقی کا جو کردار مرتب ہوا اس کی صفات انوکھی اور جاذبِ نظر تھیں، یہ کردار ان کے افسانوں کے عقب سے بھی جھانکتا ہے لہٰذا اپنی شخصیت سے ہی نہیں اپنی تحریروں سے بھی الگ پہچانے جاتے ہیں۔ شکار ان کی شخصیت کا زاویہ ہے۔ کاشتکاری اور باغبانی ان کی تخلیق کے زاویے ہیں اور افسانہ نگاری میں ان سب کا عکس موجود ہے اور دلچسپ حقیقت یہی ہے کہ ان کے آباء و اجداد میں شاعری کا ذوق موجود تھا لیکن انہوں نے پہلی محبت افسانے سے کی اور شاعری کی طرف زندگی بھر نہیں دیکھا۔

ان کی افسانہ نگاری کی ابتدا کی شہادت مختار زمن صاحب نے فراہم کی ہے اور لکھا ہے کہ

"سب افسانہ نگار افسانہ لکھنا شروع کرتے ہیں۔ ابوالفضل صدیقی نے افسانہ کہنے سے شروع کیا۔ رات کا وقت ہے۔ سارا گھر سو رہا ہے۔ دس برس کا لڑکا ابوالفضل لحاف اوڑھے لیٹا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنے سے باتیں کر رہا ہے۔ اس کی پردادی جسے وہ "متا" کہتا تھا آ کر دیکھتی ہیں ـــــ "ارے بھئی! ابوالفضل یہ کس سے باتیں کر رہا ہے تو؟"

"متا! کسی سے نہیں۔ یہاں کون بیٹھا ہے؟"

واقعہ یہ تھا کہ صدیقی صاحب خود اپنے دل سے کہانیاں گھڑ کر اپنے کو سنایا کرتے تھے۔"[2]

خود ان کا قول تھا کہ میرے لیے افسانہ ایک وہبی اور پیدائشی چیز ہے۔ لیکن ان کا پہلا مضمون افسانہ نہیں تھا بلکہ پُرزور قلم تھا ممبرانِ اسمبلی کے غیر سنجیدہ رویّے کے خلاف جو انہوں نے طوائفیت کے پیشے کے زیرِ بحث بل پر اختیار کر رکھا تھا۔ ان کا یہ مضمون دیوان سنگھ مفتون نے اپنے رسالہ "ریاست" میں شائع کیا اور اس کی گونج دور دور تک

۱۔ بحوالہ "قومی زبان" کراچی۔ اپریل ۱۹۸۷ء۔ ص ۱۷

۲۔ مختار زمن۔ ابوالفضل صدیقی ایک تاثر۔ حوالہ ایضاً۔ ص ۱۸

سُنی گئی۔ ابوالفضل صدیقی کا پہلا افسانہ مولانا صلاح الدین احمد کے ادارتی نوٹ کے ساتھ ۱۹۴۰ء میں رسالہ "ادبی دنیا" میں شائع ہوا۔ مولانا کے ابتدائی تعرفی اور تعارفی جملے اتنے موثر ثابت ہوئے کہ ابوالفضل صدیقی مستقل طور پر افسانے کی وادی میں آگئے اور پھر اسی کو اپنے ادبی تشخص کا وسیلہ بنالیا

ابوالفضل نے اپنی زندگی میں کم و بیش تین سو افسانے لکھے اور ان میں سے بیشتر اعلیٰ درجے کے افسانے شمار ہوتے، ان کا آخری افسانہ "نقوش" میں شائع ہوا اور اس پر "نقوش ایوارڈ" دیا گیا[1]۔ ان کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "احرام" ۱۹۴۵ء میں اور ناول "تعزیر" ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا، وہ اپنے سانحۂ ارتحال تک "ادبی دنیا" سے کبھی غیر حاضر شمار نہیں ہوئے۔ افسانے تو ان پر بارش کے قطروں کی طرح مُوسلا دھار برستے تھے لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ ابوالفضل صدیقی نے انہیں کتابی صورت دینے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔ گزشتہ سال کا یہ ادبی واقعہ قابلِ ذکر ہے کہ مشفق خواجہ نے ان کے افسانوں کے تین مجموعے "آئینہ"، "انصاف" اور "جوالا مکھ" بیک وقت شائع کر دئے۔ میں نے "آئینہ" کا پہلا افسانہ پڑھنا شروع کیا جب کراچی سے رخصت ہونے کے بعد میں شالیمار ایکسپریس میں بیٹھ چکا تھا اور "جوالا مکھ" کا آخری افسانہ پڑھ کر کتاب بند کی تو شالیمار لاہور میں داخل ہو رہی تھی۔ میں نے گھر پہنچتے ہی مشفق خواجہ کا شکریہ ادا کیا کہ انھوں نے اس دفعہ مجھے کراچی سے لاہور تک کا طویل سفر ابوالفضل صدیقی کی معیت میں کرنے کا موقع دیا۔ اس سفر کے دوران ابوالفضل صدیقی مجھے روہیل کھنڈ، بدایوں، کھیڑا نواده اور عارف پور نواده اور نہ جانے کہاں کہاں لیے پھرتے رہے۔ اور اپنے مشاہداتِ شیریں سے نوازتے اور سیراب کرتے رہے۔

مجھے احساس ہُوا کہ ابوالفضل صدیقی بنیادی طور پر داستان نگار ہیں۔ وہ اگر واجد علی شاہ کے عہد میں ہوتے تو اس دور کے سب سے بڑے داستان سرا شمار ہوتے۔ ان کا ایک محبوب مشغلہ شکار تھا۔ چنانچہ ان کی زدِ نگاہ میں انسانی تہذیب کے تین ارتقائی زاویے یعنی جنگل، دیہات اور شہر آئے ہیں اور انھوں نے جنگلی ذی روح، دیہاتی آدمی اور شہری انسان تینوں کو موضوع بنا کر بے حد موثر افسانے لکھے ہیں۔ ان کے پیشِ نظر دیہات بھی تھا اور دیہات کی تہذیب بھی۔ ابوالفضل صدیقی نے ان دونوں پر اپنی توجہ زیادہ مرکوز کی اور اس تہذیب کو تمثیلی افسانوں کے ذریعے پیش کیا۔ اُنھوں نے اپنے افسانوں میں اہمیت انسان کو دی ہے اور دیہات کو اس انسان کی فطرت اُجاگر کرنے کے لیے ہی استعمال کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں تعلقہ دار، کسان، جاگیردار، بنئے، جُولاہے، وید، حکیم اور متعدد دوسرے ٹائپ کردار صرف اپنی جھلک ہی نہیں دکھاتے بلکہ اپنے مثالی کردار کی تمام جزئیات کی نقاب کشائی کر دیتے ہیں

ابوالفضل صدیقی نے دیہات کے ماحول کو تین قسم کے عناصر سے زندگی عطا کی ہے:

اوّل، وُہ جاگیردار جو تعلقے کا مالک اور تعلقے میں بسنے والے لوگوں کے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ یہ بظاہر سخت گیر اور جابر ہے۔ لیکن بباطن نرم دل اور ہمدرد خلائق ہے[2]

دوم، وہ پالتو آدم زاد جو اس جاگیردار کے دسترخوان سے ریزے چنتے ہیں اور خدا سے زیادہ جاگیردار کا شکر بجا لاتے ہیں۔ ان کی وفاداری اور خلوص پر کبھی کسی کو شک نہیں ہُوا اور جاگیردار ان کی جاں نثاری کو اپنے تحفظ کے لیے

---

[1] افسانے کا عنوان   [2] اردو افسانے میں دیہات کی پیشکش۔ (انور سدید)۔ ص ۱۵۰۔

استعمال کیا ہے۔

سوم، یہ کسان، مالی اور کاشتکار جو بظاہر کمزور اور بے آسرا ہیں لیکن جن کے اندر بغاوت کی آگ آہستہ آہستہ سلگ رہی ہے۔ ابوالفضل صدیقی نے دیہاتی زندگی کے ان تین زاویوں کو زندگی کے اعلیٰ شعور اور نفسیاتی پیچیدگی کی کامل آگہی سے پیش کیا ہے۔ اور یوں خیر و شر، گناہ اور ثواب اور عدل و انصاف کی دائم صداقتوں کو اجاگر کیا ہے۔

تخلیقی اعتبار سے ابوالفضل صدیقی کی خوبی یہی ہے کہ انہوں نے اپنا مشاہدہ دیہات کے خارج تک ہی محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے بعض ایسے واقعات بھی لکھے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے دیہات کے باطن میں اتر کر [illegible] جبلّت کو دریافت کرلیا جو اپنے قوانین خود وضع کرتا ہے۔ خود ہی ان کا نفاذ کرتا ہے اور جس میں تعلقہ دار شیر ہے اور کسان معمولی بکری کی زندگی گزارتا ہے۔ ابوالفضل صدیقی کے دیہات میں عظمت بھی ہے اور ہیبت بھی، یہ دلآویز بھی ہے اور پُراسرار بھی۔ چنانچہ ان کے افسانوں میں جاں کاہ جراحت کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن وہ زخموں پر مرہم کا پھاہا بھی رکھ دیتے ہیں اور یہ مثبت عمل انہیں اپنے بہت سے معاصر افسانہ نگاروں سے ممتاز بنا دیتا ہے۔

ممتاز مفتی نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کے افسانے بہت طویل، جزئیات بہ کثرت اور جملہ ہائے معترضہ بیشمار ہوتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو ابوالفضل صدیقی کی طوالت افسانے پر بوجھ سا بن جاتی ہے۔ لیکن میں عرض کر چکا ہوں کہ ابوالفضل صدیقی بنیادی طور پر داستان نگار تھے۔ ان کا مشاہدہ وسیع اور گہرا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ اجمال کی پوری تفصیل کو سامنے نہ لے آتے انہیں چین حاصل نہ ہوتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ افسانہ لکھتے لکھتے نہ صرف اس میں کھو جاتے بلکہ اس سے خود بھی مزا لینے لگتے اور ایک مضمون کو سو رنگ میں باندھ چکنے کے بعد بھی سیر نہ ہو سکتے۔ چنانچہ ممتاز مفتی نے لکھا کہ

> "افسانے کا اصل پلاٹ ایک پُرشور چوڑے پاٹ کے دریا کی طرح رواں رہتا ہے۔ لیکن اس میں سے چٹکلوں کی چھوٹی چھوٹی شاخیں اور ندی نالے بھی نکلتے رہتے ہیں۔ افسانے میں ایک دنیا بسی رہتی ہے۔"

مولانا صلاح الدین احمد نے نصف صدی پہلے لکھا تھا کہ

> "دیہات کے موضوعات پر لکھنے والوں میں پریم چند کے بعد ابوالفضل صدیقی دوسرے اہم لکھنے والے نئے افسانہ نگار ہیں لیکن ساتھ ساتھ نثر نگار کی حیثیت سے وہ پریم چند سے بہتر لکھنے والے ہیں اور ان کا جمالیاتی شعور انہیں ایک مختلف افسانہ نگار بنا دیتا ہے۔ فی الحقیقت یہی ابوالفضل صدیقی کی انفرادیت اور یہی ان کا امتیاز ہے۔"

اور ہمارے عہد کے نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی نے حال ہی میں یہ رائے دی ہے کہ

> "ابوالفضل نے ۱۹۳۲ء میں لکھنا شروع کیا اور ۱۹۳۹ء سے وہ مسلسل لکھ رہے ہیں۔ جب ان کا افسانہ "سماج کا شکار" "ادبی دنیا" لاہور میں شائع ہوا تو اس وقت دنیائے ادب میں دو رجحان نمایاں تھے۔ ایک رومانوی رجحان اور دوسرا حقیقت نگاری کا رجحان۔ رومانوی رجحان کے افسانوی

ادب کے نمائندہ سجاد حیدر یلدرم، ل۔ احمد، سلطان حیدر جوش اور نیاز فتحپوری وغیرہ تھے اور
حقیقت نگاری کے نمائندہ پریم چند تھے۔ ابوالفضل نے اپنے معاصرین علی عباس حسینی اور اعظم
کریوی کی طرح یہ دونوں اثرات قبول کیے ہیں لیکن ۱۹۳۶ء کی تحریک کے زیرِ اثر رومانوی اثر
کم ہو گیا ہے اور سماجی شعور، طبقاتی تقسیم اور حقیقت نگاری کے اثرات غالب آ گئے ہیں۔
ابوالفضل نے اس میں یہ اضافہ اور کیا کہ نثر کو کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ زندگی کی حقیقتوں کے ساتھ
ملا دیا ہے۔ اس لیے وہ دوسرے افسانہ نگاروں سے پہلے بھی مختلف تھے اور آج بھی مختلف ہیں
اور وہ اردو زبان کے بڑے افسانہ نگار ہیں۔"

شمیم احمد نے ان کے فن کے دائرۂ اثر کی وسعت کی طرف اشارہ کیا اور لکھا ہے کہ

"ان (ابوالفضل صدیقی) کی کہانیوں میں صرف اس معاشرے کی عکاسی ہی نہیں بلکہ اس پورے
نظام کی ہر کمزوری اور استحصال کے شعور کے ساتھ انسانی اقدار اور اجتماعی شعور کی طرف بڑھتے
ہوئے عمل کو بھی پیش کرنا ان کا مقصد رہا ہے۔ انہوں نے برصغیر کی آبادی کی اکثریت کے معاشی
ڈھانچے، زرعی نظام، زرعی نظام کے مظاہروں، زرعی نظام کے جانوروں، وسیلوں اور طبقاتی مطالعے
کے ہر اس پہلو کو اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے جس کو ایک بھرپور زندگی کا مطالعہ کہا جا سکتا ہے
اس مطالعہ میں صدیقی صاحب نے اپنی زندگی کے تقریباً ۵۵ سال لگا دیے۔"

یہ چند اقتباسات اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے فن کا اثبات ان کی تخلیقی زندگی کی ابتدا میں بھی کیا گیا تھا اور اس کا
اعتراف مارچ ۱۹۸۰ء میں عوامی سطح پر ایک بڑے جلسۂ عام میں بھی کیا گیا جب ان کی عمر ۸۰ برس کی ہو چکی تھی اور جب
انھوں نے ایک مخصوص دھمک سننے کا اعلان بھی کرنا شروع کر دیا تھا۔

"دھمک" کا ذکر آیا ہے تو اس واقعہ کی وضاحت ضروری ہے جسے ڈاکٹر جمیل جالبی اور مختار زمن نے بیان
کیا ہے اور جن کی شہادت میں ابن الحسن اور سلمیٰ زمن شامل ہیں۔ میں یہ واقعہ یہاں مختار زمن کی زبان میں پیش کرتا ہوں،

"یہ غالباً ۱۹۸۳ء کا قصہ ہے۔ ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے: "دیکھو میاں! دھمک سن
رہا ہوں۔ بس آیا ہی چاہتا ہے۔" پوچھا: "کون آیا چاہتا ہے؟" بولے: "موت کا فرشتہ اور کون!"
میں نے کہا: "بڑے بھائی! کیسی باتیں کرتے ہیں۔ ابھی تو آپ بہت دن جئیں گے!" بولے: "میاں!
معلوم ہے میرا زائچہ بنا رکھا ہے۔ بدایوں میں ایک پنڈت گوپی ناتھ تھے۔ ۸۰ برس کا بڈھا برہمن۔
سفید چک داڑھی۔ وہ ہمارے سب گھر والوں کے زائچے بنایا کرتا تھا اور اکثر باتیں صحیح نکلتی تھیں۔ میری
پیدائش کے وقت اس نے والد سے کہا: "وکیل صاحب! ذرا بچے کو جا کر دیکھو اس کے بائیں ہاتھ پر
پدم (مسّہ) ہے یا نہیں۔ والد صاحب جھٹ زچہ خانے میں گئے۔ دیکھا تو پدم موجود تھا۔ دیکھو اب بھی ہے
اسی نے زائچہ بنا کر کہا: "میں رائٹر بنوں گا اور ۶۶ سال بعد ۱۹۸۴ء میں فلاں تاریخ کو مر جاؤں گا۔"
میں نے کہا: "چھوڑیے۔ آپ بھی کس وہم میں پڑ گئے۔" بولے: "میاں! اب تک اکثر باتیں صحیح نکلیں۔
یوں پل دو پل کے فرق سے غلطی ہو سکتی ہے۔" مجھے خیال ہوا کہ کہیں ان پر کوئی نفسیاتی ردِ عمل نہ
ہو جائے۔ چنانچہ میں نے اور جمیل جالبی صاحب نے مشورہ کیا کہ اس خاص تاریخ کو ۱۲ بجے رات تک
ہم انھیں اپنے ساتھ رکھیں گے۔ جب تاریخ گزر جائے گی تب چھوڑیں گے۔"

اب کیا مضائقہ ہے کہ اسی "دستک" کی بقیہ کہانی ڈاکٹر جمیل جالبی کی زبان میں پیش کی جائے۔ جالبی صاحب لکھتے ہیں کہ

"۳ مئی کی رات کو بارہ بجے ہم ان کے ہاں پہنچے اور کہا کہ "ہم موت کے فرشتے کی تلاش میں آئے ہیں۔
کیا وہ آ چکا ہے یا آنے والا ہے؟ وہاں کے اور یہاں کے وقت میں تو کچھ فرق نہیں ہے؟ بہت
ہنسے۔ پھر ہمارے ساتھ گھر کے باہر سڑک پر ٹہلتے رہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سر کا بوجھ اتر گیا ہے۔ اور
وہ اب ہلکے پھلکے ہو گئے ہیں۔"

پنڈت گوپی ناتھ کا زائچہ واقعی غلط تھا اور زندگی نے انھیں مزید بارہ برس دے کہ وہ اپنے مشاہدات اور تجربات کو
کہانیوں کا روپ دے سکیں اور زندگی اور معاشرے سے انھوں نے جو کچھ حاصل کیا ہے اسے افسانوں کی صورت میں
زندگی اور معاشرے کو واپس کر دیں۔ ابوالفضل صدیقی نے اس قرض کو ایک دیانت دار ادیب کی طرح ادا کیا اور اس عرصے
میں اپنے فن کی ایک ایسی جہت بھی دریافت کی جس کی طرف کسی نقاد نے تا حال توجہ نہیں دی حالانکہ یہ ان کی افسانہ نگاری
ہی کی طرح اہم ہے۔ میری مراد ابوالفضل صدیقی کی خاکہ نگاری سے ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد سے لے کر محمد طفیل تک اردو خاکہ نگاری نے متعدد مدارج طے کیے ہیں۔ ابتدا میں یہ فن
شخصیت کا مرقع تیار کرنے کا فن شمار ہوتا تھا۔ فرحت اللہ بیگ اور عصمت چغتائی نے اس میں شخصیت کے منفی پہلوؤں
کو اس محبت سے پیش کرنے کی کاوش کی کہ شخصیت خامیوں کے باوجود پیاری محسوس ہونے لگی۔ مولوی عبدالحق اور
رشید احمد صدیقی کے شخصیت نامے ایک دفعہ پھر اس فن کو مرقع نگاری کے مدار میں لے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ممدوح تہذیبی
زاویوں سے دریافت کرنے اور اسے رحمۃ اللہ علیہ کی کھونٹی پر لٹکانے کی روش عام ہو گئی۔ منٹو کے خاکے اس رجحان سے
بغاوت اور انحراف کی مثالیں ہیں۔ انھوں نے حقیقت کو اس جراحت سے پیش کیا جس جراحت کو انھوں نے شخصیت
سے دم ملاقات محسوس کیا تھا۔ چنانچہ اب خاکہ نگاری سے حسن درگزر کا زاویہ معدوم ہو گیا اور خاکہ نگار نے شخصیت پر غالب
آنے کی کوشش شروع کر دی۔ محمد طفیل نے خاکہ نگاری میں چاول پر "قل ہو اللہ" لکھنے کا عمل اختیار کیا اور جراحت آمیز
حقیقت کو چھپانے کے بجائے اسے زیر سطح اور بین السطور رکھنے کی کاوش کی اور دوہرا ذائقہ پیدا کیا۔ ان کے خاکے سے
ممدوح ناراض نہیں ہوتا لیکن قاری شخصیت کے بعض معکوس زاویوں سے بھی روشناس ہو جاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ
وہ ایسی کفایت لفظی سے کرتے ہیں کہ "صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابوالفضل
صدیقی کی خاکہ نگاری میں اجمال کو تفصیل سے پیش کرنے کی روش نمایاں ہے۔ وہ شخصیت کو دریافت نہیں کرتے۔ اس
کے گرد و پیش کی بازیافت بھی کرتے ہیں۔ اور اس عمل میں شخصیت کا خاندان، بیوی بچے اور آبا و اجداد ہی زیر بحث
نہیں آتے بلکہ شخصیت کے دوست، ان کے اہل خانہ، محلہ دار اور محلے کے دکاندار بھی ان کے خاکے کے مدار میں کھنچے چلے آتے ہیں یا
داخل ہو جاتے ہیں اور ابوالفضل صدیقی کی تنہا شخصیت کا وصف تھا کہ جو شخص بھی ان کی طرف محبت کا ہاتھ بڑھاتا وہ
اسے اپنے ذرا تنگ دامن میں بٹھا کر چلنے پلانے بغیر جانے نہیں دیتے تھے اور ان کا حافظہ اتنا قوی تھا کہ جس سے
ایک دفعہ ہاتھ ملا لیتے تھے اس سے ملاقات کی تمام جزئیات کو ذہن میں محفوظ رکھتے اور بوقت ضرورت ان جزئیات کو خاکے میں
مناسب مقام پر جگہ دے دیتے۔ چنانچہ ان کا خاکہ محض خاکہ نہیں ہوتا بلکہ شخصیت کی پوری تاریخ ہوتا ہے۔ اور ہم ایک
خاکے میں بیک وقت کئی شخصیات کے ظاہر و باطن سے آشنا ہو جاتے ہیں۔ مولانا صلاح الدین احمد، سید عابد علی عابد،
ڈاکٹر جمیل جالبی اور ضیا جالندھری پر ان کے مضامین اسی نوعیت کے ہیں کہ انھیں خاکہ کہنے کے بجائے شخصیات

شخصیت کے قاری کو دینا چاہیے۔ ابوالفضل صدیقی کے اس عمل میں بھی ان کی داستان سرائی کا فن اپنا جادو جگاتا ہے۔ وہ شخصیت کو داستان کا کردار تصور کرتے ہیں اور پھر اپنی معلومات کو اس طریقے سے پیش کرتے ہیں کہ شخصیت کے ساتھ اس کا عہد اور گرد و پیش بھی روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ خاکہ نگاری کا یہ انداز ہمیں شاہد احمد دہلوی کے ہاں بھی نظر آتا ہے لیکن اس انداز کو عروج پر تو یقیناً ابوالفضل صدیقی نے عطا کیا تھا۔ وہ بڑی آسانی سے شخصیت کو ادب کی داستان کا ہیرو بنا دیتے تھے اور خاکے کو سوانحی داستان!

میں نے اس مضمون کی ابتدا میں لکھا ہے کہ ابوالفضل صدیقی میں ایک انوکھے کردار کی خوبیاں موجود تھیں۔ وہ اہلِ دنیا سے مختلف قسم کے انسان نظر آتے تھے اور وضع قطع سے ہی نہیں عادات و اوصاف کے اعتبار سے بھی ان کا انداز جداگانہ تھا۔ میں ان کا خاصا پرانا قاری اور شیدائی تھا۔ لیکن ان سے پہلی ملاقات چند سال قبل اہلِ قلم کانفرنس میں ہوئی اور اپنا تعارف نام لے کر کرایا تو حیران رہ گیا کہ وہ میرے نام ہی سے نہیں کام سے بھی واقف تھے اور انہیں یہ بھی یاد تھا کہ میں نے "اردو زبان" کے کسی ابتدائی پرچے میں لکھا تھا کہ اسلامیہ کالج لاہور میں ضیا جالندھری میرے انگریزی کے استاد تھے۔ اس کانفرنس میں انتظامیہ نے ادیبوں کے قیام اور طعام کا بہت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ ایک پانچ ستارہ ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھانے کی میز سجی تھی۔ پاکستان کے عظیم ادبا انواع و اقسام کے کھانوں سے یوں نبرد آزما تھے جیسے پانی پت کے میدان میں مغل لودھیوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئے تھے۔ ہر ادیب اس کھانے کو اپنی زندگی کا آخری کھانا سمجھ کر جھپٹ رہا تھا اور پلیٹ پر پیٹ کھانے کا قطب مینار کھڑا کرتا۔ اس قطب مینار کو پیٹ میں اتارتا اور پھر دوبارہ میز پر جھپٹ پڑتا۔ ابوالفضل صدیقی ہجوم کی اس نفسانفسی کو ایک طرف کھڑے ہو کر دیکھ رہے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک خالی پلیٹ تھی۔ بہت دیر تک یہ پلیٹ خالی ہی رہی اور انہیں میز کی طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی تا آنکہ ادبائے کرام نے پسپائی اختیار کی اور کھانے سے بھری ہوئی میز پر ان کا منہ چڑانے لگیں۔ تب ابوالفضل صدیقی صاحب نے پلیٹ میں تھوڑا سا سلاد ڈالا۔ کچھ دہی لیا۔ پلیٹ کے ایک کونے میں تھوڑا سا سالن انڈیلا اور نان کا آدھا ٹکڑا لے کر ایک طرف ہو گئے۔ ایک نوجوان ادیب نے دریافت کیا:

"صدیقی صاحب! بس اتنا سا کھانا!"

اور وہ بڑے اطمینان سے بولے:

"میاں! زندہ رہنے کے لیے تو اتنا ہی کافی ہے۔"

پھر کہنے لگے کہ:

"انسان کا ظرف کھانے کی میز پر سامنے آتا ہے۔ بیشتر لوگ صرف کھانے کے لیے زندہ ہیں، وہ زندہ رہنے کے لیے نہیں کھاتے۔"

اچھا کھانا ابوالفضل صدیقی کا ذوق تھا۔ وہ بہت خوش خوراک بھی تھے۔ اچھے کھانے سے ان کا عشق بہت پرانا تھا لیکن کھانے کی میز پر جب طرز تپاک اہلِ دنیا دیکھتے تو بس مسکرا کر رہ جاتے۔ چنانچہ بعض نے اپنا کھانا ان کے حصے کا اٹھا لیا تھا۔ ہر کھانے کے وقت ایک پیالی چائے کے ساتھ دو توس لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھتّر سال کی عمر کے ساتھ کھاتے تھے۔ اور شام کا کھانا چھ بجے کھا لیتے تھے۔ آخری دنوں میں کچھ پیٹ کی بلڈ پریشر کی [illegible] استعمال کرنے لگے تھے۔ [illegible]

ایک پچھتر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ الدرسہ

کر دی تو جبیں کی روئی کمانے لگے۔ زیابیطس کی شکایت رفع ہو گئی تو مختار زمن نے ایک جلسے میں اس واقعے کو یوں سمیٹا:

"ان کے بے پناہ زندہ دلانہ ذہن کے آگے مشکل کی ذہنیات نہیں ٹھہر سکیں۔"

ڈاکٹر جمیل جالبی نے "طرح مصرع" کے طور پر لکھا ہے کہ ان کے پاس ۱۲۲ قلم ہیں جن کے وہ بلا شرکت غیرے مالک ہیں: "اس طرح" پر ان کے ایک ہم جلیس نے مرصع غزل لکھ دی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"لکھتے وقت ان کے پاس لکڑی کا ایک بڑا صندوقچہ رکھا رہتا ہے۔ میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ "بھئی بھائی! کسی نہ کسی دن مجھے آپ کا صندوقچہ چرانا ہے۔" اپنے خاص انداز میں مسکرا کر کہتے ہیں: "میاں! صندوقچے کے پاس میرا پستول بھی رکھا رہتا ہے۔ وہ دیکھا ہے؟"
"آپ کو معلوم ہے اس صندوقچے میں کیا ہے؟ اس میں تقریباً پونے تین سو فاؤنٹین پن رکھے ہیں۔ صاحب قلم تو کیا وسیع قلمرو کے کسی حکمران کے پاس بھی شاید اتنے قلم نہ ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ جب سے فاؤنٹین پن ایجاد ہوئے ہیں صدیقی صاحب نے انھیں خرید کر جمع کرنا شروع کر دیا ہے۔ پارکر، بلیک برڈ، مونٹ بلانک، شیفرز، ہر ماڈل، ہر رنگ اور ہر سائز کے قلم اس صندوقچے میں بھرے ہوئے ہیں۔ بعض لیلیٰ کی انگلیوں کی طرح پتلی اور نازک۔ بعض سہارن پوری پونڈے (گنّے) کی طرح بانس کے بانس۔ صدیقی صاحب باری باری سب سے لکھتے ہیں۔ ہمیشہ بڑھیا کاغذ استعمال کرتے ہیں۔ خط اتنا خوب صورت جیسے کاغذ پر موتی رول دیے ہوں۔ لیکن انداز تحریر کچھ اس قسم کا ہے کہ اس خط کا پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے سیپی سے موتیوں کا حاصل کرنا۔ یہ ہر معمولی کاتب کے بس کا کام نہیں۔ ان کے خاص کاتب ہیں!"

مجھے یاد ہے کہ ڈاکٹر جمیل جالبی پر انھوں نے معرکہ آرا سوانحی خاکہ لکھ کر ڈاکٹر وزیر آغا کو بھجوایا تو "اوراق" کے کاتب ملین شیرازی ہزار کوشش کے باوجود اسے پڑھ نہ سکے اور یہ کراچی کے اس خاص کاتب سے لکھوانا پڑا جو ان کا سر او خط پڑھنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ ان کا خط بے حد پختہ تھا۔ لیکن پتے لگانے کی طرح اس خط کے ساتھ بھی ریاضت کے بعد ہی مؤانست پیدا ہوتی تھی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے لکھا ہے کہ "ابھی تک ابو الفضل صدیقی کی صرف کسی قدر تحریریں کتابی صورت میں شائع ہوئی ہیں۔ ان کی تحریروں کے غیر مطبوعہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صدیقی صاحب خط شکستہ میں لکھتے تھے اور ان کا مسودہ نئی نسل کے بے علم کاتب عام طور پر پڑھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ اسی لیے ان کی اشاعت دیدہ ور کرام کے لیے ایک اور مشکل مسئلہ بن کر رہ گئی۔"

ابو الفضل صدیقی کے کردار کی ایک اور خوبی ان کی بذلہ گوئی اور بذلہ سنجی تھی۔ ان کا جملہ ہر سادہ و سیدھا رنگ [illegible] اس کے پس منظر میں خود کوئی واقعہ ہوتا اور اس واقعے سے یہ جملہ نہ صرف جگمگا اٹھتا بلکہ اس سے بشاشت [illegible] اور ان جملوں سے ان کی زندگی بھر کا تجربہ بھی ضرب المثل کی طرح عکس فگن ہو جاتا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی [illegible]
[illegible] "میاں! دیکھو مرغا کس طرح سے اذان دیتا ہے۔ عام مرغا کتنا بے [illegible]

گاؤں، داتا گاؤں۔ لیکن بعض مرغے منحوس ہوتے ہیں اور جب اذان دیتے ہیں تو کہتے ہیں چوپٹا گاؤں، چوپٹا گاؤں۔ جو مرغا "چوپٹا گاؤں" کی بانگ لگاتا ہے تو اس کے مالک سے نہ صرف مرغا لے لیا جاتا ہے بلکہ چاول، گھی اور شکر یا بھی لیا جاتا ہے تاکہ دیہات کے تبارک کے لیے اس منحوس مرغے سے نجات حاصل کرلی جائے۔ اور میاں دیکھو! عام طور پر کسان کا مرغا "چوپٹا گاؤں" کی بانگ لگاتا ہے جبکہ زمیندار کا مرغا "داتا گاؤں" کی!

ان کا یہ جملہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ،

"میاں! گھوڑا اور بھوڑا ہاتھ پھیرنے سے بڑھتا ہے!"

وہ مون کو کرکٹ کی کمینٹری سننے کے لیے ریڈیو اور ٹیلی وژن کے گرد بیٹھا دیکھتے تو بے اختیار کہتے،

"شکاری شکار کھیلیں اور احمق پیچھے پیچھے پھریں۔"

مختار زمن کو بتا رہے تھے کہ "وہ علی گڑھ بھیج دیے گئے تو وہاں ان کا دل نہ لگا۔" زمن صاحب کو شرارت سوجھی اور قبول تھے انہوں نے ان کی خدمت میں گستاخ ہوکر پوچھا: "پھر دل کہاں لگا؟"

بولے: "بس صفدری اور جعفری سے!"

زمن نے کہا: "بہت خوب، پچھڑی اور دو دو! یہ محترمائیں آپ کو کہاں مل گئیں؟"

ابوالفضل بولے: "میاں! دو بندوقیں تھیں بارہ بور کی۔ بڑی اچھی مار تھی ان کی۔ میرے ہاتھ پر چڑھی ہوئی تھیں!"

آموں سے ابوالفضل صدیقی کی محبت کے قصے مشہور رہیں۔ کہا کرتے تھے کہ "ہمارے گھر کی کوٹھڑی میں آم بھرے رہتے تھے۔ میں صبح سے اٹھ کر کھانا شروع کر دیتا تھا۔ دن بھر کھاتا۔ رات کو چارپائی کے پاس دونوں طرف آموں سے بھری ہوئی بالٹیاں رکھ لیتا اور اکثر آم کا رس نکھری چارپائی پر اور بدن پر مل لیتا تاکہ آموں کی خوشبو بسی رہے۔"

مختار زمن نے ایک دفعہ اپنے گھر میں آم کے دو تین پودے لگائے تو صدیقی صاحب بہت خوش ہوئے۔ پودوں کو دیکھا۔ ہر پودے کے پتے کو توڑا، مسلا اور سونگھا۔ پھر ایک پودے کے متعلق بولے،

"آمن ہے!"

زمن حیران ہوئے کہ "آمن" کیا ہوتا ہے! پوچھا: "بڑے بھائی! کیا فرمایا؟"

ابوالفضل بولے: "یہ آمن ہے یعنی ولایتی ہے!"

زمن صاحب نے کہا: "بڑے بھائی! کمال ہے آپ آموں کی جنس سے آئے۔" [illegible]

[illegible]

زمن صاحب [illegible]

[illegible]

[illegible]

۲۰ ستمبر کی خوشگوار صبح کو جب احمد جمال پاشا صاحب معمول اپنے عزیز شاگرد ظفر کمالی کے ہمراہ ہنستے مسکراتے میرے گھر آئے تو مجھے قطعی یہ اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ نہ صرف بیمار ہیں بلکہ ملک الموت نے انھیں صرف بیس بائیس گھنٹوں کی مہلت دے رکھی ہے۔ انھوں نے آتے ہی پہلے تو ہاتھ ملایا، پھر گلے ملے اور اس کے بعد ناشتے کی فرمائش کر دی۔ میں نے ازراہ مذاق کہا کہ میں تو ناشتہ کر چکا ہوں اور اب باہر نکلنے کی تیاری میں ہوں۔ پھر کیا تھا، نہایت رقت آمیز لہجے میں میزباں اور مہمان کے رشتوں اور مہمان داری کے دینی و دنیاوی فوائد پر تقریر شروع کر دی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں فوری طور پر چائے اور اس کے بعد بہترین ناشتے کا انتظام کروں۔ میں نے ان سے بھی زیادہ سنجیدگی کے ساتھ انھیں صبر کی تلقین کی اور اطمینان سے بیٹھنے پر آمادہ کر لیا۔ پھر چائے آئی اور ناشتے کا دور چلا جس کے دوران خوش گپی بھی ہوتی رہی۔ بات ادب سے چل کر سیاست کی طرف آئی اور پھر ملک کے موجودہ حالات تک پہنچی۔ مرحومین میں سے شوکت تھانوی، اعظم کریوی، رشید احمد صدیقی، قاضی عبدالودود اور ملکہ تونسوی کی یاد آئی، زندوں میں سے آل احمد سرور، محمد حسن، قمر رئیس، عنوان چشتی، شاہد علی خاں اور یوسف ناظم کا ذکر ہوا۔ اندرا گاندھی کے تذکروں، لکھنؤ کے ادبی، صحافتی اور سیاسی حلقوں کے قصوں اور علی گڑھ کے ادبی ہنگاموں کی یاد نے مجھے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہونے دیا۔ خود انھوں نے ہاتھ دھونے کی بھی زحمت گوارا نہ کی اور ایک کے بعد ایک لطیفے سناتے رہے۔ مجھے معلوم تھا کہ اب وہ گھنٹوں اسی طرح سنجیدہ ترین موضوعات کو چٹکیوں میں اڑاتے رہیں گے اس لیے میں نے اپنی تمام مصروفیات بلا نوٹس منسوخ کر دیں لیکن کوئی سات آٹھ سگریٹ جلانے اور تقریباً اتنے ہی لطیفے سنانے کے بعد انھوں نے خلاف معمول واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا مگر اسی بیچ اسرار جامعی آ گئے۔ پھر روئے سخن ان کی طرف ہو گیا۔ پہلے تو فرمانے لگے:

"کیوں علامہ! یہ حمل حرام کی طرح آپ کا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟"

اس کے بعد انھیں مشاعروں میں کامیابی کے نسخے بتانے لگے۔ بیچ بیچ میں ایک دو شعر میری طرف بھی اچھال دیتے جنھیں میں ہنس کر جھیل جاتا۔ تقریباً سوا بارہ بجے انھوں نے گویا آخری مد تک کے طور پر کہا:

"یار آپ تو عظیم آباد کی عزت خاک میں ملانے پر تلے ہوئے ہیں۔ اتنی دیر سے علامہ فخر النعد میاں موجود ہیں اور آپ نے چائے تک نہیں پلوائی۔"

امر تمہارا اسی لیے بھیجنے پر خفا ہو گئے۔ میں ہنستے ہوئے چائے لانے چلا گیا لیکن چائے کا آخری کپ ان کی قسمت میں نہ تھا۔ چائے آئی، انھوں نے پیالی اٹھائی اور پھر واپس رکھ کر باتھ روم کی طرف چلے گئے۔ واپس آئے تو کچھ گھبرائے ہوئے تھے۔ میں نے کہا خیریت؟ مسکراتے ہوئے کہنے لگے:

"یار! یہ بلڈ پریشر کل سے تنگ کر رہا ہے۔ میں ابھی اس کا دماغ درست کرتا ہوں۔"

پھر وہ بستر پر لیٹ گئے اور پسینے کی شدت سے یکے بعد دیگرے کپڑے اتارنے لگے۔ میں نے کسی نامعلوم احساس کے تحت فوراً ایک ڈاکٹر بلوایا جس نے دیکھتے ہی اسپتال لے جانے کا مشورہ دیا۔ اندرا گاندھی انسٹی ٹیوٹ آف کارڈیالوجی میں ان کی نبض کے ساتھ ہمارے دل بھی ڈوبتے ابھرتے رہے۔ ڈاکٹروں نے بتایا کہ اپنی مضبوط قوت ارادی کے سبب وہ موت کی سرحد چھو کر لوٹ آئے ہیں۔ اسی دوران ان کی علالت کی خبر سن کر ڈاکٹر عابد رضا بیدار وہاں پہنچ گئے تھے، پھر سید عسکری، احمد یوسف اور ظہیر صدیقی آئے۔ اور اس کے بعد تو لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ لیکن وہ کسی کو دیکھتے کب تھے؟ جب کبھی ہوش آتا اور کچھ بولنے کی کوشش کرتے تو ہم لوگ اشارے سے منع کرتے۔ جواباً مسکرا کر بڑی معصومیت سے بس اتنا ہی پوچھتے کہ میں بالکل خاموش رہوں تو کیا اچھا ہو جاؤں گا؟ ہم لوگ انھیں یقین دلاتے کہ ان شاء اللہ آپ جلد ہی اچھے ہو جائیں گے۔ پھر وہ آنکھیں بند کر لیتے اور ہم لوگ بارگاہ خداوندی میں دست دعا دراز کر دیتے۔ مگر دو ستمبر کی صبح انھوں نے ایک بار اسی طرح آنکھیں بند کیں تو پھر قیامت تک کے لیے سو گئے۔ بیگم سرور جمال اور ان کے دوسرے عزیز و اقارب پٹنہ سے پہنچ چکے تھے، پروفیسر ممتاز احمد، پروفیسر مغنی خاں، ڈاکٹر عابد رضا بیدار، ڈاکٹر سید عسکری، ڈاکٹر حسنین، اسلم آزاد، رضوان احمد اور روش صدیقی وغیرہ بھی آگئے تھے۔ ان کے جسد خاکی کو پٹنہ لے جانے کی تیاریاں ہونے لگیں اور [illegible] سے پٹنہ کے لیے رخصت ہو گئے۔

ان کے موت سے کچھ دن قبل آل انڈیا ریڈیو والوں نے مجھ سے پوچھا کہ وہ پہلی بار [illegible] کب [illegible] ۱۹۷۹ میں غالب صدی سیمینار میں یا اس سے کچھ پہلے۔ لیکن یہ تو [illegible] جب بھی ملاقات ہوتی تھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ صدیوں سے [illegible] ہی [illegible] سیاسی دنیا [illegible] انھوں نے کتابیں [illegible]

جیسا ہوتا۔ بہار کے باصلاحیت مگر گمنام ادیبوں کو اردو دنیا کے نقشے پر نمایاں کرنے کے لیے انھوں نے برابر کوشش کیں۔ انجم مانپوری کے بارے میں ایک ضخیم خاص نمبر نکالنے کا وہ مدتوں سے منصوبہ بنا رہے تھے اور اس کے لینے کے لیے کافی مضامین فراہم کر چکے تھے۔ ذکی انور مرحوم کے افسانوں کا مجموعہ شائع کرنے کے لیے انھوں نے کئی بار مجھے توجہ دلائی اور یہاں تک کہا کہ وہ اس کی اشاعت کا نصف خرچ برداشت کر سکتے ہیں۔ یہ عنایت خاص صرف بہار کے ادیبوں تک محدود نہ تھی۔ ادیب خواہ آتر پردیش کا ہو، کرناٹک یا مہاراشٹر کا، وہ ایسی تندہی سے اس کی دیکھ بھال کرتے تھے جیسے جوہری اپنے نگینوں کی۔ نوجوان ادیبوں پر خاص طور سے نظر رکھتے تھے۔ کسی طالب علم میں لٹریچر کا تھوڑا سا بھی ذوق دیکھتے تو ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ جاتے۔ پہلے اس کے لیے پسندیدہ موضوع پر کتابیں فراہم کرتے اور پڑھواتے۔ پھر لکھنے کے لیے اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اس کے مضامین کی اشاعت کے لیے مدیروں کو خط لکھتے اور کبھی کبھی کتابوں کی اشاعت کے لیے اپنے پاس سے روپے دیتے۔ جب کبھی ایسے کسی نووارد کو آن کے ساتھ دیکھ کر میری نگاہوں میں کوئی سوال ابھرتا تو بڑے پر لطف اور والہانہ انداز میں کہتے :

"ابھی ایسے پھنسا رہا ہوں۔ ایک بار ادب کا چسکا پڑ جائے پھر نکل نہیں سکتا۔"

ادب سے اپنی اسی دلچسپی کے سبب انھوں نے مختصر سے عرصے میں سیوان کی مردم خیز سرزمین میں ایک بار پھر ادبی سرگرمیوں کے لیے قوت نمو پیدا کر دی تھی۔

ادب اور اہل ادب دوستوں سے ان کی یہ وابستگی عشق کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ شاید اسی لیے صف اوّل کے ادیبوں میں شامل ہونے کے باوجود ان کے ناز و انداز بڑے ادیبوں جیسے نہیں تھے۔ فائیو اسٹار ہوٹلوں سے لے کر منٹ پاتھ پر لگے ہوئے ٹی۔ اسٹالوں تک میں وہ بیٹھ جاتے اور جبیں پر ہلکی سی شکن تک نہ آتی۔۔ جولائی ۱۹۸۳ء میں حکومت ہند کی منسٹری آف انفارمیشن اینڈ براڈکاسٹنگ کی ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے ہم دونوں دہلی پہنچے۔ دیر رات گئے جامعہ ملیہ کے دوستوں سے ملنے کے بعد قیام کی فکر ہوئی۔ ہوٹل تو کوئی ملا نہیں البتہ نظر برنی مل گئے اور ان کے توسط سے غالباً یونیورسٹی کے یونین آفس میں ایک کمرہ مل گیا۔ برسات کے دن تھے اور کمرے میں سیلن خاصی تھی۔ اس پر سے مچھروں کا حملہ۔ میرے ساتھ تو یہ معاملہ ہوا کہ کروٹیں بدلتے رہے ساری رات ہم۔ مگر پاشا صاحب رات بھر خراٹے لیتے رہے۔ دوسرے دن میں نے ہوٹل چلنے کا ارادہ ظاہر کیا تو وہ وہیں رہنے پر بضد ہو گئے۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے "نظر برنی کی دل شکنی ہوگی۔" میں اتفاق سے اسی شام پٹنہ واپس آگیا۔ وہ شاید دو تین دنوں تک اسی کمرے میں مقیم رہے، اور مچھروں سے رزم آرائی کرتے رہے۔ [illegible] اس کے بعد کئی بار نظر برنی کے گھر بھی ٹھہرے۔ ایک دن میں نے مذاقاً کہا کہ مجھ کو تو [illegible] یہاں بھی بہت ہیں۔ کہنے لگے "اگلی بار دس ٹھہروں گا؟"

سچی بات تو یہ ہے کہ دل شکنی انھیں آتی ہی نہ تھی۔ دردمندی اچھی چیز ہے مگر وہ ضرورت سے کچھ زیادہ ہی دردمند دل لے کر پیدا ہوئے تھے۔ دوستوں کی تو بات الگ ہے، کوئی انجان تک بھی دست سوال دراز کرتا تو اس کی حاجت روائی کو اپنا فرض سمجھ کر جان ہتھیلی پر لیے پھرتے۔ سفر سے بے حد بھاگتے تھے لیکن کسی غریب لڑکی کا رشتہ طے کرنے، کسی دوست کے لڑکے کا داخلہ کرانے یا کسی پڑوسی کو نوکری دلانے کے لیے دور دراز کا بھی سفر کرنے کو تیار ہو جاتے واپس آتے تو ہفتوں پریشان رہتے۔ میں بھلا کس منہ سے انھیں اس پریشان حالی سے باز رہنے کا مشورہ دیتا مگر کبھی کبھی چچا غالب کے حوالے سے سمجھانا چاہا کہ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند　　کس کی حاجت روا کرے کوئی

وہ بھلا کب ماننے والے تھے۔ جہاں تک بن پڑا ہر ضرورت مند کی دامے، درمے، قدمے، سخنے پردہ داری کے ساتھ مدد کرتے رہے۔ ابھی پچھلے دنوں بہار کے مختلف علاقوں میں خوفناک سیلاب آیا تو ریلیف کے کپڑے خود اپنے کندھوں پر لاد کر مصیبت زدگان کو پہنچائے۔ کسی نے ہمدردی جتائی تو کہا ــــ "پل صراط طے کرنے کی پریکٹس کر رہا ہوں!"

احمد جمال پاشا کی ادبی اور صحافتی زندگی کا آغاز طالب علمی کے دور سے ہو گیا تھا۔ علی گڑھ میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے "اسکالر" کا "پیروڈی نمبر" نکالا جو اردو میں اپنی نوعیت کا پہلا نمبر ہے۔ سنہ ۱۹۵۰ء سے انھوں نے مزاحیہ مضامین لکھنے شروع کیے لیکن انھیں شہرت "ادب میں مارشل لا" اور "کپور ایک تحقیقی و تنقیدی مطالعہ" سے ملی۔ ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا پہلا مجموعہ "اندیشۂ شہر" کے نام سے چھپا۔ "لذت آزار"، "ستم ایجاد"، "مضامین پاشا" اور "چشم حیراں" کے بعد ان کے طنزیہ و مزاحیہ مضامین کا تازہ ترین مجموعہ "پتیوں پر چھڑکاؤ" کے عنوان سے منظر عام پر آیا۔ اس کا انتساب فکر تونسوی کے نام تھا اور مقدمہ پروفیسر وہاب اشرفی نے لکھا تھا۔ غالب پر لکھے گئے ان کے مزاحیہ مضامین "غالب سے معذرت کے ساتھ" کے عنوان سے اور ظرافت نگاری سے متعلق تحقیقی و تنقیدی مضامین "ظرافت اور تنقید" کے نام سے چھپے۔ "دنیا کی نوک کہانیاں"، "بہادر شہا"، "طلسمی یاقوت" اور "بالشتیے کی کشتی" وغیرہ بچوں کے لیے لکھی گئی کتابیں ہیں۔ ان میں سے آخری کتاب ہندی میں بھی شائع ہوئی۔ مجموعی طور پر ان کی کوئی اکتالیس کتابیں مطبوعہ ہیں اور چھ غیر مطبوعہ۔ اس کے باوجود اگر غور سے دیکھا جائے تو احمد جمال پاشا نے لکھا زیادہ اور چھپا کم ہے۔ حالانکہ آج کل زیادہ تر ادیب اس کے برعکس کر رہے ہیں۔

پچھلے دس بارہ سالوں سے وہ ذکیہ آفاق کالج کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہو گئے تھے۔ لیکن بنیادی طور پر وہ معلم کم اور طالب علم زیادہ تھے۔ ان کا مطالعہ بھی انکل الا بہت کی طرح وسیع تھا کیونکہ وہ کتابیں صرف جمع نہیں کرتے تھے پڑھتے بھی تھے۔ کتابیں پڑھنے کا انھیں چسکا نہیں ہوکا تھا۔ جہاں کسی نادر کتاب یا مسودے پر نظر پڑی اسے کسی نہ کسی طرح حاصل کر کے [illegible] کرنے [illegible]

کبھی ان پہلک سے معزور صرف کرتے اور کوئی اچھی کتاب مل جاتی تو اس طرح اس کی حفاظت کرتے جیسے سرمایہ دار اپنے بینک بیلنس کی کرتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ انھوں نے ایک بڑی اور اچھی لائبریری تیار کر لی تھی جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھے گئے بیش قیمت نادر ادب کا سرمایہ خاص طور پر قابل دید تھا۔ دور دور سے ریسرچ اسکالر آتے اور کامیاب و کامران واپس جاتے تھے۔ ان کے بعد یہ سرمایۂ ادب موجود تو رہے گا مگر شاید اچھی طرح محفوظ نہ رہ سکے کیونکہ کتابوں کی دیکھ بھال کسی اکلوتی اولاد کی طرح اب کون کرے گا؟

اور جمال پاشا صرف تحریروں میں ہی ظرافت کے جلوے نہیں بکھیرتے تھے۔ عملی زندگی میں بھی بڑے باغ و بہار آدمی تھے اور ان کی جرأت رندانہ کا یہ حال تھا کہ کلیم العزیز احمد اور قاضی عبد الودود جیسے سنجیدہ اور بزرگ حضرات سے بھی چھیڑ چھاڑ کرنے سے باز نہیں آتے تھے۔ ان کا مضمون "ماکالم تحقیق اور گلی ڈنڈا" اس سلسلے کی ایک دلچسپ کڑی ہے لطف تو یہ ہے کہ ان کی بذلہ سنج طبیعت خود اپنے بزرگوں کو بھی نہیں بخشتی تھی۔ کسی محفل میں ہم دونوں کے ایک مشترک خاکہ نگار نے ان کی تاریخ پیدائش کے سلسلے میں کچھ جرح کی تو کہنے لگے:

"اصل میں ہم سب سولہ سترہ بھائی بہن تھے۔ اس لیے ہماری امی جان ایک کی تاریخ پیدائش کو ہمیشہ دوسرے سے confused کر دیتی تھیں۔ ایسی حالت میں مجھے اپنی صحیح تاریخ پیدائش کیسے معلوم ہو سکتی ہے؟"

پٹنہ میں ان کے علمی مذاق کا سب سے پہلا نمونہ غالباً اس وقت دیکھنے کو ملا جب انھوں نے شعبۂ اردو کے ایک ■■■ اور ایک ■■■ استاد کو قاضی عبد الودود صاحب کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے بھیج دیا کہ میں نے قاضی صاحب سے بات کر لی ہے وہ پارلیمنٹ کی ٹکٹ کے لیے فخر الدین علی احمد صاحب سے آپ کی سفارش کر دیں گے۔ دونوں اساتذہ چند منٹوں کے وقفے سے قاضی صاحب کے گھر پہنچے۔ نتیجہ کیا نکلا ہوگا اس کا اندازہ آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔ مگر مشکل یہ تھی کہ ان کے عملی مذاق کا شکار کبھی ان سے شکایت کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتا تھا کیونکہ جب تک وہ دوبارہ ان سے ملتا پاشا صاحب کسی اور پر ہاتھ صاف کر چکے ہوتے اور وہ بے چارہ اپنا غم بھلا کر دوسرے کی درگت سے لطف اندوز ہونے لگتا تھا۔

اپنی ان ساری حرکتوں کے ساتھ پاشا صاحب بظاہر مجسم ظرافت نظر آتے تھے۔ لیکن شاید ایک غم انھیں اندر ہی اندر گھلا رہا تھا اور وہ تھا لاولدی کا غم۔ نہ معلوم کیوں ایک مرد بے تکلف کے ساتھ قدرت نے کچھ ایسے تکلف سے کام لیا تھا کہ طنز و ظرافت کے میدان میں گل بوٹے کھلانے والا خود کھر بے برگ و بار رہا۔ میں نے بارہا اندازہ لگایا کہ یہی احساس محرومی طالب علموں کے ساتھ ان کے جذبۂ ہمدردی کی شکل میں ابھرتا تھا۔ کسی طالب علم کے داخلے کے لیے سفارش کرتے، کسی کی فیس کم نہ ہو پاتی تو اپنی طرف سے جمع کر دیتے اور کسی کو ملازمت نہ ملتی تو اسے اپنے پاس سے بے روزگاری بھتہ دیتے رہتے تھے

مجھے ان کی وفات کے بعد کسی نے یہ بھی بتایا کہ ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں میں کوئی ایک درجن ایسے لڑکے زیر تعلیم ہیں جن کی وہ مستقل امداد کیا کرتے تھے۔ سیوان میں "وائد میموریل گرلس ہائی اسکول" کا قیام گرچہ ان کی بیگم کی خواہش پر عمل میں آیا تھا لیکن اس کی ترقی کے لیے پاشا صاحب کی محنت اور دلچسپی قابل دید تھی۔

سنہ [illegible] میں پاشا صاحب نے حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی۔ میں اسی سال انگلینڈ جا رہا تھا۔ انھیں اطلاع دی تو فی البدیہہ اکبر کا مصرعہ ہوا میں اچھالتے ہوئے بولے۔ "ہاں بھئی، وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے" والا معاملہ ہے۔ حج سے واپس آئے تو کئی گھنٹوں تک سفر اور سعودی عرب میں قیام کی داستان مزے لے لے کر بیان کرتے رہے۔ معلوم یہ ہوا کہ وہاں آپ نے دو عراقی پہلوانوں کو اپنی ظرافت طبع اور خوش اخلاقی کا اسیر بنا لیا تھا جن کی مدد سے طواف کعبہ کرتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے۔ حج کے مختلف مرحلوں پر حاجیوں کی حیرانی و پریشانی کا انھوں نے جس طرح ذکر کیا اسے سن کر میں بار بار ہنس پڑا اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ لگے ہاتھوں ایک سفرنامہ بھی لکھ دیں تو اپنی نوعیت کا انوکھا سفرنامۂ حج ہوگا۔ موصوف نیم رضامند تو ہوئے مگر مولویوں سے خاصے خائف تھے۔ پتا نہیں وہ چیز لکھی گئی یا نہیں مگر سفر پاکستان اور فریضۂ حج کی ادائیگی نے ان پر یہ اثر ضرور ڈالا کہ وہ مذہب کی طرف مائل ہو گئے۔ چہرے پر داڑھی کا اضافہ ہوا۔ معمولات میں نماز کا اور مضامین میں سنجیدگی کا۔ بے فکری کے ساتھ ہنس ہنس کر سماج کے کمزور پہلوؤں کا مذاق اڑانے والا مزاح نگار جب کسی مفکر کی طرح سوچنے اور سمجھانے لگا کہ ہماری تہذیب کا درخت سوکھ رہا ہے اس کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں اور ہم خود ہی [illegible] بننے والے چیتوں پر چھڑکاؤ کر رہے ہیں تو مجھے اس کی صحت خطرے میں نظر آنے لگی۔ میں نے کئی بار ٹوکا بھی کہ کام کے ساتھ کچھ آرام کا خیال رکھیے۔ مگر چیتوں پر چھڑکاؤ کے بعد "چراگاہ" کی تصنیف اس بات کا ثبوت ہے کہ انھوں نے نہ صرف لکھنا جاری رکھا بلکہ سوچنا بھی۔ ان کے مضامین کا یہ مجموعہ پریس میں ہے۔ یہ منظر عام پر آجائے اور آپ اس کا مطالعہ کریں تو خود ہی اس نتیجے تک پہنچ جائیں گے کہ شدت احساس کی جس کیفیت میں احمد جمال پاشا مبتلا تھے اس کے ساتھ زیادہ دنوں تک زندہ رہنا مشکل ہی تھا۔ انھیں دل دھوکا نہ دیتا تو شاید فکر و تشویش کی طرح دماغ دھوکا دے دیتا۔ اس دور ناہنجار میں زندہ رہ کر بھی وہ کیا کرتے۔ [illegible]

احمد جمال پاشا [illegible] مزاح نگاروں میں [illegible] کے قریب تا دیر [illegible] کے بیان [illegible] "[illegible]" [illegible]

(کتاب نما [illegible])

نام: احمد عباس
والد کا نام: خواجہ غلام السبطین انصاری
تاریخ پیدائش: ۷ جون ۱۹۱۴ء پانی پت (ہریانہ)
تاریخ وفات: ابھی معلوم نہیں!
والد کا انتقال: ۱۹۳۲ء میں بعارضۂ قلب ہوا۔
تعلیم: پہلی سے چوتھی تک:
حالی مسلم ہائی اسکول قصبہ صاحب شاخ۔
پانچویں سے ساتویں تک:
حالی مسلم ہائی اسکول، پانی پت۔
آٹھویں جماعت:
یونیورسٹی مڈل اسکول، علی گڑھ۔
نویں سے بارہویں تک۔
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، انٹرمیڈیٹ کالج علی گڑھ۔
تیرہویں سے چودھویں تک:
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
ایل۔ ایل۔ بی:
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایل ایل بی کا امتحان
ختم کرتے ہی بمبئی آ گیا۔
بی۔ اے، ایل ایل۔ بی کے دوران مشغلہ کالج
میگزین ... کی طرح مجموں میں
کا مطالعہ کرتا رہا (۱۹۳۲ء سے
۱۹۳۵ء تک)
علی گڑھ میں ترقی پسند خیالات اور ...
... علی گڑھ

وفات: یکم جون ۱۹۸۷ء

میگزین کا ایڈیٹر نہ بن سکا۔ سو اپنا ذاتی ہفتہ وار
اخبار نکالا جو کافی مقبول ہوا اور جس کا نام
تھا "علی گڑھ اوپینین"
" Aligarh Opinion "

قیمت فی پرچہ تھی دو پیسے۔ سالانہ چندہ تھا سوا روپیہ۔

۱۹۳۵ء میں بمبئی کرانیکل میں کام کرنا شروع
کیا۔ تنخواہ پچاس روپے ماہوار، جو تین سال میں پونے
دو سو [175/=] ہو گئی۔ دو سال فلم کریٹک
Film Critic رہے تو پبلک میں
دھوم مچ گئی، مگر کمرشل فلم پروڈیوسروں میں کہرام
برپا ہو گیا۔ تب پروڈیوسروں نے چیلنج کیا کہ
احمد عباس کی بجائے فلم کریٹک کسی اور کو مقرر کیا
جائے ورنہ اشتہار دینا بند کر دیں گے۔ تب عباس
کو سنڈے ایڈیشن کا ایڈیٹر مقرر کر دیا
گیا۔ اس میں انہوں نے ہفتہ وار Last

Page شروع کر دیا۔ جو ۱۹۴۷ء میں
بلٹس Blitz میں منتقل کر دیا گیا ——
تین سال بعد ہندی بلٹس نکلنا شروع ہوا
اور میں نے "آزاد قلم" کے نام سے لکھنا شروع کیا۔
عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ "آزاد قلم"
Last Page کا ترجمہ ہوتا ہے بالکل ایسا
نہیں ہے۔ "آزاد قلم" میں یہ سمجھ کر لکھتا ہوں
کہ اس کو زیادہ تر پردیش والے پڑھتے ہیں۔ اس کے
بعد جب اردو بلٹس نکلنا شروع ہوا تو اس میں
نے آزاد قلم کو اردو ہندی دونوں کے لیے لکھنا
شروع کر دیا۔ اور یہی کام اردو اور ہندی کالموں
میں یگانگت پیدا کرتا ہے۔ یہ مضمون جو لاسٹ پیج
Last Page سے قریب ہوتا ہے، اپنی اصلی
زبان لکھنے سے ہر ہفتہ ہندی والے اردو "آزاد قلم"
میں کم سے کم (پانچ چھ) اردو الفاظ بدل دیتے ہیں۔
اتنی "آزاد قلم" کی زبان سہل ہی ہوتی ہے گویا کہ یہ
کالم ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں، جو اتر پردیش،
.... مدھیہ پردیش اور راجستھان
میں پڑھے اور سمجھے جاتے ہیں۔ گویا یہ بھارت کی
عوام کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔ اب لاسٹ
پیج کو نکلتے ہوئے سینتیس برس ہو چکے ہیں، میرے
خیال میں یہ دنیا کا سب سے پرانا کالم ہے

اب میں ختم ہونے کے ساتھ ساتھ ہر ہفتہ لاسٹ
پیج اور آزاد قلم میں کافی فرق ہوتا ہے۔ [illegible] اور
[illegible] کے اعتبار سے "آزاد قلم" زیادہ [illegible] کی
[illegible] کے بارے میں ہوتا ہے جب کہ
لاسٹ پیج Last Page بین الاقوامی
[illegible] رہے دم تک یہی لکھنا اور
[illegible] کا ارادہ ہے [illegible]
خیال ہے کہ [illegible] کی وجہ سے [illegible]

"لاسٹ پیج" لکھ کر مروں گا تاکہ اس کی سرخی یہ ہو
"The Lost Last Page" اور امید
ہے کہ ایسی ہی سرخی اس کی ہو گی۔
شادی : ۱۹۴۰ء میں اپنی رشتہ دار [illegible] خاتون
سے ہوئی۔ بی۔ اے تک پڑھی تھی ——
ادب اور ڈرامے میں بہت دلچسپی تھی۔
اس لیے میری جرنلزم، ادب اور چلڈرن تھیٹر
کی سرگرمیوں میں بالکل حارج نہیں ہوتی
تھیں۔ اچھی نبھ گئی۔ لگ بھگ پیدائش
ہی سے انہیں Rheumatic
heart کی شکایت تھی۔ اس لیے
تقریباً بیس برس تک میرا ساتھ دینے کے بعد
۱۹۵۸ء میں دل کے آپریشن کے بعد اللہ کو
پیاری ہو گئیں اور مجھے اکیلا چھوڑ گئیں۔

۱۹۴۷ء میں پانی پت کے مسلمانوں کو پاکستان
جانا پڑا۔ میرے خاندان کی عورتوں کو پنڈت
جواہر لال نہرو کے حکم سے ایک ملٹری ٹرک میں
بھر کر دلی لایا گیا اور وہاں سے میرا ایک ہندو
دوست [illegible] اپنی جان پر کھیل کر ان کو
براہ ہوائی جہاز بمبئی لایا اور میری والدہ
نے کہا "دیر آید درست آید" [illegible]
میں پہلی بار [illegible] کر کہا "[illegible] اب ہوائی جہاز
ہی میں سفر کروں گی!"

فلمی دنیا میں میں نے پہلا قدم [illegible] رکھا جب
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

محمد حسن

خواجہ احمد عباس

خواجہ احمد عباس کی شخصیت پہلو دار تھی اور ان کے کارنامے صحافت سے لے کر فلم سازی تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اُردو ادب کے لیے ان کی حیثیت بنیادی طور پر افسانہ نگاری کی ہے انھوں نے ناول بھی لکھے اور گو کہ ان کا ایک ناول "انقلاب" کا ادبی دُنیا میں خاصا چرچا بھی ہوا لیکن افسانہ نگار احمد عباس ناول نگار احمد عباس پر غالب ہی رہا۔

خواجہ احمد عباس اب ہم میں نہیں ہیں لیکن یہاں والٹیر کا یہ قول دہرانے کے لائق ہے کہ "مُردوں کا بھی ہم پر اتنا ہی حق ہے جتنا کہ زندوں کا جس طرح ہم ہر زندہ ادیب کی محض اس وجہ سے تحسین اور تعریف نہیں کر سکتے کہ وہ زندہ ہے اسی طرح ہر مرحوم ادیب کی تعریف کرنی بھی ہم پر فرض نہیں ہے کہ اس دُنیا سے رخصت ہو جانے کی وجہ سے لازم نہیں ہے کہ صرف اس بنا پر کسی ادیب کی تعریف و تحسین ہی تک اپنے کو محدود رکھیں۔"

کسی ادیب کے لیے اتنا ہی خراجِ تحسین کافی ہے کہ جو حسرت کے لفظوں میں یہ کہا جائے۔

مرے پیچھے یہ تو محال ہے کہ زمانہ گرمِ سفر نہ ہو
کہ نہیں مرا کوئی نقشِ پا کہ دلیلِ راہ گزر نہ ہو

خواجہ احمد عباس نے اُردو کے افسانوی ادب کے دورِ زرّیں میں لکھا ان کے معاصرین میں کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی، حیات اللہ انصاری اور غلام عباس جیسے افسانہ نگار تھے جنھوں نے کہانی کو نیا موڑ دیا اُردو کہانی ہی کو نہیں ہندوستان اور پاکستان کی کہانی کو نئی معنویت بخشی۔ خواجہ احمد عباس ان بلند قامت فنکاروں کی دُنیا میں بے نام نہیں رہے۔

یقیناً خواجہ احمد عباس منٹو کی طرح کہانی کے اور زندہ جاوید قسم کے کردار ڈھالنے والے فنکار نہ تھے یقیناً کرشن چندر کی طرح کی خواب اور فضا آفرینی سے بھرپور نثر احمد عباس کے یہاں کی دلکشی نہ ہو بیدی کی طرح انسانی شخصیت کی نفسیاتی گہرائیوں تک پہنچ سکے

تھے درحقیقت کسی طرح ہمارے ملک کی ہندوستانی
مسلم تہذیب کی عظمت کی عکاسی کر سکتے تھے کیونکہ وہ خود
عباس تھے ـــــ صرف احمد عباس۔

ان کا کارنامہ یہ تھا کہ وہ اپنے فن کو اپنے دور
اور اپنے وطن کی حقیقت سے قریب رکھتے تھے اور یہ
حقیقت خواہ کتنی ہی سنگین کیوں نہ ہو اس کو اپنے
آدرش طاری کرنے یا اس سے مغلوب ہونے کے بجائے
ایک سچے مگر رومانیت پسند وطن پرست کی طرح
انسان کی اس صلاحیت پر یقین رکھتے تھے کہ ایک نہ ایک
دن وہ ان سنگین حقیقتوں کو خوبصورت خوابوں کی
تعبیر کی شکل میں ڈھال ہی دے گا۔

یہ اعتماد اور امید ان کا کارنامہ بھی ہے اور ان کی
کمزوری بھی۔ کارنامہ اس لیے کہ سنگین حقیقتوں کے آگے سپر
ڈالنے کا عام طور پر انجام حقیقت پسندی کے نام پر
مریضانہ مایوسی یا عفونت پسندی کو گلے لگا کر اسی میں
کھو جانا ہی ہوتا ہے بڑے بڑے فن کار بھی اس [illegible]
کا شکار ہو چکے ہیں جن میں ایمل زولا سے کر [illegible]
خوشونت کا نام لیا جا سکتا ہے سوال یہ ابھر سکتا ہے کہ حقیقت
خواہ کتنی ہی بھیانک بہت شکن اور بھیانک کیوں نہ ہو،
کیا یہ حقیقت ابدی اور ناقابل تغیر ہے۔ بقول فیض

اجنبی ہاتھوں کا بے نام گراں بار ستم
آج سہنا ہے ہمیشہ تو نہیں سہنا ہے

کیونکہ اس لیے کہ حقیقت [illegible] کے خواب دیکھے
[illegible] اور شاعر [illegible] کا شکار ہو جاتا ہے اور
[illegible] والوں کو [illegible] تسکین [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

بالآخر سن لی گئی مگر افسانہ ایسا کانٹا نہیں بن جاتا جو
پڑھنے والے کے دل میں مدتوں کھٹکتا رہے۔

یہ کمزوری شاید خواجہ احمد عباس کے ہاں صحافت
اور فلم سے آئی ہے جس سے وہ ادب میں کبھی بھی اپنی چھٹکارا
نہ کر سکے ان کی کہانیوں میں ایک خاص قسم کی عجلت کا نشان
ملتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں منٹو کے "ممد بھائی" کا
"سوگندھی" یا حیات اللہ انصاری کی "آخری کوشش" کا سا
کوئی یادگار کردار نہیں ملتا "سردار جی" بھی نہیں "بارہ گھنٹے"
کا وہ انقلابی بھی نہیں جو پھانسی کے تختے پر چڑھنے سے
پہلے ایک بار جنسی آسودگی کی تمنا کرتا ہے۔

خواجہ احمد عباس ایسے فنکار تھے جنہوں نے
زندگی کو محض تماشائی کے طور پر دیکھا ہو۔ وہ زندگی کو
محض اتفاقات کا ہجوم نہیں سمجھتے تھے بلکہ آدرشوں اور
خوابوں میں سانس لینے والے انسان تھے کوئی بات نہیں
اگر یہ آدرش بار بار ٹوٹیں اور بار بار خواب کابوس بن کر
بکھرا کریں کیونکہ آدرش اور خواب ایک ایسا نشہ جو نجات
بھی فراہم کرتا ہے کہ کم از کم انسان اپنی زندگی اور اس کی
قدروں کی حقیقت پر یقین کر سکتا ہے اور ان کے سہارے
زندگی گزار سکتا ہے۔

خواجہ احمد عباس نے اسی طرح زندگی گزاری۔

ان کی پہلی کہانی جس کا نقش آج بھی میرے
ذہن میں ہے "ایک لڑکی" تھی یہ کہانی علی گڑھ کی تھی جب
علی گڑھ کا چھوٹا سا تعلیمی قصبہ [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ہر تہذیبی اور لسانی اخلاقی قدر کا قائم رہتی ہے اور جو سب
تشخیص اپنی مختاری سے بل کمال کر ایک اخلاقی بناتی
ہیں ۔۔۔ اور یہی وہ کرب ہے جس سے خواجہ احمد عباس
کا ذہن پچھلے چالیس سال سے گزر رہا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خواجہ احمد عباس کے
افسانوں میں عشق ذرا ماڈرن طرز کا لطف و لذت والا
عشق ہے اس میں شدت اور والہانہ پن نہیں ہے اس
میں شعریت اور رومانیت نہیں ہے۔ وہ شہر اور پیسہ
کے نوجوان عاشق اور محبوبہ کا تصور تو کر سکتے ہیں لیکن
دیوداس یا انارکلی اور سلیم کا تصور نہیں کر سکتے۔ وہاں
جن کی سچی لگن کی گہرائی کا یہ گراف ہی خواجہ احمد عباس کو
عظیم فنکار نہیں بننے دیتا۔

پھر تیسری کہانی آئی جو "سنترے" کے عنوان سے
نقوش لاہور میں چھپی۔ اس کہانی کا مرکزی کردار دراصل
شہر ناگپور ہے۔ ناگپور ہمیشہ سے سنتروں کے لیے مشہور رہا
ہے ایک زمانے میں رات کے بارہ بجے ہندوستان کی
چاروں سمتوں سے ہوائی جہاز آ کر ناگپور کے ہوائی اڈے
پر ملا کرتے تھے اور پھر اپنی اپنی سمتوں کے لیے روانہ
ہو جاتے تھے پھر ناگپور اس زمانے میں انجینئرنگ کی
تعمیرات کا اہم مرکز بن گیا تھا جو نئے ہندوستان کی تقدیر
بدلنے والے تھے جواہر لال نہرو کے لفظوں میں ۔۔۔ نئے
ہندوستان کی یہی نئی عبادت گاہیں تھیں خواجہ
احمد عباس نے ناگپور کی انہی تمام چاروں حیثیتوں
کو ملا کر کہانی کی شکل دے دی اور اسے ایک ایسے
نوجوان ہندوستانی کی محبت کی کہانی بنا دیا جو
مشتی ہندوستان کی تعمیر میں پوری لگن اور تندہی
سے [illegible]

۔۔۔ اس کہانی کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ خواجہ
احمد عباس کے افسانوں کی بناوٹ کا اندازہ ہو سکے
ان کے اندر کا صحافی ان کے اندر کے ادیب پر ہمیشہ
غالب رہا ہے صحافی کے لیے معلومات کی اہمیت ہے
ادیب کے لیے کیفیت کی۔ یہ درست ہے کہ دونوں میں
کوئی بیر یا تضاد نہیں ہے مگر یہ بھی کہنا چاہیے کہ
جس طرح انگور سے نچوڑا ہوا رس جب تک خمیر کے
عمل سے نہ گزرے شراب نہیں بن سکتا اسی طرح
جب تک معلومات ذات کے احساس اور جذبے کی گرمی
سے نہ گزریں کیفیت میں نہ ڈھلیں ادب نہیں بن سکتیں۔

ایک اور کہانی جسے شاید دوسری کہانیوں کے
مقابلے میں زیادہ اہمیت حاصل ہوئی 'سردار جی' کے
نام سے چھپی یہ ایک متعصب تنگ نظر مسلم لیگی کردار
کی زبانی بیان ہوتی ہے جو غیر مسلموں سے سخت نفرت
کرتا ہے اور جب ہندو مسلم فسادات میں اس کا پڑوسی
سکھ اس تنگ نظر مسلم لیگی کے خاندان کو اپنی جان
دے کر بچاتا ہے تب بھی وہ اس عظیم قربانی کو ان کی بھول
ہی پر محمول کرتا ہے ۔۔۔ کہانی چونکہ واحد متکلم میں بیان
ہوئی ہے اس لیے اکثر پڑھنے والے جو کہانی کے آرٹ
سے پوری طرح واقف نہیں، اسے خواجہ احمد عباس کا
بیان سمجھے اور اسی سے غلط فہمی پیدا ہوئی۔ سکھوں
نے اسے اپنی توہین سمجھا اور مقدمہ دائر کیا گیا۔ مگر یہ
شاید اکیلی مثال ہے جہاں احمد عباس اپنے توازن اور
اعتدال کے باوجود پڑھنے والوں میں وہ توازن اور
اعتدال پیدا نہ کر سکے۔

خواجہ احمد عباس نے عظیم کہانیاں نہیں لکھیں
ان کے افسانوں اور ناولوں میں ایسا کوئی کردار نہیں
جو مدتوں زندہ رہنے والا ہو مگر جو چیز ان کہانیوں کو

شاید تو نہیں ہوں گی بڑھے جانے کے قابل رکھی وہ ایک صحت مند معاشرے کی پُرخلوص تلاش ہے جو ان کی ہر سطر میں ملتی ہے۔

خواجہ احمد عباس کی پہلی محبت ہندوستان ہے اور دوسری محبت انسانیت۔ ان دونوں میں تضاد نہیں ہے ایک تسلسل ہے ہندوستان کی محبت نے انھیں ایک تو کٹر قسم کا سامراج دشمن بنا دیا۔ وہ انگریزوں سے کسی قسم کی مفاہمت کے لیے تیار نہیں تاجِ برطانیہ سے وفاداری ان کے لیے جرمِ عظیم سے کم نہیں دوسرے اس محبت نے انھیں یہ سکھایا کہ ہندوستان ہندوستان کا ترانہ گاتے رہنا یا جے ہند کہہ کر سلامی دیتے رہنا کافی نہیں ہندوستان کی سچی خدمت یہ تو یہی کہ اسے ترقی یافتہ صنعتی ملک بنایا جائے اور صنعتی اور ترقی یافتہ ملک خالی ترقی یافتہ ذہن کے ڈسپلن والے انسانوں سے اور یہ انسان بنتے ہیں بہتر اقدار کے ذریعے بہتر آدرش اور معنی خیز خوابوں کی مدد سے اور اپنے فن کو انھوں نے اسی فریضے کے لیے معنون کیا۔

بقول اقبال ؎

تری دُعا ہے کہ ہو تیری آرزو پوری
مری دُعا ہے تری آرزو بدل جائے

اپنے دَور کے ہندوستان کے لوگوں کی آرزوؤں اور خوابوں کو بدلنے ہی کی کوشش وہ اپنے افسانوں اور فلموں کے ذریعہ کرتے رہے۔

انسانیت سے بے پناہ محبت نے انھیں سکھایا عدمِ مساوات کے خلاف لڑنا استحصال اور ناانصافی کے خلاف آواز بلند کرنا ... [illegible]

کیوں نہ ہو اس سے فرد میں مقابلے کی قوت، ایثار کی ہمت، قربانی کا حوصلہ اور اپنے آدرش کے لیے لڑنے اور مرنے کی لگن تو بیدار ہوتی ہی ہے جو شخصیت کو نیا وزن اور وقار دیتی ہے اسے نئی توانائیوں سے روشناس کراتی ہے ___ انھیں گاندھی جی پسند تھے تو اس بنا پر کہ ان کی شخصیت میں ایسی قوت تھی جو ناانصافیوں اور استحصال کے پہاڑوں سے ٹکرا سکتی تھی اور اس آویزش سے انفرادی عظمت کی تعمیر کرتی تھی۔ انھیں نہرو سے محبت اور عقیدت تھی تو اسی لیے کہ نہرو نے صنعتی دَور کے ہندوستان کا خواب دیکھتے تھے اور سوشلسٹ ہندوستانی سماج کا تصور پیش کرتے تھے وہ بین الاقوامی امن، عالمی تعاون اور عالمگیر اشتراکی سماج کا خواب دیکھتے تھے تو اسی لیے کہ انسانیت جن زنجیروں میں آج جکڑی ہوئی ہے ان سے آزادی ان کا ڈراما "انسان اور ایٹم بم" اسی کی علامت تھا۔

یہ درست ہے کہ خواجہ احمد عباس اس سب کو عظیم آرٹ میں تبدیل نہ کرسکے مگر مجاہدوں کے کارنامے بقول رشید احمد صدیقی مالِ غنیمت سے نہیں جانچے اور پرکھے جاتے بلکہ ٹوٹی ہوئی تلوار، میدانِ جنگ کے گرد و غبار اور خون آلود لباس سے جانچے اور پرکھے جاتے ہیں خواجہ احمد عباس کی زندگی مبارک ہے کہ اس عظیم الشان جدوجہد میں گزری، یہ الگ بات ہے کہ اس جدوجہد میں فنکار کی حیثیت سے ان کو کس قدر کامیابی ملی۔ بقول فیض ؎

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ آن سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے، اس جان کی کوئی بات نہیں

شہزاد احمد

سلیم احمد کی یاد میں

سلیم احمد صاحب سے میری راہ و رسم بہت بعد میں ہوئی۔ البتہ ان کی ادبی شہرت سے میں بہت پہلے آگاہ ہو چکا تھا۔ جب نیا دور میں ان کا طویل تنقیدی مضمون "نئی نظم اور پورا آدمی" شائع ہوا تھا۔ اس زمانے میں میں بہاولپور میں تھا ایک چھوٹے اور ادبی طور پر نظر انداز شدہ شہر کی ادبی فضا میں بڑے ادبی مراکز میں رونما ہونے والے واقعات کو کچھ زیادہ ہی محسوس کیا جاتا ہے اس مضمون کا چرچا یوں بھی بہت تھا اس میں ہمارے عہد کے ممتاز شاعر فیض احمد فیض کی کاوشات شعری کا تجزیہ ایک خاص رخ سے کیا گیا تھا۔

ہمارے ملک کی ادبی فضا میں پہلے گروپ کا احساس نظریات کی بنا پر ہوتا تھا۔ اب ادبی معیار کے زوال کے ساتھ ہی نظریاتی سطح پر رقابت یا اختلاف کی رعایت کم سے کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور سب کچھ ذاتی معیار پر ہوتا ہے۔ سلیم احمد کے اس مضمون سے اگر ایک طرف یہ ہوا ابتدا ہی کی وہ ترقی پسندوں کے مخالف ہیں تو دوسری طرف یہ بنا طے ہو گیا کہ وہ اسلامی ادیب ہیں۔ وہ کیسے اسلامی ادیب ہیں وہ اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ان کی غزل کا جائزہ لینا ضروری ہے یہ مضمون چونکہ سلیم احمد کی ادبی کاوشوں کے تنقیدی جائزے کو زیر بحث نہیں لاتا لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی غزل میں بیاض کی شاعری کے علاوہ کلاسکی روایت کے ایسے شاعر ہیں جو جدید محسوسات کا اظہار کر سکتا ہے اور ان کی غزلوں سے اندازہ نہیں ہوتا کہ یہ ایک اسلامی ادیب کی غزلیں ہیں سلیم احمد کے مذکورہ مضمون اور ان کے دوسرے مضامین سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ ترقی پسندوں کے مخالف ہیں۔ اسی بنا پر ان کی جملہ ادبی سرگرمیوں کو ایک ہی نظر سے دیکھا جانے لگا اس کے ساتھ ساتھ انھیں ایک فقرے باز اور ادبی شہرت کے لیے سخت باتیں کہنے والے کی حیثیت سے زیر بحث لایا جانے لگا ان کی ادبی فقرے بازی کے بارے یہ کہا جاتا ہے کہ خصوصیت

بالخصوص اپنے مرحوم استاد پروفیسر حسن عسکری سے ملی ان کے حافظوں کی بھی کوئی کمی
نہیں تھی۔ اور ان کے مداحوں اور نیاز مندوں کی تعداد بھی بے شمار۔ نظریات کا
معاملہ الگ ہے لیکن میں نے محسوس کیا کہ ان سے ادبی اختلاف رکھنے والا اور
مخالف نظریات کا حامل شخص بھی اگر ان کے پاس بیٹھتا تو وہ سلیم احمد کی بصیرت
طبیعت کی جدت اور اردو ادب سے ان کے خلوص کا قائل ہو کر اٹھتا۔ کراچی جیسے
صنعتی شہر میں سلیم احمد ان چند گنے چنے ادیبوں میں سے تھے جن کی زندگی کا محور اور جن کے
شب و روز کا وظیفہ آخر تک ادب ہی رہا حالانکہ کراچی نے اچھے اچھے ادیبوں کو
بدل ڈالا۔

سلیم احمد صاحب سے میری ملاقات اپنے دوست نسیم درانی کے ہمراہ ہوئی
تھی جب وہ جہانگیر روڈ پر سرکاری کوارٹر میں رہتے تھے ہم نے دیکھا کہ سلیم احمد اپنے
مخصوص انداز میں پلنگ پر لیٹے ہوئے سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگا رہے تھے اور چند
افراد سامنے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے کسی ادبی موضوع پر گفتگو ہو رہی تھی تھوڑی دیر
بیٹھے تھے کہ دروازہ پر دستک ہوئی کسی نے کہا کہ عسکری صاحب آگئے سناٹا چھا گیا
سلیم احمد صاحب نہایت تیزی سے پلنگ سے اتر کے ننگے پاؤں باہر کی طرف گئے ایک
ادھیڑ عمر کے صاحب قمیص پہنے کرتا پاجامے میں ملبوس ہاتھ میں سگریٹ ایک لئے کو
اور لکھنؤ سے تعلق ہے اور کئی دوسروں واپس چلے گئے تو پتہ چلا حسن عسکری صاحب جن
کی ادبی شہرت تھی میں نے دل میں سوچا پروفیسر حسن عسکری صاحب مرحوم کا غم سلیم
احمد کے گھر میں اپنوں کی طرح منایا گیا ٹیلی ویژن میں عسکری صاحب کے بارے میں
تعزیتی پروگرام آچکا تھا جس کو جب بھی کر دیا گیا تھا حاضرین میں پروفیسر شمیم احمد
صاحب سلیم صاحب کے بھائی بھی موجود تھے اور دونوں بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے
سلیم احمد اس دن زیادہ گفتگو نہیں کر رہے تھے جب بھی بات کرتے تو وہ گلوگیر ہو جاتے
سلیم احمد ایک مکمل ادبی شخصیت تھے۔ وہ ہجوم کے بغیر شاید بہت کم رہ پاتے تھے
اس وقت جب ہجوم اخبار انھیں گھیرے میں لے لیتا اور یا وہ اپنے ادبی کام میں
مصروف ہوتے دفتر ہو یا گھر وہ خود میں مشغول ہوتے ان کے دوست احباب ان سے
کسی بھی مسئلے پر سوال کرتے سلیم بھائی آپ کا کیا خیال ہے؟ اور پھر سلیم احمد صاحب
سب سے الگ اور اپنا منفرد سوچ کا اظہار کرتے سلیم احمد کی شخصیت ان کی سوچ
اور فکر کا خاصا گہرا اثر ان کے ساتھی قبول کرتے تھے۔

ایک بار ایک صاحب نے ان کی اس خوبی کی طرف اشارہ کیا کہ شعر و ادب
میں بھی انھوں نے قابل قدر کام کیا ہے روزنامہ اخبار میں بھی اپنا کالم لکھتے ہیں ریڈیو
اور ٹیلی ویژن کے لیے بھی لکھتے ہیں۔ اور ادبی جلسوں کی صدارت اور تقاریر بھی

کرتے ہیں اس پر سلیم احمد صاحب نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کا واقعہ سنایا کہ ایک بار مولانا کے پیر آن کے تصنیف و تالیف کے وقت میں تشریف لے گئے مولانا نے اپنے پیر سے صرف چند سطریں لکھنے کی اجازت طلب کی تاکہ عمر بھر کے معمول میں ناغہ نہ ہو بعض افراد کے نزدیک سلیم احمد ایک مخصوص نظریات رکھنے والے ادیب تھے لیکن میں نے ایک ادبی ذہانت ان میں پائی وہ ادب کے حوالے سے اگر کوئی بات کرتے تو اس میں مغرب یا مشرق کے ادب سے متعلق آدمی ہی کا حوالہ دیتے تھے ایک روز میں نے سلیم احمد کے پاس رسالہ الابلاغ دیکھا کراچی سے شائع ہونے والے اس پرانی وضع کے رسالے میں مولانا اشرف علی تھانوی کے مواعظ شائع ہوتے ہیں میرے استفسار پر سلیم احمد صاحب نے خوش دلی سے جواب دیا۔

دراصل میں ففتی ففتی ہوں یعنی بے کار وقت بہت سی دلچسپیاں بہت سے تضادات مل کر ایک سلیم احمد بناتی ہیں سلیم احمد بہت سی باتیں ازراہ تفنن بھی کرتے تھے۔ سات آٹھ سال قبل جب انجمن ترقی پسند مصنفین کا ازسرنو آغاز ہوا تو ایک طرف انجمن کے کنوینر محمد علی چودھری تھے تو دوسری جانب ایک انجمن کے تمام کے دعویدار ظاہر باسط عظیم بھی تھے باسط عظیم نے مجھ سے کہا کہ سلیم بھائی انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں باقاعدگی سے آیا کریں گے اور وہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے ممبر ہیں اور وہ مستعفی نہیں ہوئے تھے بہرحال باسط عظیم ایک جلسہ بھی نہ کر سکے البتہ رفیق چودھری کچھ ادیبوں کو لیکر تھوڑے عرصے تک اس کے ادبی اجلاس کرتے رہے۔

سلیم احمد کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنے ادبی نظریات اور بڑوں سے بڑی ادبی شخصیت کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کا اظہار بلا خوف کر دیتے تھے جس زمانے میں انہوں نے علامہ اقبال پر اپنی کتاب "اقبال ایک شاعر" تحریر کی انھیں خاصی مشکلات مخالفت کا سامنا کرنا پڑا سلیم احمد کی اس کتاب کے حوالے سے بعض لوگوں افراد نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مخصوص طبقہ نے آج تک اقبال کی عظمت کو تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ اقبال کی عظمت کا اعتراف جنوبی ایشیا کے ان علاقوں کے مسلمانوں نے سب سے پہلے کیا تھا جو پاکستان میں شامل نہیں ہیں۔

"اقبال ایک شاعر" کے سلسلے میں ایک پروفیسر صاحب کا تذکرہ بھی آیا جن کا کہنا یہ تھا کہ سلیم احمد نے اقبال کو سمجھا نہیں ہے اس پر سلیم احمد نے کہا کہ ہم دونوں کا مقابلہ کرا دیجیے دیکھیے کس کو اقبال کے اشعار زیادہ تعداد میں یاد ہیں اقبال پر اسی کتاب کے سلسلے میں ایک نے جو سلیم احمد کے دوست بھی ہیں اور مداح بھی اپنے اختلافات کا اظہار کیا سلیم احمد نے ان صاحب سے کہا میں آپ کے اختلافات والے کو

تو برداشت کر سکتا ہوں آپ مجھے اس سلسلے میں ناپسند کریں میں برداشت کروں گا لیکن اگر آپ میرے خیالات کو دبانے کی کوشش کریں گے تو میں اس کی مزاحمت کروں گا۔

سلیم احمد جس زمانے میں مرکزی وزارت اطلاعات میں مشیر کے فرائض سرانجام دے رہے تھے تو میں ان کے رویے میں کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی ایک بار سلیم احمد کے مضمون نے جو دراصل۔ اعتراف ۔ تھا ادبی حلقوں میں بڑا ہنگامہ پیدا کیا ادیبوں شاعروں کو آج کل یہ آسانی حاصل ہے کہ وہ اپنے بارے میں جس قسم کی تعریف جس سطح کے نقاد سے چاہیں لکھوا سکتے تھے۔ چنانچہ ہر کتاب پر قاری کو دعووں سے بھرپور تنقیدی آراملیں گی یوں لگتا ہے کہ ہر ادیب و شاعر بڑا اور عظیم قلم کار ہے اسی سبب سے اب ادب کے رجحانات کے جائزوں کے بجائے شخصیت پر لکھے گئے مضامین ادبی رسالوں میں زیادہ تر نظر آتے ہیں۔ بعض اہل قلم تو اپنی کتاب کی ضخامت سے زیادہ اپنے فن پر لکھے ہوئے نقادوں کے مضامین بغل میں دابے پھرتے ہیں اس ساری صورت حال سے ادب کے قاری نے پریشان ہو کر ادب کا مطالعہ ہی ترک کر دیا ہے کیونکہ وہ بیک وقت بہت سارے عظیم شاعروں اور عظیم افسانہ نگاروں کو نہیں پڑھ سکتا سلیم احمد نے بھی بہت سے اہل قلم کو دیباچے بھی لکھ دیے فلیپ بھی اور کتابوں کی بابت تقاریب کے یہ مضامین بھی لکھے مگر پھر سچائی کے ایک لمحے نے انہیں اپنی ایسی تمام تحریروں کے رد کر دینے پر مجبور کر دیا چنانچہ انھوں نے ایک ایسا مضمون تحریر کیا جس میں اعتراف کیا گیا تھا کہ انھوں نے ایسے تمام مضامین اور آرا شخصی تعلقات یا دیگر دباؤ کے باعث تحریر کیے تھے اور وہ انہیں رد کر دیتے ہیں بس سلیم احمد کا یہی خاص وصف تھا جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔

سلیم احمد نے اپنے سفر کا آغاز شاعری سے کیا پھر تنقیدی مضامین لکھے ان کی شاعری اور ان کی جارحانہ تنقید دونوں ہی ان کی شہرت کا باعث بنے پھر ان کی دلچسپی کا موضوع فلسفہ ہو گیا سلیم احمد کی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے نہ تو شاعری کو نظر انداز کیا اور نہ اپنی تنقید کو فلسفے کا مطالعہ ان کے ادبی مباحث میں کام آتا تھا۔ ان کی شہرت کے کئی رخ تھے ادبی شہرت جس کی بنا پر وہ برصغیر پاک و ہند کے تمام ادبی حلقوں میں پہچانے جاتے تھے ان کی شہرت کا ایک رخ فلمی دنیا کے سلیم احمد تھے جنھوں نے تعبیر جیسا طویل ڈرامہ لکھا اور وہ آخری چٹان ، کی ڈرامائی تشکیل کی ایک بار میں انار کلی کے بازار میں ایک دکان پر کھڑا تھا سلیم احمد سڑک کے پار دوسرے فٹ پاتھ پر جا رہے تھے دکاندار نے کہا کہ وہ دیکھیے سلیم احمد جا رہے ہیں۔ جنھوں نے تعبیر اور آخری چٹان لکھے ہیں۔

مصباح اللغات (۲) مجموعہ رسائل حافظ (۳) شخصی مدرسہ حقوق۔
انھیں ان کی خدمات کے صلے میں حکومت ہند نے شان سپاس اور حکومت پاکستان نے تمغۂ امتیاز عنایت کیا۔ ڈاکٹر سید عبداللہ ان کے بارے میں رقم طراز ہیں۔

"سچ پوچھیے تو دعا اور تلاوت قرآن میری سب سے بڑی عبادت ہے۔ میں شعر سے راحت بھی حاصل کرتا ہوں اور شعر ہی سے اپنا دستور حیات مرتب کرتا ہوں۔ زندگی کے ہر مشکل مرحلے میں شعروں نے میری امداد کی۔ حافظ، میر، غالب، اقبال اور دوسرے شعرائے اردو فارسی میرے سب سے بڑے محسن ہیں خصوصاً حافظ کے اشعار نے مجھے پست نہیں ہونے دیا اور میر جو میری زندگی کی ہر حقیقت کو مانوس بنا کر طفلی کرتے رہے:

ڈاکٹر سید عبداللہ کا قد لمبا تھا وہ دبلے پتلے نہیں تھے مگر انہیں بھاری بھرکم بھی نہیں کہا جا سکتا۔ آنکھیں چھوٹی اور ماتھا کشادہ ہوئی تھیں رنگ سرخ و سفید کے قریب کہا جا سکتا ہے۔ سر پر بال کم اور چہرہ کتابی۔ آہستہ بولتے مگر اونچا سنتے تھے۔ کہا جاتا ہے اونچا سننے والے اونچی آواز میں گفتگو کرتے ہیں۔ مگر سید صاحب کے بارے میں یہ بات درست نہ تھی۔ آلۂ مکبر الصوت ہمیشہ جیب میں ہوتا تھا۔ جب ضرورت ہوتی اسے استعمال کرتے لیکن جب ضرورت نہ ہوتی اسے کانوں سے دور رکھتے تھے۔ کلاس میں آلۂ مکبر الصوت کو استعمال نہیں کرتے تھے وہاں وہ سننے کے بجائے بولنے کو ترجیح دیتے تھے ان کا لیکچر ٹھیک ایک گھنٹے کا ہوتا تھا۔ نہ کم نہ زیادہ۔ ایک بار سید صاحب کا لیکچر ذرا طویل ہو گیا۔ کسی طالب نے کہا وقت ختم ہو گیا ہے۔ سید صاحب سنتے نہ تھے انھوں نے اندازہ لگایا کہ کوئی بات ہے چنانچہ پوچھا کیا بات ہے؟ ایک لڑکے نے گھڑی سامنے کر کے اشارہ کیا کہ وقت ختم ہو چکا ہے۔ سید صاحب سمجھ گئے اور سخت ناراض ہوئے اور کہا شاید میرا لیکچر بور ہو گیا ہے۔ آپ لوگ مجھے پسند نہیں کرتے ہیں لہٰذا میں آئندہ آپ لوگوں کی کلاس نہیں لوں گا۔ یہ کہا اور چلے گئے پھر چھ سات ماہ لیکچر نہیں دیا۔ اس دوران ہم کئی بار گئے اور اس شعر کی زبان میں کہتے رہے:

بیا جاناں منور کن زروئت محفل ما را   کہ در پیشت غزل خوانیم و ابیات سرا غازیم

مگر سید صاحب نہ مانے اور ہماری محفل ان کے روئے منور سے روشن نہ ہو سکی۔ وہ یہ انداز دلربائی اس لیے اختیار کرتے تھے کہ طلبہ ان کے لیکچر کے دلدادہ تھے۔ ان کا لیکچر سننے کے لیے دو دو تین تین گھنٹے انتظار کرتے۔ سید صاحب کا لیکچر دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا۔ ایک تو ٹھہر ٹھہر کر بولتے کہ طلبہ سارا لیکچر نوٹ کر سکتے تھے۔ دوسرے لیکچر کے دوران لطائف بھی سناتے تھے ان کی دلچسپ باتوں سے لیکچر پر لطف ہو جاتا۔ سید صاحب میر کے عاشق تھے اور اپنے آپ کو میری کہتے تھے۔ ایک بار میر پڑھاتے ہوئے ناسخ کا یہ مصرع پڑھا:

آپ بے بہرہ ہے جو معتقد میر نہیں

اور پھر کہا جو میر کا معتقد ہے وہ بہرہ ہے۔ اشارہ اپنی طرف تھا۔ سید صاحب اچھے استاد تھے اور اچھے منتظم بھی تھے۔ ان کے زمانے میں کالج میں کبھی گڑبڑ نہیں ہوئی۔ انھوں نے اورینٹل کالج کو اردو کو دفتری زبان بنانے کی تحریک کا مرکز بنا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ ہی ان کا یہ کام بھی ختم ہو گیا۔

تقریباً ... اورینٹل کالج کے پرنسپل رہے۔ ان کے کمرے کے باہر چپراسی بیٹھا رہتا۔ ان سے ملنے کے لیے اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔ ایک بار ہمارے ایک ساتھی سید صاحب سے ملنے گئے۔ انھوں نے اندر

چٹ کھو گئی، چٹ واپس آ گئی اس پر لکھا تھا کام، انھوں نے دوبارہ چٹ بھجوائی کہ سلام کرنے حاضر ہوا تھا
سید صاحب نے اس چٹ پر لکھ بھیجا: سلام روستائی بے غرض نیست

بہر حال سید صاحب سے ملنے کے لیے تھوڑی سی وقت ہوتی تھی وہ مصروف ہوتے تو چٹ پر لکھ
دیتے انتظار کیجیے اور جب ہم انتظار نہ کرتے تو ناراض ہوتے کہ تم استاد سے ملنے کے لیے تھوڑا سا انتظار
بھی نہیں کر سکتے۔

سید صاحب کی شخصیت کی تعمیر نرمی اور آہستگی سے ہوئی تھی وہ کسی کام میں تندی اور تیزی —
دکھاتے تھے۔ وہ پہاڑوں میں بہتی ہوئی تند و تیز ندی کی طرح نہ تھے بلکہ میدانوں میں بہنے والے آہستہ خرام دریا
کی طرح تھے وہ جوش خروش کے قائل نہ تھے اور آہستہ روی اور نرمی کو پسند کرتے تھے۔ ہمیشہ آہستہ آہستہ قدم
اٹھاتے۔ انھیں ان کی چال سے ہی پہچانا جا سکتا تھا۔ تیزی ان کے مزاج کے خلاف تھی۔ رفتار، گفتار
اور کردار ہر چیز میں شگفتگی پائی جاتی تھی۔ وہ دشمنوں کے خلاف بھی سخت قدم اٹھانا پسند نہ کرتے تھے ان کی ناراضگی
میں سرد مہری پائی جاتی تھی۔ وہ جب بھی ہم سے ناراض ہوتے سزا دینے کے بجائے ترک گفتگو کا حربہ استعمال
کرتے وہ کالج کے پرنسپل تھے اور بڑی آسانی سے اپنے فیصلے منوا سکتے تھے۔ حکم کی تعمیل کرا سکتے تھے اور حکم
عدولی پر سزا بھی دے سکتے تھے لیکن وہ محبوب کی طرح روٹھ جایا کرتے تھے۔

لوگوں میں مشہور تھا کہ سید صاحب اختلاف رائے پسند نہیں کرتے اور ہمیشہ اپنی بات منواتے ہیں مگر
میں نے ان سے کئی مواقع پر اختلاف کیا اور اپنی بات منوا کر دم لیا۔ کبھی وہ ناراض ہو گئے، کبھی ناراض ہوئے
بغیر ہی میری بات مان گئے۔ دراصل طلبہ میں اختلاف کی جرأت نہ تھی اور وہ اپنی خامی کو سید صاحب کے سر
منڈھ دیتے تھے۔ اکثر اساتذہ بھی سید صاحب سے اختلاف کی جرأت نہ کرتے تھے۔ ایک بار ایک جلسے کے انتظامات
کے سلسلے میں ہمارے انچارج استاد نے سید صاحب سے مشورہ کیا اور بعد میں ہمیں بتایا کہ جلسے کے بعد بسکٹ
اور چائے سے حاضرین کی تواضع کی جائے گی۔ انھوں نے ہمیں جلسہ کا بجٹ بھی بتایا جو وہ سید صاحب
سے منظور کروا لائے تھے۔ میں نے اختلاف کیا اور کہا کہ اتنے پیسوں میں ہم مختلف قسم کی مٹھائی لا سکتے ہیں مگر
ہمارے انچارج نہ مانے اور کہا کہ سید صاحب اس کی منظوری دے چکے ہیں اور اس میں کسی قسم کی کوئی
تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ میں نے کہا میں سید صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ میں سید صاحب کے پاس گیا اور
انھوں نے فوراً ہی میرے پروگرام کی منظوری دے دی مگر ایسا بھی ہوا کہ سید صاحب کا مشورہ قبول نہ کرنے
پر وہ ناراض ہو گئے۔ ہم تفریحی سفر پر کہیں جانا چاہتے تھے سید صاحب کا خیال تھا کہ ہم مری چلے جائیں۔
دیکھے ہوئے تھے اور ہم اس کے حق میں نہ تھا اتفاق سے کوئی استاد بھی مری جانے کے لیے تیار نہ ہوا بلکہ
ہر استاد نے معذرت کی کہ وہ کبھی ہمارے ساتھ جانے کو تیار نہیں صرف سید وقار عظیم راضی ہو سکے اور
وہ اس شرط پر کہ اگر ہم کراچی جائیں تو وہ ساتھ جائیں گے مجبوراً سید صاحب کو ہمیں کراچی جانے کی اجازت
دینا پڑی۔ واپس آ کر میں سید صاحب سے ملنے گیا سلام کیا تو کہا آپ کون ہیں؟ میں آپ کو نہیں جانتا
[illegible] ایک جلسہ کرانے کے لیے میری ضرورت پڑی تو کچھ [illegible]
[illegible] استاد سے ناراض ہو سکتا ہے۔ خوش ہو گئے [illegible]
[illegible]

سید صاحب میں یہ خامی ضرور تھی کہ وہ تمام خوشامد پسند اور مصلحت پسندوں کی باتوں پر اعتبار کر لیتے تھے اور اس وجہ سے اپنے چاہنے والوں سے جلد ناراض ہو جایا کرتے تھے مگر حقیقت حال کا علم ہو جانے کے بعد دوبارہ تعلقات استوار کرنے میں دیر نہ کرتے تھے۔ راقم کے ساتھ ایسا کئی بار ہوا۔ وہ اپنے شاگردوں کی تعریف کرنے میں بخل سے کام نہ لیتے تھے۔ راقم کی کتاب "تاریخ ادب اردو" کی اپنے گھر میں منعقدہ ایک محفل میں بے حد تعریف کی۔ یہ مجلس اس کتاب کے سلسلے میں نہ تھی بلکہ انجمن ترقی اردو اور مقتدرہ قومی زبان کے ممبر آفتاب حسن کے اعزاز میں تھی چونکہ سید صاحب میری کتاب دیکھ چکے تھے اس لیے انھوں نے موقع نہ ہوتے ہوئے بھی اس کا ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ وہ اس تقریب کو اس کتاب کی رونمائی کی تقریب قرار دینا پسند کریں گے۔ ان کی اسی محبت اور شفقت کی وجہ سے ان کے اکثر شاگرد ان کے دلدادہ ہیں۔ بیماری سے قبل میری ان سے ملاقات ہوئی تو سید صاحب نے فرمایا کہ وہ مجلس تحقیق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے کہا کہ میں اس کے لیے عملی کام کروں مگر افسوس ان پر فالج کا حملہ ہوا اور یہ منصوبہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

سید صاحب محقق، نقاد اور ایک اچھے نثر نگار کی حیثیت سے قابل ذکر ہیں۔ وہ بتایا کرتے تھے کہ ان کے زمانے میں تحقیق کے میدان میں داخل ہونے سے پہلے فہرست سازی کرنا پڑتی تھی۔ اس سے محقق کو بہت سی کتابوں کا علم ہو جاتا تھا۔ خود سید صاحب نے تحقیق کے میدان میں اچھا کام کیا ہے۔ اگرچہ ان کی تمام تحریروں میں تھوڑی بہت تحقیق موجود ہوتی ہے مگر مباحث شعرائے اردو کے تذکرے، اردو تذکرہ نگاری، نقد میر اور ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ میں ان کا تحقیقی مزاج پوری آب و تاب سے ظاہر ہوا ہے۔ ان سے تحقیق کے دوران غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور ایسا ہونا ممکن ہے کیوں کہ تحقیق کا قدم ہمیشہ آگے بڑھتا رہتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے انھوں نے اردو ادب کے طالب علموں کو بہت کچھ دیا ہے۔ محقق سے بڑھ کر ان کی حیثیت نقاد کی ہے۔ "تمہیدات" کا تنقیدی کارنامہ بے مثال ہے۔ اسی طرح "سرسید اور ان کے رفقائے کار کی نثر کا تنقیدی جائزہ" جس بصیرت اور کاوش سے انھوں نے لیا ہے وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں۔ ان کے یہ کام اب بھی دوسروں کے لیے مشعل راہ ہیں۔ سید صاحب کسی بھی مصنف کے فن پارے کا جائزہ لیتے ہوئے مختلف علوم سے مدد لیتے ہیں۔ انھوں نے انگریزی، فارسی، عربی اور اردو کے ادبی شہ پاروں کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ وہ اردو کے ادیبوں کا دوسری زبان کے ادیبوں سے مقابلہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ پہلے دوسرے نقادوں کے نظریات کو پیش کرتے ہیں پھر اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں مبالغہ نہیں پایا جاتا اور نہ وہ اپنی بات کو طول دیتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں زائد عنصر بہت کم ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ علمی انداز اختیار کیے رہتے ہیں۔ انھوں نے اردو نثر کا تجزیہ سائنسی اور علمی انداز میں کیا ہے۔ وہ نثر کا تجزیہ کرتے ہوئے جملوں کی ساخت، لفظوں کی ترتیب اور مصنف زیر بحث کے مخصوص الفاظ پر توجہ دیتے ہیں اور ایک نثر نگار کے اسلوب کو دوسرے سے ممیز کر کے پیش کرتے ہیں۔ وہ نثر میں لہجے کی پہچان پر بڑا زور دیتے ہیں اور ان اجزا کو الگ الگ کر کے بیان کرتے ہیں جن سے لہجے کی تعمیر ہوتی ہے۔ اردو نثر کا یہ سائنسی اور علمی جائزہ انھیں دوسرے نقادوں سے ممتاز کرتا ہے اور ان کے سر پر امام النقاد کا تاج رکھنے میں ممد ثابت ہوتا ہے۔

سید صاحب منفرد انداز بیان کے مالک تھے اور ادیب تھے۔ انھوں نے اردو کو اس کا جائز مقام دلانے کے لیے بڑی کوشش کی۔ اس سلسلے میں انھوں نے کئی جلسوں کا اہتمام کیا۔ اردو زبان سے [illegible] نا ممکن

ہے کہ اردو کا ذکر آئے اور سید صاحب کا نام نہ لیا جائے بابائے اردو کے بعد انھوں نے ہی اردو کو سیاست کے میدان میں آگے بڑھانے کا کام کیا ایک بار سید صاحب نے بی۔ این۔ آر میں اردو کی حمایت میں ایک جلسہ کا اہتمام کیا۔ اس میں شورش کاشمیری بھی موجود تھے۔ بعد میں سید صاحب، شورش اور ہم چند طلبہ کے ساتھ چائنز میں آ بیٹھے سید صاحب نے شورش سے کہا یہ لڑکے اردو کے لیے کام کرتے رہتے ہیں اور مجھے فکر ہے کہ انھیں کچھ ہو نہ جائے۔ آپ بھی اردو کے لیے کچھ کریں۔ شورش نے کہا مجھے تو میرے بیٹوں نے زنجیریں پہنادی ہیں کیا کروں مگر پھر بھی میں اردو کی خاطر جیل جانے کے لیے تیار ہوں۔ سید صاحب اردو بل این آر سے نہیں موچی دروازے سے دلوں میں آئے گی۔ آپ مجھے پچاس لڑکے دے دیں اور باقی مجھ پر چھوڑ دیں۔ وہ ہنگامہ کروں گا کہ حکومت کو ہماری بات مانتے ہی بنے گی۔ سید صاحب ~~[illegible]~~ کہاں مول لے سکتے تھے۔ ہوں ہاں کر کے رخصت ہو گئے شورش کی تیزی سے وہ گھبراتے تھے۔ ایک بار کالج میں مشاعرہ تھا حفیظ شورش کو بلایا گیا تھا میں نے تجویز پیش کی شورش کاشمیری کو بھی بلاتے ہیں۔ سید صاحب گھبرا گئے کہنے لگے عزیزم شورش کا کچھ پتا نہیں وہ کیا کہہ جائے اور ہم مصیبت میں گرفتار ہو جائیں۔ اس احتیاط کے بعد انھوں نے اپنا مشن مستقل مزاجی سے جاری رکھا۔ سید صاحب جو جلسوں اور انجمنوں کے آدمی تھے آخری زمانے میں خاموشی سے خانہ نشین ہو گئے۔ اخبارات میں ان کا ذکر اتنا بھی نہ آتا جتنا ایک مبتدی کا ہوتا ہے دراصل ادبی صفحات نے ادب کو بھی نقصان پہنچایا ہے کہ وہ لوگ جن کو ان صفحات کی زینت ہونا چاہیے تھا گوشۂ گمنامی میں چلے گئے اور وہ جنھوں نے ابھی قلم پکڑنا سیکھا ہے ان صفحات پر اکثر نظر آتے ہیں۔ اگرچہ اخبارات سے غائب ہونے میں کچھ حصہ سید صاحب کا بھی ہے۔ وہ نہ جلسے کرتے نہ قرار دادیں منظور کرواتے حتیٰ کہ کسی اخبار کو انٹرویو تک نہ دیتے تھے میں نے ایک اخبار کے لیے ان کا انٹرویو لینے کی بڑی کوشش کی مگر سید صاحب نے میری اس کوشش کو سلیقے سے ناکام بنا دیا اس وقت میری بیٹی بھی میرے ساتھ تھی وہ سید صاحب کے اس انداز سے بے حد متاثر ہوئی اور مجھ سے کہا کہ آج جب کہ ہر شخص اخبار میں اپنی تصویر چھپوانے کا خواہاں ہے سید صاحب کی اس سے گریز بڑی ہی عمدہ بات ہے۔

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ •
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی

[illegible]

راج نرائن راز

صادقین مرحوم کے بارے میں یہ سطریں لکھنے بیٹھا ہوں، تو لفظ ہاتھ نہیں آرہے۔ جب اک سانحہ سا ہو گیا ہے۔ جذبات میں طوفان ہے۔ ذہن دھندلا گیا ہے۔ آنکھیں سوگوار ہیں۔ دل بچے کے کھلونے کی طرح ٹوٹ رہا ہے۔ یہ ماتم خود کو حقیر فقیر سمجھنے والے شخص صادقین کا ہے۔

صادقین عالمی شہرت کے مصور تھے۔ اس نقاش کا نقش لفظوں میں کیسے بنائے۔ عجز آڑے آتا اور آڑے آتا ہے۔ خیالات گڈمڈ ہونے لگتے ہیں کہ اس ہجوم کو اظہار کی کوئی راہ نہیں ملتی۔ توجہ کرتا ہوں تو ماضی کی دھند چھٹنے لگتی ہے۔ کچھ نقوش واضح ہونے لگے ہیں۔

مارچ ۱۹۸۲ء کی ایک خوش گوار شام تھی۔ للت کلا اکادمی میں صادقین کی تصویروں کی نمائش تھی۔ افتتاح کے موقعے پہلے ہی پہلے ہندوستانی مصور، تصویر شناس، اخباری نامہ نگار اور صادقین کے مداحوں کا ایک میلا سا لگا ہوا تھا۔ اس بھرے میلے میں میرا حصہ صرف دور کا ہی تھا۔

سر پہ صادقین کی [illegible] ٹوپی۔ اس کے نیچے سے باہر کو نکلے ہوئے بکھرے بال جنھیں بہ سہولت [illegible] کیا جا سکتا ہے، [illegible] بے ترتیب [illegible]، تاکہ [illegible] چہرے کے پیچھے سے چمکتی ہوئی آنکھیں [illegible]

[illegible]

شیروانی کے نیچے سے جھانکتی ہوئی سادہ سی قمیض اور نیچے کھلے پائنچوں والا سفید پاجامہ، جو شکنوں سے ایسا بے نیاز نہ تھا۔ پاؤں میں چمڑے کا عام سا جوتا تسمے کھلے ہوئے۔

یہ تھے صادقین — اپنی ڈرائنگز کی مرکزی شبیہ کی بولتی تصویر۔ بہت دیر تک ان کی تصویروں میں کھویا رہا۔ لوٹا تو صادقین صاحب سے نہ مل سکنے کی حسرت دل میں تھی۔

چھ سات روز بعد کی بات ہے۔ میں ایک دوپہر میں ایک سرکاری ضرورت سے نکلا تو دفتر واپس آنے میں کوئی گھنٹہ لگ گئے۔ لوٹا تو دیکھا کہ ایک دبلا پتلا شخص جو کچھ روز پہلے میرے لیے محض دور کا جلوہ تھا، اب بہ نفسِ نفیس میرے میز کی دوسری طرف جھکا ہوا کچھ کل کے پرانے فائل دیکھ رہا ہے۔ صادقین صاحب سے معذرت کی۔ گزارش کی کہ اگر آپ نے کیوں زحمت کی، مجھے حکم دیا ہوتا۔ اور اگر دفتر تشریف لانا ہی مقصود تھا تو اطلاع کر دی ہوتی تاکہ میں موجود رہتا اور آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی۔ آپ یہاں بور ہوتے ہوتے۔

زبان میں کسی قدر لکنت تھی۔ ارباب، احباب سب جانتے ہیں۔ بولے: یہاں کوئی زحمت نہیں اٹھانا پڑی ہے؟

گردشِ ساغرِ صد جلوۂ رنگیں تجھ سے
آئینہ داریٔ یک دیدۂ حیراں مجھ سے

صادقین کے موقلم سے

ہوا۔ بلکہ میں تو بہت اطمینان سے پرانے فائل دیکھ رہا
تھی کو حال سے ہم کنار کرنے کی سعی کر رہا تھا۔
دیکھا ۱۹۴۹ء کا فائل سامنے رکھا ہوا تھا۔ مجھے شوق
توجہ جون ۱۹۴۹ء کے شمارے کی طرف مبذول کرالی
صادقین کی رباعیات سرفہرست شائع ہوئی تھیں۔
ارے میں فراق گورکھپوری مرحوم کا کلام چھٹے یا ساتویں
شائع ہوا تھا۔ پھر اگست کا شمارہ کھول کر دیکھا۔ اس میں
سرورق شائع ہوئی تھی۔ اسی شمارے میں آج کل کے مدیر
آبادی کی ایک مصور رباعی شائع ہوئی تھی نقش اور
دونوں صادقین کے تھے۔ پھر دسمبر کا شمارہ دیکھا۔ اس
قین صاحب کا ایک مضمون ہندوستانی مصوری کے
ر چھپا تھا۔ یہ صادقین صاحب سے میری پہلی باضابطہ
تھی۔ صادقین کے وہ تو پہلے سے ساختہ تھے۔ ہر روپ

بعد کی ایک ملاقات میں صادقین صاحب نے [illegible]
[illegible] صاحب نے [illegible] کے لیے رباعیات
[illegible] مرحوم کے [illegible]
[illegible]

"آج کل" سے تعلقات کی تجدید ہوئی۔ صادقین صاحب
اپنی رباعیاں عطا فرمانے پر آمادہ ہوگئے۔ رباعیاں بڑے بڑے
کاغذوں پر سیاہ قلم سے لکھنا شروع کیں۔ خوب صورت نسوانی
خدوخال والی شبیہوں سے مزین کیں لیکن وہ ابتدا بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم سے کرنا نہیں بھولے۔ پھر یہی لفظ ایک خوب صورت
شبیہ کی گرہ گیر زلفوں کا حصہ بنے۔ یہ رباعیات "آج کل" کے
شمارہ مئی ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئیں۔ اس طرح "آج کل" میں
"بر محل شاعر" کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ مقبول عام سلسلہ آج بھی
جاری ہے۔ مئی ۱۹۸۲ء کے شمارے میں صادقین کی ۱۹۴۹ء کی
تصویر مکرر شائع کی گئی۔ سرورق بھی انھیں کا عطا کیا ہوا تھا۔
"آج کل" کے سرورق کی بات چل نکلی ہے تو یہ ذکر نامناسب نہ
ہوگا کہ ۱۹۸۳ء میں آج کل کے آٹھ شماروں کے سرورق پر
صادقین صاحب کے بنائے ہوئے غالب کے مصور اشعار شائع
ہوئے۔ یہ سلسلہ بے حد پسند کیا گیا۔ بلکہ اسی برس حکومت ہند
کی وزارت اطلاعات و نشریات کے ڈائرکٹوریٹ آف ایڈورٹائزنگ
اینڈ وژول پبلسٹی نے "آج کل" کو کل ہند مقابلے میں بہترین

صادقین ۱۹۸۲ء

ڈیزائننگ اور چھپائی کے لیے دوسرا انعام دیا تھا۔ [illegible]
کے ایک مسئلے کو ملا تھا۔ یہ افتخار کبھی "آج کل" [illegible] صادقین صاحب
کی بدولت حاصل ہوا۔
صادقین صاحب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

تو فقط انور چغتے ہیں ادا ہوتا کر ر ـــــ ر ـــــ ر کی تکرار کا تاثر محسوس ہوتا رہتی۔ فقط بالعموم دبا کر پڑھتے۔ واحد اثر آواز کے زیر و بم میں نمایاں ہوتا۔

مزاج میں مثالی سادگی تھی۔ قول اور فعل میں ہنا خرص اور ہوس کا شائبہ تک نہ تھا۔ دوست سے دوستی تھی۔ غیر سے دشمنی نہ تھی۔ بلکہ ان کے یہاں غیر اور دشمن دونوں لفظ گمان اور قیاس سے خارج تھے۔ کون کتنا اور کیسا دوست ہے؟ وہ اس سے قطعی بے نیاز تھے۔ ان کا ڈیرا تو ایک فقیر بے نظیر کا آستانہ تھا اس صورت میں بعض ایسے لوگوں کی بھی بن آتی جنہیں اور کہیں کھل کھیلنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ بے غرض نشاط تھی یا نہیں۔ بہرحال اک گونہ بے خودی کے طلب گار شام سے کچھ پہلے ہی پڑیے پر دستک دیتے۔ گویا صلائے عام ہو۔ صادقین صاحب کا رفیق میاں انور چاہے، ان چاہے لوگوں کی مدارات میں معروف ہوجاتا محفلیں رات گئے تک جمی رہتیں۔ قاعدے سے جس شخص کو میزبان ہونا چاہیے تھا' وہ میزبانی کے فرائض انجام دیتا۔ اور یہ سلسلہ آئے دن کا تھا۔ عام خیال ہے کہ صادقین صاحب بہت پیتے تھے لیکن یہ صحیح نہیں۔ یہ البتہ درست ہے کہ وہ دیر تک پیتے تھے یہاں معلوم نہ ہوتا کہ آفتاب جام کب طلوع ہوا اور کب غروب' صادقین صاحب نے ایسا شاید کبھی کہا تو نہیں' تاہم میں نے محسوس کیا کہ بعض لوگوں کی آمد سے صادقین صاحب کو الجھن ہوتی تھی کہ وہ ان سے زیادہ پیتے تھے۔ نیت میں گویا ایک ہی خلش ہوتی: ظالم بھرے ہے جام تو جلدی سے بھر کہیں۔ اور کھانے میں تو وہ صادقین صاحب سے یقیناً کہیں زیادہ تھے۔ تلی ہوئی مچھلی اور کبابوں کی فرمائشوں کا جو سلسلہ شروع ہوتا تو صادقین صاحب دم بخود رہ جاتے۔ میاں انور عاجز آجاتا۔ بہرحال ایسا بھی ہوتا ہندوستان میں اس صورت حال سے شاید ہی کسی غیر ملکی فنکار کا سامنا رہا ہو۔ صادقین صاحب کو صنعتی نمائش میں پاکستان پویلین کی ترتیب آرائش اور تیاری کے لیے ایک کثیر رقم ملی تھی ان کے ہندوستان آنے کا بہانہ یہ نمائش بنی تھی۔ پھر کچھ دنوں تک وہ ثقافتی تعلقات کی ہندوستانی کونسل کے مہمان رہے تھے۔ یہ بات بھی خود صادقین صاحب نے بتائی کہ ہندوستان میں پورے سال کے قیام میں جو صرف ہوئے تقریباً دو لاکھ روپے صرف کیے۔ اس سلسلہ [illegible] رہی تھی لیکن ایک مرحلے پر جو حالات [illegible] کو معلوم تھی۔

ایک روز امیر قزلباش دفتر آئے۔ گفتگو کے دوران میں نے عرض کی کہ صادقین صاحب کو رباعیات اور سرورق کا معاوضہ ملنا ہے۔ رقم اتنی معمولی ہے کہ صادقین صاحب کو پیش کرنے کا حوصلہ نہیں کر پا رہا ہوں۔ امیر بولے "کتنے روپے ہیں؟" میں نے کہا "تین سو روپے"۔ بولے "اس وقت صادقین صاحب کے لیے یہ رقم قطعی معمولی نہیں۔" تھوڑی دیر بات چیت کا سلسلہ رہا پھر وہ چلے گئے۔ اور میں کام میں الجھ گیا۔ اچانک ذرا سی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا۔ کیا دیکھتا ہوں! صادقین صاحب اپنے رفیق میاں انور کے ساتھ کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ امیر قزلباش کی بات میرے ذہن میں تھی۔ اس وقت اس کی صداقت پر کچھ زیادہ یقین نہیں لا پایا تھا۔ گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوا پانچ بج رہے تھے۔ دفتری اوقات ختم ہو چکے تھے۔ کسی قدر الجھن میں پڑ گیا۔ صادقین صاحب کو بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ فوراً کرسی سے اٹھا اور تیزی سے صادقین صاحب کو لیے ہوئے کیش سیکشن میں پہنچ گیا۔ خیریت

گزری کہ کیشیر مل گیا۔ صادقین صاحب نے رسید پر دستخط نوٹ تھے ہی کتنے! الپیٹ کے جیب میں رکھ لیے۔ پھر ہم کمرے میں

کو تیمور صاحب بولے: "میں رسید پر دستخط کر دیتا ہوں۔ روپے آپ رکھ
لیں۔" پوچھا: "سبب؟" بولے: "میرے پاس بہت ساری ہندوستانی کرنسی
بچ رہی، نہیں آتا اسے کیا کروں۔" عرض کی: "ان تین سو روپیوں کا بھی
وہی کیجیے گا جو باقی کے لیے فرمائیں۔" موصوف نے خاموشی کے
ساتھ لفافہ لے لیا، لیکن ایک کرب چہرے سے نمایاں تھا۔ بچھڑنے کا۔
بہرحال بچھڑنا تھا۔ اور بچھڑنا بھی کیسا دائمی! انتہائی کرب انگیز۔
صادقین صاحب نے خط لکھنے کا وعدہ تو نہیں کیا لیکن جانے
کے کچھ ہی عرصے بعد جب آبائی شہر کو تشریف لے گئے بڑا محبت بھرا خط لکھا

اُس دور افتادہ بھائی نے اِس بھائی کو کوئٹے کی وادیوں، پہاڑیوں
کی کوچوں اور وہاں کی سبزیوں، خشک میووں، تازہ و تر پھلوں کی
دعائیں اور سلام لکھا۔ ان کے خط میں درج جملوں میں ان کی
باتوں جیسی خوشبو تھی ـــــ گھر کی خوشبو تھی۔

میری آنکھیں بھیگ گئی ہیں۔ ذہن میں خیالات گڈمڈ
ہونے لگے ہیں۔ اظہار کی راہ مفقود ہے۔ آنکھیں خلا میں لگی ہوئی ہیں
اور کچھ دیکھ نہیں رہی ہیں۔ جیسے کسی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ جیسے
اُسی کو ڈھونڈ رہی ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

ادبی زندگی کا آغاز :

۱۔ یہ آغاز اسکول ہی میں تعلیم کے دوران پیدا ہو گیا تھا جو میں قلم بند کرتا رہا۔ جو بعد میں میگزینوں اور اخباروں میں شائع ہوتی رہیں

۲۔ مگر سنجیدہ آغاز ۱۹۴۲ء میں اس وقت ہوا جب میری ایک نظم "تنہائی" مولانا صلاح الدین احمد کے موقر میگزین "ادبی دنیا" میں شائع کر دی گئی۔ اور لاہور کے مشہور ادبی حلقے حلقۂ اربابِ ذوق نے اُسے سال کی بہترین نظم ڈکلیئر کر دیا۔

۳۔ ۱۹۴۳ء کے آغاز میں ترقی پسند ادبی تحریک کے نمائندہ ترجمان پبلشر مکتبہ اردو لاہور اور ادبِ لطیف سے وابستگی اختیار کی۔

۴۔ اور پھر معروف ادبی رسائل "ادبِ لطیف" "ہمایوں" "ادبی دنیا" میں میری نظموں کی پے بہ پے اشاعت شروع ہو گئی۔

۵۔ ۱۹۴۶ء میں ممتاز مفتی اور میری مشترکہ ادارت میں [illegible] ۱۹۴۱ء [illegible] دو ماہی میگزین "سویرا" شائع ہوا جس نے بڑے [illegible] کر دکھایا۔

۶۔ ۱۹۴۷ء میں ایک مرتبہ پھر ماہنامہ "ادبِ لطیف" کی ادارت کی ذمہ داری سنبھال لی۔

۷۔ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات کے باعث تنگ نہ چل سکی اور مجھے بطور رفیوجی ہندوستان میں آنا پڑا۔

پہلی تصنیف :

۱۔ ۱۹۴۷ء میں ہی میری نظموں کا پہلا مجموعہ "ہیولے" کے نام سے مکتبہ اردو نے ہی شائع کیا جو فسادات کے سبب زیادہ پبلسٹی حاصل نہ کر سکا۔ فسادات کی نذر ہو گیا۔

۲۔ فسادات کے بعد شاعری ترک کر دی۔ کیونکہ عام شعر و سخن سے مختصر شاعری تھی اور آزادی کے بعد میرا ابلاغ عوام کے مسائل سے زیادہ ہو گیا، اس لیے مزاح اور طنز میں نثر تحریر کرنا شروع کر دی جو عوام کو بھی بھا گئی اور پسند بھی۔

دوسری تصانیف :

۱۔ سب سے پہلی نثری تصنیف "چھٹا دریا" تحریر کی جو فسادات پر ایک دردناک ڈائری کے فارم میں تھی ـــــ ۱۹۴۹ء

۲۔ بہ سلسلۂ فسادات ایک کتاب "ساتواں شاستر" قلم بند کی۔ ۱۹۵۱ء۔ اس کے بعد تصانیف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا جن کا ذریعۂ اظہار صرف طنز و مزاح تھا۔ ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء تک سترہ یا ۱۶ تصانیف شائع ہو چکی ہیں جو طنز و مزاح کے مضامین پر مشتمل ہیں :

۱۔ تیر نیم کش (۱۹۵۳ء) ۲۔ پروفیسر بدھو (۱۹۵۳ء) ۳۔ ماڈرن الہ دین (۱۹۵۵ء) ۴۔ خد و خال (۱۹۵۵ء) ۵۔ ساتواں شاستر (۱۹۵۶ء) ۶۔ ہم ہندوستانی (ہندی) (۱۹۵۷ء) ۷۔ بدنام کتاب (۱۹۵۸ء) ۸۔ آدھا آدمی (۱۹۵۹ء) ۹۔ آخری کتاب (۱۹۶۱ء) ۱۰۔ فکر نامہ (۱۹۶۱ء) ۱۱۔ پیاز کے چھلکے (۱۹۶۲ء) ۱۲۔ چھلکے ہی چھلکے (۱۹۶۳ء) ۱۳۔ [illegible]۔

(۱۹۸۳ء) ۱۴۔ گھر میں چاند (۱۹۸۶ء)
۱۵۔ میں (آپ بیتی حصہ اوّل) (۱۹۸۶ء)
۱۶۔ میری بیوی کا (آپ بیتی دوسرا حصہ) (۱۹۸۸ء)

دیگر ادبی اور علمی سرگرمیاں:

۱۔ کالم نگار نمبر — ۱۹۸۵ء۔ اردو میں ایک سو سالہ کالم نگاری پر رسالہ "چنگاری" کا ایک ضخیم نمبر مرتب کیا۔

۲۔ دہلی میں وحدت بڑے تین ایکٹ کے دو اسٹیج ڈرامے تحریر کیے جو دہلی کے ایک تھیٹر پر نہایت مقبول ہوئے۔
۱۔ دربار اکبری ۲۔ گاندھی شتابدی (یہ پورے کا پورا منظوم اسٹیج ڈرامہ تھا)

۳۔ دہلی کے مستند ادبی رسالہ "شاہراہ" کی دو سال تک ادارت کی۔ ۵۷-۱۹۵۶ء

۴۔ ریڈیو اسٹیشن جالندھر اور دہلی پر سینکڑوں ڈرامے، ڈرامچے، فیچر اور تقریریں کیں۔

۵۔ ٹیلی ویژن پر پانچ ڈرامے پیش کیے۔ پسند کیے گئے۔

۶۔ میرا ایک ریڈیائی ڈرامہ "آج کا سچ" تو ہندوستان کے ہر ریڈیو اسٹیشن نے براڈکاسٹ کیا۔

۷۔ ایک ادبی میگزین "رفتار" کے نام سے جالندھر سے جاری کیا جو مالی ذرائع کی کمی کا شکار ہو کر بند ہو گیا

میری کالم نگاری:

۱۔ ۱۹۵۳ء سے کمیونسٹ پارٹی کی پنجاب برانچ نے روزنامہ "نیا زمانہ" شروع کیا۔ جس میں روزانہ ایک طنزیہ کالم "آج کی خبر" کے نام سے شروع کیا۔ جو خاصا مقبول ہوا۔

۲۔ "نیا زمانہ" بند ہوا اور میں نے ۱۹۵۸ء میں دہلی کے روزنامہ "ملاپ" میں "بنیاد کے چھلکے" کے نام سے روزانہ تحریر کرنا شروع کیا اور ۲۵ برس تک لکھتا رہا۔ جسے ہندوستان کے قریب کسی بھی اردو تعلیم یافتہ کو آج تک نہیں بھولتا۔

سیاست:

۱۹۴۸ء سے سیاست میں دلچسپی لینا شروع کی۔ بائیں بازو کے رجحان کے باعث کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا فُل ٹائم ممبر بن گیا۔ مگر یہ ممبری تین چار سال سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اگرچہ مارکسزم ابھی تک میرے قلم اور سوچ پر مسلط ہے۔

انعامات و اعزازات:

۱۔ پنجاب سرکار کی طرف سے اعزازی عطیہ — ایک ہزار روپے — ۱۹۵۶ء
۲۔ یوپی اردو اکیڈمی — میری تصنیف بنام "کتاب" پر ایوارڈ — ۱۹۶۱ء
۳۔ یوپی اردو اکیڈمی میری تصنیف "مسکرا نامہ" پر ایوارڈ — ۱۹۶۹ء
۴۔ سوویت لینڈ نہرو ایوارڈ۔ میری ادبی خدمات پر ایوارڈ — ۱۹۶۹ء
۵۔ میر اکادمی ایوارڈ — ۱۹۸۲ء
۶۔ بنگال اردو اکادمی، میری کتاب "[illegible] کہانی" پر ایوارڈ۔ ۱۹۸۵ء
۷۔ دہلی ہندی ساہتیہ سمیلن۔ ادبی اعزاز اور شال ۱۹۸۵ء
۸۔ بھاشا وبھاگ پنجاب۔ ادبی ایوارڈ اور شال ۱۹۸۷ء
۹۔ غالب ایوارڈ، دہلی۔ ادبی ایوارڈ ۱۹۸۷ء

[illegible]

قدرت اللہ شہاب کی شخصیت کا جائزہ

ان کی علمی زندگی کی عمر جیت سے ہی لیں وہ بنیادی طور پر افسانہ نگار ہی نظر آتے ہیں۔ ادب میں ان کی اولین روشناسی مولانا صلاح الدین احمد نے رسالہ "ادبی دنیا" میں کرائی تھی اور مولانا ان کا پہلا افسانہ "چندراوتی" پڑھتے ہی کھل اُٹھے تھے۔ چنانچہ شہاب کے اس پہلے افسانے کے تعارف میں ان کے پاس تعریف و تحسین کے جو

الفاظ تھے انہوں نے سب خرچ کر ڈالے۔ اس زمانے میں "ادبی دنیا" کے صفحات پر کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، اپندر ناتھ اشک، آغا بابر، شمس آغا اور مسعود شاہد جیسے افسانہ نگار اپنے فن کے نقوش کو پیش کر رہے تھے اور یہ باور کیا جاتا تھا کہ اس روشن کہکشاں میں کسی نئے ستارے کے لئے اپنی جگہ بنانا ممکن نہیں۔ لیکن قدرت اللہ شہاب کا پہلا افسانہ شائع ہوا تو مولانا صلاح الدین احمد نے ایک نئے شہابِ ثاقب کے طلوع کی نوید دی اور تعریف اس فراوانی سے کی کہ قدرت اللہ شہاب کے بے شمار پیدا ہو گیا کہ وہ اس تعریف کو سہار نہیں سکیں گے بلکہ اس کے بوجھ تلے دب جائیں گے۔

قدرت اللہ شہاب کے اس افسانے کی خاص بات یہ تھی کہ اس میں کشمیر کی غربت کو موضوع بنایا گیا تھا یہ موضوع نیا نہیں تھا اس زمانے میں اس موضوع پر کرشن چندر اپنے مخصوص رومانی انداز میں جیران کن افسانے لکھ رہے تھے۔ پریم ناتھ پردیسی، ٹھاکر پونچھی اور شمس آغا جیسے افسانہ نگاروں نے بھی کشمیر کی غربت پر جاندار افسانے لکھے تھے۔ احمد ندیم قاسمی نے اس رومانی انداز کو وادیٔ سون کے دیہات پر آزمایا تھا لیکن ان سب کے

کے تلوے فن کرشن چندر کے سامنے ماند پڑ جاتے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب کرشن چندر کے نقوشِ پا پر ہی نہیں چل رہے بلکہ ان کے فن کی چاندنی سے مستفید بھی ہو رہے ہیں۔ قدرت اللہ شہاب نے کرشن چندر کے رومانی اثرات قبول نہیں کئے۔ انہوں نے کشمیر کی وادی سے لطافت اور غربت کے تضاد کو ابھارنے اور ترقی پسندانہ انداز میں ایک خاص نوع کا تاثر پیدا کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔ غربت ان کے نزدیک زندگی

کی ایک اہم حقیقت تھی اور انہوں نے اس حقیقت کی
نقاب کشائی بڑی بے رحمی سے کی، ان کے کردار افسانے
کی سوچی ہوئی کہانی کو منکشف نہیں کرتے تھے بلکہ افسانے
کے واقعات ہی کرداروں کی ذاتی زندگی مرتب ہوتی تھی
اور ایسی دل دوز کیفیت سامنے آجاتی تھی جس کا سامنا
نصف صدی پہلے کا انسان ہی کر سکتا تھا۔ میرا خیال ہے
کہ مولانا صلاح الدین احمد کو قدرت اللہ شہاب کی اس
انفرادیت نے ہی متاثر کیا تھا اور پھر وہ ان کے نئے
افسانے کے لئے چشم براہ رہنے لگے۔ چنانچہ جب ان کا
ایک اور افسانہ "پھوڑے والی ٹانگ" شائع ہوا تو
اہل مغرب نے دیکھا کہ مولانا صلاح الدین احمد نے اس
کی بھی بے پناہ تعریف کی اور انہوں نے اب جو اسمائے
تفضیل استعمال کئے ان کے سامنے سابقہ مرکب اضافے توصیفی
بھی ماند پڑ گئے۔

مولانا صلاح الدین احمد جو اردو افسانے کے بڑے
پارکھ تھے، انہوں نے دیکھا کہ قدرت اللہ شہاب اپنے
مشاہدے میں بے حد زیرک اور مشاہدے کی ترجمانی میں
بے حد مخلص تھے۔ ان کا فن "زندگی کی کوکھ سے پیدا ہوتا
اور خود زندگی کو جنم دیتا تھا۔" مولانا کے نزدیک یہ
فن کی صحیح قدر تھی اور اس کا فروغ جب قدرت اللہ شہاب
کے افسانوں میں ہونے لگا تو ان کی تحریریں بھی طلسم
ہو گئیں۔ شہاب کے اس دور کے افسانوں میں "ایک
[illegible]"، "جمہورنت سنگھ" اور "شلوار" بہت مشہور
ہوئے۔ لیکن انہیں شہرت دوام ان کے افسانہ "دو رنگا"
سے حاصل ہوئی، یہ افسانہ حیات کے ایک ایسے کردار کا
افسانہ تھا جس نے غریب کی گود میں امارت کے خواب
دیکھے۔ انجینیرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے وسائل کی

کئے لیکن پھر اپنے فنی علم کو تعمیرات عامہ میں استعمال کرنے
کے بجائے حصول دولت کے لئے کام میں لانے لگا۔
قدرت اللہ شہاب نے اس کردار کا تعارف یوں کرایا تھا:

"وہ نام قیصر، پیشہ انجینیری لیکن عرفاً اسے دو رنگا کہتے
تھے۔ اس نام سے اس کو چڑ تھی۔ لیکن یہ اس کے بس کا
روگ نہ تھا۔ اس کے چہرے پر برص کے بڑے بڑے
دھبے تھے۔ گالوں پر، ماتھے پر، ہونٹوں پر، ناک کے
پاس، ٹھوڑی کے نیچے، گردن کے اردگرد، انگلیوں
کے پوروں پر۔ ہر جگہ سفیدی کے بڑے بڑے چوڑے
چوڑے داغ تھے جن کے درمیان جا بجا اصلی جلد کے
کالے کالے نشان بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے
تھے جیسے سمندر کے جھاگ پر کوئلوں کے ذرے
تیر رہے ہوں۔ کچھ لوگ اسے دھوپ چھاؤں کہتے
تھے لیکن یہ نام اس کے دفتر کے کلرکوں اور چپڑاسیوں
تک ہی محدود تھا۔ کیونکہ وہ اس کے مزاج میں دھوپ
کی تیزی اور دھوپ کی کپکپا دینے والی چھاؤں سے کافی
واقف تھے۔ دو رنگی جلد، دو رنگا مزاج قسمت بھی
اس کی زندگی کو ہر پہلو دوغلا بنانے میں مددگار رہی تھی"
دو رنگا کا کردار ظاہر اور باطن کے تضاد سے تخلیق
کیا گیا تھا اور قدرت اللہ شہاب نے یہ جرأت کر لی،
مدیر "ادبی دنیا" نے اس کی داد بڑی کشادہ دلی
سے دی، اور وجہ یہ ہے کہ اس افسانے کی طرح ہی ایک
خاص جاذبیت تھی جو لبوں پر مسکراہٹ بکھیرنے کے بجائے
تیر کی انی کی طرح سیدھی دل میں اتر جاتی ہے اور پھر سلسلہ
تنفس رک جاتا۔ یہ افسانہ اس آخری کڑی تھا جو مسلسل
ہیجان سے پیدا ہوتا ہے اور آنکھوں کی پلکوں پر منجمد ہو جاتا
ہے۔ اس افسانے کا مرکزی پہلو یہ کہ حقیقت زندگی سے تیار

سمجھا گیا تھا اس لئے اس کی آخری کسی مدرسے یا دیگر
کی گنجائش نہیں تھی۔ چنانچہ اب اس حقیقت کا اظہار ضروری
ہے کہ قدرت اللہ شہاب کی شہرت میں "[illegible]"
کو جو مقام حاصل ہے وہ ان کے دوسرے افسانوں کو حاصل
نہیں ہوا۔ اس افسانے سے ان کا ادبی وقار بڑھنا شروع
ہوا تو "یا خدا" کی تخلیق تک مسلسل فرازِ ادب کی طرف
بڑھتا چلا گیا اور اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ مولانا
صلاح الدین احمد نے اردو افسانے میں ایک نئے شہاب
ثاقب کی آمد کی جو خبر دی تھی وہ غلط نہیں تھی۔

قدرت اللہ شہاب کی ادبی شخصیت کی سربلندی میں
ان کے افسانے "ماں جی" اور ماتشہ "آگی" سفرنامے "اے بنی اسرائیل"
اور پراسرار افسانے "ہرسول لانٹر" کو بھی اہمیت
حاصل ہے۔ ان کا ایک کرداری افسانہ "ماں جی" تو اتنا
مقبول ہوا کہ ان کی ایک کتاب کے دیباچہ نگار پر طویل
عرصے کے بعد یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ

"شہاب کا انداز بیان اپنے ہم عصروں میں سے کسی
سے بھی مماثل نہیں ہے ۔ ۔ ۔ شہاب کا افسانہ ایک بار
پڑھ لینے کے بعد ایک بار پھر پڑھنے کو جی چاہتا ہے"
دیباچہ نگار کی رائے میں "یہ خصوصیت بہت کم
افسانہ نگاروں کو حاصل ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ "ماں جی" عظمت اور
فضیلت کا مجسم تصویر ہے۔ شہاب صاحب نے یہ افسانہ
اپنی ادبی زندگی کے آخری دور میں جب ان کا فن پختہ
ہو چکا تھا لکھا تھا چنانچہ "ماں جی" بھی
متاثر کرتا ہے۔ اس کا ذائقہ بھی بے حد شیریں ہے لیکن
یہ ناقدین کے حلقے میں وہ ہلچل پیدا نہیں کرتا جو "دور کاہ"
"بگلبگ" اور "ایفنڈ فلاور" جیسے افسانوں نے اور "یا خدا"
جیسے ناولٹ نے پیدا کیا تھا۔ "ماں جی" تو چشمۂ صافی کی طرح

جہاں پہنچتے ہیں بیان صداقت ہے۔ قدرت اللہ شہاب
کے افسانوں کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ان سب کا مجموعی محور
ایک ناول جیسا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں
نے زندگی کو جس براہ راست انداز میں دیکھا تھا من و عن
پورے بے خبر ہو کر بیان کیا ہوا نظر آیا اور وہ اس کے قلمی انداز
افسانے میں چلے گئے اور اس سے زندگی کی جو مجموعی تصویر
سامنے آئی اس میں ناول جیسی بھرپور کیفیت موجود تھی
قدرت اللہ شہاب نے دنیا کی ہر حسین چیز کو اور بالخصوص
عورت کو بکتے ہوئے دیکھا اور دنیادار مرد انہیں ہمیشہ حسن
کا خریدار اور حسن کو پامال کرنے والا ہوس پرست
کردار نظر آیا۔ قدرت اللہ شہاب اپنے افسانوں کے
اس مرکزی خیال کو بار بار آزماتے اور اس خیال کی صداقت
کا ثبوت خود زندگی کی کوکھ سے تلاش کر لاتے ہیں۔ لیکن
دلچسپ بات یہ ہے کہ انکشاف کے اس عمل میں قدرت اللہ
شہاب نے اپنی غیر جانبداری ظاہر کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ
نہ صرف موضوع کے ساتھ وابستہ رہے بلکہ انہوں نے اپنے
کرداروں کا ساتھ بھی دیا۔ ان کے کردار ان کی دنیا کے حقیقی
کردار ہیں۔ اور ان کے ساتھ شہاب نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ
گزارا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا درست ہے کہ انہوں نے زندگی
کو صرف غیر مثالی یا تخیلی نمونہ بنا کر پیش نہیں کیا بلکہ زندگی
کو نیکی اور برائی کی آماجگاہ قرار دیا ہے اور اسے جملہ خامیوں
اور خوبیوں سمیت قبول کیا ہے۔ ترقی پسند افسانے کے
عروج کے دور میں ان کے فن کی یہ خصوصیت اس لئے منفرد
نظر آتی ہے کہ انہوں نے ایک خاص نوع کا تاثر پیدا کرنے
کے لئے کسی فارمولے پر عمل نہیں کیا۔ مستقبل کی کسی موہوم
امید کا راگ رقت آمیز انداز میں نہیں چھیڑا اور کسی خاص
فرقے کے خلاف تعصب پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ حقیقی
انسانوں کو اپنا موضوع بنایا اور ان کے مجموعی کردار کو پیش کیا

قدرت اللہ شہاب کے افسانوں کی آخری خوبی یہ ہے
کہ انہوں نے مرد کے ہاتھ عورت کے المیہ کو ابھارنے کی
نمایاں کوشش کی ہے۔ اس میں ہمارے شک نہیں کہ ان کے افسانوں کا
موضوع خاص ہے لیکن اس کی ساری فعالیت فرد کی ذات
اور محسوس جذبوں میں صرف ہوتی ہے عورت کا کردار سب سے
مشغول ہے یہ عورت ہر جگہ مرد کی ہوس پرستانہ ستم کا
کا شکار بنتی اور اس کی تشکیل تسکین میں مجبوراً معاونت
کرتی ہے اس عورت کی سب سے اہم مثال "یاخدا" کی شہزاد
ہے جو فسادات کے ظلم سہتے سہتے آخرکار ارض موعود میں
پہنچ جاتی ہے لیکن یہاں نئے مظالم اس کو دیکھ رہے ہیں
اور وہ ایک دفعہ پھر ستم کا شکار بنا دی جاتی ہے۔ شہاب
نے ظلم کو ظالم کی سطح پر دیکھا اور اس افسانے میں ہمدردی
ذرا سی رحم بھی پیدا نہیں ہونے دی۔ اس افسانے میں گہری
اور کٹیلی طنز کی کیفیت حاصل ہے جو موجود ہے سے لے مغربی
تشدد فراہم کرتی اور افسانے کے گہرے تاثر کو ابھار دیتی
ہے۔ چنانچہ اس دور میں جب ترقی پسند افسانہ فسادات
کو پکے اور معنوی کرداروں کے ذریعے پیش کر رہا
تھا۔ قدرت اللہ شہاب نے حقیقت کی جسامت کو
مجسم کر دیا اور اپنے طرز سے کسی کو بھی بچ نکلنے کا موقع
نہیں دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ "یاخدا" کی مخالفت سب سے زیادہ
ترقی پسند پارٹی کی جو اس تاریک موضوع پر غالب ہوا
افسانے لکھ کر مطمئن ہو چکے تھے "یاخدا" ۱۹۴۸ء کے
فرقہ وارانہ فسادات پر لکھا گیا سب سے بھرپور اور اثر آفریں
افسانہ ہے۔ ممتاز شیریں نے اس کا موازنہ ترقی پسند افسانہ
نگاروں سے کیا اور لکھا کہ

شہاب نے یاخدا میں اس طبقہ پر زبردست طنز
کیا ہے جو مصیبت زدہ پناہ گزینوں سے رسمی ہمدردی
جتاتے ہیں اور اپنے اقتدار و اثرات پر سب سے زیادہ [illegible]
تسکین میں [illegible] طبقہ کے کرداروں پر [illegible]
کی طنز بڑی معنوی ہے اس مقصد کے لئے تین معنوی
کردار لائے گئے ہیں اور ان سے بار بار [illegible] کی
ترانی کی گئی ہے۔"

ممتاز شیریں نے اس تحریر میں بنیادی طور پر [illegible]
کا مفہوم زیادہ ہے مگر کہیں کہیں الفاظ نہیں چاہیے لکھنو
چاہیے، اس بربریت اور بہیمیت کی تزئین، گندگی، [illegible]
رہنے والی تصویریں ترقی پسندوں نے فسادات کے
افسانوں میں الفاظ کا سہارا ترجیح کر دیا تھا بلکہ [illegible] کر دیا
آزادی کی مذمت کر رہا تھا۔ اس کے برعکس قدرت اللہ شہاب نے
"یاخدا" اور [illegible] میں ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں
میں فسادات کا توازن قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی اور نہ
فسادات کے المیے سے اس حقیقی افسانے کو تلاش کیا تھا
جس کے جرائم میں اپنے اور پرائے سب شریک تھے اس
جرم کی انتہا یہ تھی کہ "یاخدا" کے مرکزی کردار دلشاد
پر [illegible] ہو گئی۔ عصمت کے لٹ جانے کا احساس
آہستہ آہستہ زائل ہو گیا اس کی روح مر گئی اور پھر [illegible] دلشاد
[illegible] "یاخدا" [illegible]
[illegible] کی [illegible] بن گئی۔

قدرت اللہ شہاب بحری طور پر بے رحم صداقت اور
بے باک حقیقت نگاری کے افسانہ نگار ہیں۔ افسانہ اگرچہ ان
کے اظہار کا صنف خاص تھی اور اس صنف میں انہوں نے
گنتی کے چند افسانے لکھنے کے باوجود اپنی انفرادیت کو
تسلیم کروا لیا تھا۔ لیکن یہاں بھی حقیقت کی طرف جو
خاص اشارہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کی عملی زندگی کے
بیشتر سوانحات پہلی افسانے کا گمان ہوتا ہے۔ چنانچہ

(بقیہ صفحہ ۲۸۹ پر)

نند کشور وکرم

اردو ادبی صحافت میں جو مقام علامہ نیاز فتح پوری، مدیر "نگار" اور محمد طفیل ایڈیٹر "نقوش" کو حاصل ہوا وہ کسی اور ادبی رسالے کے مدیر کو حاصل نہ ہو سکا۔ اول الذکر کا آفتابِ شہرت حصولِ آزادی سے پہلے عروج پر تھا جب کہ مؤخر الذکر کا آزادی کے بعد اور طفیل جیسے آسمانِ ادب پر ایسا چمکا کہ سب کی روشنی ماند پڑ گئی۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس میدان میں طفیل نے اپنے کارہائے نمایاں سے وہ بلند مقام حاصل کر لیا جو کسی اور ادبی مدیر کو حاصل نہ ہو سکا، تو شاید مبالغہ نہ ہوگا۔

طفیل مرحوم نے "نقوش" کا اجراء ۱۹۴۸ء کے نصف آخر میں کیا لیکن تب وہ خود اس کے ایڈیٹر نہیں بنے۔ شاید اس کی وجہ یہ احساس ہو کہ رسالے کی مقبولیت و شہرت کے لیے ضروری ہے کہ کوئی ممتاز و نامور ادبی شخصیت ہی اس کی مدیر ہو۔ بہر حال وجہ کوئی بھی ہو، انہوں نے اس رسالے کی ادارت کے فرائض مشہور و مقبول افسانہ نگار اور شاعر احمد ندیم قاسمی اور ہاجرہ مسرور کو سونپے۔ بعد ازاں کچھ شمارے وقار عظیم کی ادارت میں منظرِ عام پر آئے۔ بیاسی شماروں کی اشاعت کے بعد اپریل ۱۹۵۱ء میں "نقوش" کی ادارت انہوں نے خود سنبھال لی۔ اس وقت بیشتر افراد کا خیال یہ تھا کہ وہ اس ذمہ داری کو بخوبی انجام نہیں دے پائیں گے اور انہیں ناکامی و نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا لیکن اپنی محنت، جد و جہد اور کاوش سے انہوں نے مختصر سی مدت میں ایسے تمام اندیشوں کو غلط ثابت کر دیا۔ "نقوش" کے ضخیم اور یادگار نمبر نکال کر ادبی صحافت میں انہوں نے ایک منفرد اور غیر معمولی مقام حاصل کر لیا۔

تاہم ایسا نہیں ہے کہ طفیل کو اس رسالے کی ادارتی ذمہ داریاں نبھاتے ہوئے کسی دشواری یا دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ شروع شروع میں انہیں کئی طرح کی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور مختلف قسم کے تلخ تجربات سے دوچار ہونا پڑا۔ جیسا کہ انہوں نے خود تحریر کیا ہے:

> جب میں نقوش کی ادارتی ذمہ داریوں میں نیا نیا پھنسا تھا تو مجھے اس گھٹیا منصب کے اسرار و رموز اور نزاکتوں کا قطعی علم نہ تھا۔ مجھے یہی علم نہ تھا کہ اس باب میں کون میری مدد کرے گا اور کون ٹانگ کھینچے گا۔ مدیرانہ فرائض کو میں نے گھٹیا اس لیے کہا کہ آج کوئی بھی خوددار انسان کسی ادبی رسالے کا مدیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ بیشتر لکھنے والے گروہ بازیوں کا شکار ہیں۔ (ادب اور پارٹی بازی جہاں اکٹھے ہو گئے) کوئی مدیر اگر کسی لکھنے والے سے سلام دعا کرتا ہوا پکڑا جائے تو سمجھ لیجیے کہ اس ادیب کے جتنے بھی مخالف ہیں وہ سب دشمن مدیر کے حصے میں آ گئے۔
>
> (نقوش شخصیات نمبر ۱ صفحہ ۳۳۸)

طفیل نے تقریباً ۳۴ برس (اپریل ۱۹۵۱ء تا جولائی ۱۹۸۵ء) نقوش کی ادارت کی۔ اس عرصے میں اشاعت پذیر

بتمام شماروں اور خصوصی نمبروں کی تعداد ۸۵ ہے۔ یہ تک بھگ ۴۵ ہزار صفحات پر مشتمل ہیں۔ گو صفحات کی تعداد کو اس سلسلے میں کوئی زیادہ اہمیت حاصل نہیں، لیکن اس مدت میں شائع ضمیمہ اور اہم خصوصی نمبر بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

نمبر	صفحات	تاریخ
افسانہ نمبر	۳۰۰ صفحات	ستمبر ۱۹۵۲ء
" "	۵۰۴ "	جنوری ۱۹۵۴ء
" " (دو جلدیں)	۱۰۹۰ "	دسمبر ۱۹۵۵ء
" "	۷۰۴ "	نومبر ۱۹۶۰ء
افسانہ نمبر	۶۷۶ صفحات	نومبر ۱۹۶۸ء
" "	۵۷۵ "	ستمبر ۱۹۷۴ء
غزل نمبر	۴۸۰ "	مئی ۱۹۵۲ء
ضمیمہ غزل نمبر	۴۵۶ "	جولائی ۱۹۵۴ء
غزل نمبر (اضافہ شدہ)	۷۵۲ "	جنوری ۱۹۶۰ء
پنجاب نمبر	۴۰۸ "	فروری ۱۹۵۴ء
دس سالہ نمبر	۴۴۴ "	اگست ۱۹۵۸ء
شخصیات نمبر (حصہ اول)	۷۰۰ "	جنوری ۱۹۵۵ء
" " (حصہ دوم)	۸۱۶ "	اکتوبر ۱۹۵۶ء
سالنامہ	۳۸۴ "	جنوری ۱۹۵۷ء
"	۹۰۸ "	جنوری ۱۹۶۳ء
" جنگ نمبر (تین جلدیں)	۱۲۲۴ "	اپریل ۱۹۶۶ء
"	۵۲۸ "	جولائی ۱۹۷۴ء
"	۵۴۰ "	جنوری ۱۹۷۹ء
"	۴۸۰ "	دسمبر ۱۹۸۴ء
"	۷۱۰ "	جون ۱۹۸۵ء
مکاتیب نمبر (دو جلدیں)	۱۴۴۸ "	نومبر ۱۹۵۷ء
طنز و مزاح نمبر	۹۴۸ "	فروری ۱۹۵۹ء
پطرس نمبر	۴۴۰ "	ستمبر ۱۹۵۹ء
ادب عالیہ نمبر	۱۴۰ "	اپریل ۱۹۶۰ء
لاہور نمبر	۱۲۴۴ "	فروری ۱۹۶۲ء
شوکت تھانوی نمبر	۹۲۴ "	ستمبر ۱۹۶۳ء
آپ بیتی نمبر (دو جلدیں)	۱۹۶۴ "	جون ۱۹۶۴ء
خطوط نمبر (تین جلدیں)	۱۷۲۰ "	اپریل ۱۹۶۸ء
غالب نمبر ۱	۸۴۰ "	فروری ۱۹۶۹ء
غالب نمبر ۲	۳۸۸ "	اکتوبر ۱۹۶۹ء
غالب نمبر ۳	۶۱۲ "	ستمبر ۱۹۷۱ء
اقبال نمبر ۱	۵۵۷ "	ستمبر ۱۹۷۷ء
اقبال نمبر (نیرنگ خیال)	۹۰۰ "	نومبر ۱۹۷۷ء
اقبال نمبر ۲	۶۵۴ "	دسمبر ۱۹۷۷ء
میر نمبر ۱	۹۲۴ "	اکتوبر ۱۹۸۰ء
میر نمبر ۲	۹۳۰ "	نومبر ۱۹۸۰ء
میر نمبر ۳	۵۷۲ "	جولائی ۱۹۸۳ء
ادبی معرکے نمبر (۲ جلدیں)	۱۲۸۸ "	ستمبر ۱۹۸۱ء
میر انیس نمبر	۷۲۸	نومبر ۱۹۸۱ء
عصری ادب نمبر	۸۶۰ "	ستمبر ۱۹۸۲ء
رسول نمبر (۲ جلدیں)	۱۵۷۶ "	دسمبر ۱۹۸۲ء
رسول نمبر (۲ جلدیں)	۱۵۰۰ "	جنوری ۱۹۸۳ء
رسول نمبر (۲ جلدیں)	۱۵۲۰ "	دسمبر ۱۹۸۳ء
رسول نمبر (۳ جلدیں)	۳۰۱۲ "	جنوری ۱۹۸۴ء
رسول نمبر (۳ جلدیں)	۲۱۰۰ "	جنوری ۱۹۸۵ء

ان ضخیم نمبروں کی ادارت و ترتیب سے انہوں نے ایسی روایت قائم کی جس کی مثال برصغیر کی دوسری زبانوں کے ادبی رسائل میں بھی شاید ہی ملے۔ انہوں نے بحیثیت مدیر اتنا کام انجام دیا جتنا شاید ہی کسی دوسرے مدیر نے انفرادی طور پر انجام دیا ہو۔ انہوں نے جن موضوعات پر خصوصی نمبر ترتیب دیے ہیں ان کے مطالعے کے بغیر ان موضوعات پر تحریر و تحقیق کا کام ادھورا رہے گا۔ ایک طرح سے انہوں نے ہماری ادبی تاریخ کو ترتیب دے کر "نقوش" کے صفحات میں اس طرح محفوظ

لکھوایا ہے کہ آنے والی نسلیں صرف ان سے مستفید ہی نہیں ہوں گی بلکہ ان کے لکھوائے نمایاں پر انگشت بدنداں بھی رہ جائیں گی۔

طفیل مرحوم نے "نقوش" کے صفحات کو کبھی اپنی شہرت و مقبولیت کے لیے استعمال نہیں کیا۔ جب کہ اکثر مدیر اپنے رسائل کو اپنی تصاویر و مضامین سے مزین کر کے اپنی شخصیت کو غیر معمولی اور قدآدم بنانے کے لیے بروئے کار لاتے رہے ہیں۔ طفیل صاحب نے جب "نقوش" کا آپ بیتی نمبر شائع کیا تو اس میں لگ بھگ ڈھائی صد مشہور و معروف شخصیات کی آپ بیتیاں شامل کیں، جن میں اولیاء، صوفیاء، علماء، مورخ، سربراہان مملکت، سیاست داں، معلمین، ادباء، شعراء اور غیر ملکی مشاہیر شامل تھے۔ اگر وہ چاہتے تو اس خصوصی شمارے میں اپنی آپ بیتی بھی شامل کر لیتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ حالانکہ انہیں متعدد دوستوں نے اس طرح کا مشورہ دیا تھا کہ اس نمبر میں اپنی آپ بیتی ضرور شامل کرنا' زندۂ جاوید ہو جاؤ گے۔ انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا! کیوں کہ اس سلسلے میں اُن کا جواب تھا کہ — "اگر یہ نمبر زندۂ جاوید نہیں بنا سکتا تو میری آپ بیتی بھی مجھے زندگی بخش نہ سکے گی۔ کیوں کہ کسی کا مرنا اور جینا اس کے کام اور مقاصد پر منحصر ہوتا ہے۔ جتنے لوگ چل پھر رہے ہیں ہے انہیں زندہ سمجھنے میں تامل ہے اور جتنے لوگ مرے ہوئے ہیں ہے انہیں مُردہ سمجھنے کا کوئی حق نہیں۔

(اقتباسات نقوش آپ بیتی نمبر)

مذکورہ بالا نمبر کے سلسلے میں انہوں نے دیوانگی کی حد تک محنت و کاوش کی اور اس سلسلے میں ایسی عظیم المرتبت ہستیوں سے بھی مضامین لکھوائے جن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اُن کا بس چلتا تو وہ اس یادگار نمبر کے لیے "خدا میاں" سے آپ بیتی لکھوا لیتے۔ جیسا کہ انہوں نے آپ بیتی نمبر ۱ میں "طلوع" کے عنوان سے لکھا تھا

"میں سوچ بھی نہیں سکتا کہ نیا پاگل پن کبھی مجھے اس حد تک رسوا کرے گا کہ میں جھونپڑیوں میں بیٹھ کر محلوں کے خواب دیکھوں گا..... چلو چھوڑیں اس بات کو۔ میں تو یہ کہنے چلا تھا کہ اس گنہگارِ ادب نے اب کے بڑے آدمیوں کے ساتھ بڑے لوگوں سے بھی مدد چاہی۔ یہ کوئی انہونی بات تو نہیں کہ ادبی بادشاہوں کے ساتھ دنیاوی بادشاہوں کے ساتھ بھی ملاقات کر لی جائے۔ بادشاہ تو بادشاہ، میں تو اس مضمون کے لیے اللہ میاں سے بھی مضمون لکھوانے کا ارادہ کرتا — بشرطیکہ اس پر قدرت رکھتا۔

ایک طفلانہ سی بات یاد آ گئی۔ آپ نے سُنی ہو گی کہ ایک معصوم سے بچے نے اپنی ماں سے پوچھا تھا۔ "اماں' میرے ابا کہاں ہیں؟"

"اللہ میاں کے پاس۔"

چنانچہ اس بچے نے ابا کو خط اللہ میاں کی معرفت بھیجا تھا۔ ایمان سے کہتا ہوں کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اس نمبر کے سلسلے میں اس یتیم بچے والی معصومیت کو شعوری صورت دے دیتا۔ لوگ نادان ہی تو کہتے۔"

خصوصی نمبروں کے سلسلے میں اُن کا آخری کارنامہ تیرہ جلدوں میں "رسول نمبر" کی اشاعت ہے جو تقریباً ... صفحات پر مشتمل ہے۔ انہوں نے اپنی تنہا محنت و کاوش سے اُسے یادگار نمبر بنا دیا ہے۔ اس میں پرانے لکھنے والوں کے ساتھ ساتھ نئے لکھنے والوں کی گراں قدر معلومات تحریریں بھی شامل ہیں۔ اس نمبر کو اپنی افادیت و اولیت سے ایک ایسا انسائیکلو پیڈیا

کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے کہ مستقبل میں حضرت رسول اکرمؐ کے
کسی بھی پہلو پر لکھتے وقت اس نمبر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا۔ اس
کے علاوہ جب کبھی ادبی رسائل کی تاریخ قلمبند کی جائے گی
"نقوش" اور اس کے مذکورہ نمبر کا ذکر سرفہرست ہوگا۔
"رسول نمبر" کے بعد ان کا ارادہ "قرآن نمبر" نکالنے
کا تھا اور اسی سلسلے میں وہ لاہور سے پشاور اور پشاور سے
اسلام آباد پہنچے تھے، جہاں وہ اپنے دوست احسن علی خاں
صاحب کے یہاں مقیم ہوئے، جہاں ۱۸ جولائی ۱۹۸۶ء کو
ایسے سوئے کہ صبح انہیں بیدار ہونا نصیب نہ ہوا۔ رات میں کسی
وقت حرکت قلب بند ہو جانے سے وہ موت کی آغوش میں
ابدی نیند سو گئے۔

یوں تو طفیل صاحب کو اردو ادب میں زندہ رکھنے کے
لیے "نقوش" کے نمبر ہی کافی تھے لیکن ایک ممتاز و نامور ادیب ہونے
کے علاوہ وہ ایک منفرد اور صاحب اسلوب خاکہ نگار بھی
تھے۔ انہوں نے "صاحب" "جناب" "آپ" "محترم" "معظم" "مکرم"
"مجی" اور "مخدومی" جیسی تصانیف سے اردو خاکہ نگاری
میں قابل قدر اضافہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس سے پیشتر
فرحت اللہ بیگ، اشرف صبوحی، چراغ حسن حسرت، رشید
احمد صدیقی، شوکت تھانوی، اخلاق احمد دہلوی، شورش
کاشمیری، سعادت حسن منٹو وغیرہ نے خاکہ نگاری کے فن کو
غیر معمولی طور پر بڑھایا ۔۔۔ لیکن اس میدان میں طفیل
صاحب کے خاکے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ انہوں نے
[illegible]

پر مشتمل جملے میں وہ بہت بڑی بات کہہ جاتے ہیں جس
کی تشریح و توضیح کے لیے صفحات درکار ہوتے ہیں۔ وہ بڑی جمیل
سے جمیل اور دقیق سے دقیق بات کو بڑے لطیف اور
دلنشین انداز میں کہہ جاتے ہیں۔ مثلاً شاہد احمد دہلوی کے
بارے میں رقم طراز ہیں:

"شاہد صاحب کے جتنے بھی معرکے ہوئے وہ ہم بے
زبان پنجابیوں کے ساتھ۔ مگر آخر میں وہ اس
داغ کو دھو گئے۔ جوش ملیح آبادی کے خلاف نمبر
نکال کر۔"

اسی طرح جمیل الدین عالی کے بارے میں "محترم" میں لکھتے ہیں:

"ڈکٹیٹرانہ شان رکھنے والے، مگر مصلحت آمیزی
میں طاق۔ معاملہ فہم، مگر ضد کے بادشاہ۔ مخلص اتنے
کہ مسکرا مسکرا کر رلا دیں۔ جانب داری کے اصول
شرما جائیں۔ رائٹرز گلڈ کے ناخدا، مگر خود گلڈ کی
دریافت۔"

جوش ملیح آبادی کے خاکے میں یوں رنگ بھرا ہے:

"جاگیرانہ نظام کی پیداوار، مگر خود اس نظام کے جانی
دشمن۔ بھاری بھرکم شخصیت، بھاری بھرکم کلام،
ہلکا پھلکا مزاج، ہلکا پھلکا مذاق، نہ اچھے دوست
نہ اچھے دشمن۔"

اسی طرح کے بے شمار دلنشین، دلکش اور بلیغ جملے
انہوں نے تحریر کیے ہیں اور اپنے عہد کی [illegible] بھی
معروف ہستیوں کی اپنے قلم سے ایسی تصویر کھینچی ہے جو
منہ بولتی دکھائی دیتی ہے۔ انہوں نے بابائے اردو، قاضی
عبدالغفار، یگانہ چنگیزی، نیاز فتح پوری، جوش ملیح آبادی،
شاہد احمد دہلوی، جمیل الدین عالی، جگر مرادآبادی، فراق
گورکھپوری، احسان دانش، شوکت تھانوی، عابد علی عابد،
کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، اختر حسین، شکیلہ اختر،

ابراہیم جلیس، احمد ندیم قاسمی، اختر شیرانی، میرزا ادیب۔ الطاف حسین، پطرس بخاری، مجاز لکھنوی، اے۔ حمید اور ناصر کاظمی کے علاوہ متعدد شخصیات کے خاکوں سے بھی نوازا ہے۔ انہیں پڑھ کر ہم ان کے بارے میں ان گنت باتیں جان پاتے ہیں۔ اور ان سے متعلق ایک رائے قائم کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ دراصل یہ خاکے مصنف کی انفرادیت اور کمال فن کے شہ پارے ہیں۔ انہیں خاکہ نگاری کی صنف میں ایسا مقام حاصل ہے جس تک رسائی کار دشوار ہے۔

طفیل صاحب نے اردو ادب میں جو مقام و مرتبہ پایا، وہ اُن کے خلوص، لگن اور محنت و کاوش کا مرہونِ منت ہے جس کی بدولت وہ ایک غیر معمولی مدیر اور ایک منفردِ خاکہ نویس کے مرتبے تک پہنچے۔ ورنہ اُن کی ابتدائی زندگی کیا تھی۔ انہوں نے شروع میں کتابت کا پیشہ اختیار کیا پھر ادارہ فروغِ اردو نامی اشاعتی گھر کی بنا ڈالی، جہاں سے بے شمار ادبی تخلیقات منظرِ عام پر آئیں۔ حصولِ آزادی کے بعد انہوں نے "نقوش" ایسے رسالے کی شروعات کی جس کے ضخیم نمبروں نے ادبی رسائل کی ایک نئی روایت قائم کی اور ادبی صحافت میں ایک مثالی مقام حاصل کیا۔

مگر طفیل صاحب کو بحیثیت خاکہ نویس کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا تاہم انہیں زندہ جاوید نقوش کے یادگار اور ضخیم نمبروں نے کیا ہے جس کی افادیت سے اُن کا کوئی دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا اور جن کے مطالعے کے بغیر شاید کسی شخصیت یا ادبی موضوع پر تحقیقی کام کی تکمیل ممکن نہیں۔

آج کل نئی دہلی۔ جولائی، ۱۹۸۰ء

عظیم امروہوی

اُردو مرثیے کے آخری امام : نسیم امروہوی

نسیم امروہوی کا تعلق ساداتِ امروہہ کے ایک ایسے مشہور خاندان سے تھا جہاں علم و ادب اور شعر و سخن کا چرچا صدیوں سے جاری تھا۔ مورثِ اعلیٰ سید محمد اشرف دانشمند کی نسل میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں سید خادم حسین قلق ہوئے۔ قلق کے لائق فرزند سید حیدر حسین یکتا تھے۔ یکتا کے فرزند فرزدقِ ہند شمیم امروہوی (ملک الشعراء دربارِ رام پور) ہوئے۔ شمیم امروہوی کے فرزند برجیس امروہوی تھے۔ برجیس کے ہی لائق پسر نسیم امروہوی تھے۔ اس طرح نسیم امروہوی تک مداحیٔ محمد و آلِ محمد کے سلسلے کی پانچویں پشت تھی۔ میر انیس نے تو اپنے فرزند کی زبانی کہا ہے کہ :

پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

لیکن نسیم امروہوی نے اپنے ایک مرثیے کے ساقی نامے میں کہا ہے : ؎

پانچ پشتوں سے ہوں پھیری میں لگانے والا
بے مئے ناب پئے اب نہیں جانے والا

اُردو مرثیے کے ارتقا میں امروہہ میں سب سے زیادہ خدمات خاندانِ نسیم کی ہیں۔ اسی علمی و ادبی ماحول میں ۲۴ اگست ۱۹۰۸ء کو طلوعِ آفتاب کے وقت مرثیے کا یہ آفتاب بھی طلوع ہوا۔ کم سنی ہی میں پہلے والد اور پھر دادا کے سایۂ شفقت سے محروم ہوئے، لیکن مہربان و فرض شناس ماں کی آغوشِ تربیت نے جذبۂ علم و ادب پیدا کیا اور زیورِ تہذیب و اخلاق سے آراستہ ہوئے۔ ۱۹۱۱ء سے تعلیم کی ابتدا ہوئی۔ پہلے الٰہ آباد بورڈ، پھر پنجاب یونیورسٹی

سے مشق کی۔ اس کے بعد کامل، مولوی، عالم، فاضل ادب (مع انگریزی)، فاضل فقہ (مدرس نظامی) اور [illegible]
فاضل کی اسناد حاصل کیں۔ قیام ہند کے دوران معلم عربی دارالعلوم نورالمدارس امروہہ، صدر مدرس باب العلم
نوگانواں سادات، معلم عربی و فارسی قصبہ عربی کالج میرٹھ و مدرسہ دارالعلوم میرٹھ، معلم عربی اعلیٰ انٹر کالج
لکھنؤ، ہیڈ مولوی چرچ مشن ہائی اسکول لکھنؤ اور انچارج شعبۂ فارسی اورینٹل کالج رام پور جیسے ذمہ دار
عہدوں پر فائز رہے۔ رام پور کے قیام کے دوران نواب رضا علی خاں سے خاص قربت رہی۔

۱۹۵۰ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور ریاست خیرپور (سندھ) میں قیام فرمایا۔ وہاں سے کراچی
تشریف لے گئے۔ اور ترقی اردو بورڈ حکومت پاکستان سے وابستہ ہو کر اردو زبان کی سب سے زیادہ ضخیم اور
مبسوط لغت کی ادارت بحیثیت مدیر اول سنبھالی۔ اس کے بعد حکومت پاکستان کی خواہش پر اقبال کے اردو
اور فارسی کلام کی فرہنگ لکھی اس کام کے سلسلے میں لاہور میں بھی قیام رہا۔ آخری عمر میں خیرپور میں ترجمۂ قرآن
بزبان سندھی اور دیگر ادبی کاموں میں معروف تھے۔ انہی دنوں کراچی کے فسادات میں ۲۲ سالہ
پوتے (نعیم رضا) کے ماتھے پر گولی لگنے سے موت ہوئی۔ یہ خبر دل کے پہلے دورے کا سبب بنی۔ اسی حالت
میں ایک قطعہ تاریخ وفات کہا۔

تاریخ مرگ ہے مرے بانکے نعیم کی
ماتھے پہ مار کھا کے مرا پشت پر نہیں

۱۹۸۶ء

کچھ دن بعد دل کا دوسرا دورہ پڑا اور ۲۸ فروری ۱۹۸۷ء بروز ہفتہ صبح کی اذان کے وقت اپنے
خالق حقیقی سے جا ملے۔ پسماندگان میں چار پسر اور ایک دختر ہیں اولاد میں صرف قسیم بن نسیم شاعر و ادیب
ہیں اور انہی سے مستقبل میں کافی امیدیں وابستہ ہیں۔

نسیم امروہوی ایک منفرد شخصیت کے مالک تھے، چہرہ نورانی، پیشانی کشادہ، [illegible]، مزاج نرم،
گفتگو شیریں، دماغ روشن، پوری زندگی صرف علم و ادب اور شعر و سخن کی نذر کی۔ جتنا علمی و ادبی کام کیا، اس کی
مثال ملنا محال ہے۔

شاعری کی ابتدا ۱۱ سال کی عمر سے ہوئی۔ پہلے قائم تخلص تھا۔ لیکن جب پہلا مرثیہ ۲ نومبر ۱۹۲۳ء کو امروہہ
کی ایک مجلس میں پڑھا تو صدر مجلس نواب باقر علی خاں قیم جانشین شاد (شاگرد عظیم امروہوی) نے اپنا تخلص
نسیم تجویز کر دیا۔ اور خود اس وقت سے قسیم اختیار کیا اور کہا کہ نسیم صرف نسیم امروہوی کے لئے ہے کہ
[illegible] استاد کا تخلص [illegible] سے پہلے کوئی اور اختیار کر لے۔

پہلے مرثیے کا مطلع مندرجہ ذیل ہے:

اس عطا کا سن تصنیف پہ لکھا قائم
آخری خوب ہے یہ مرثیہ پہلا قائم
۱۹۲۲ء

شاعری کے ساتھ آپ کو صحافت سے بھی دلچسپی رہی۔ ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۱ء تک آپ سہ روزہ "منشور" خیرپور کے مدیر اعلیٰ رہے۔ یہ اخبار نصف اردو اور نصف سندھی میں شائع ہوتا تھا۔ دونوں زبانوں کو قریب کرنے میں اس اخبار نے بہت کام کیا۔

لغت نویسی کے سلسلے میں بھی نسیم امروہوی کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ وہ پاکستان اردو بورڈ کے لغت کے مدیر اول تھے، لیکن اس سے قبل انہوں نے "نسیم اللغات" "فرہنگ رئیس اللغت" لکھا اور اقبال کے فارسی و اردو کلام کی فرہنگ بھی لکھی۔ جوش ملیح آبادی، ڈاکٹر جمیل نقوی کو ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ "میں لفظ پر نسیم امروہوی کی علمی گرفت کا معترف رہا ہوں" (مکتوب مورخہ ۹ اگست ۱۹۷۷ء)

نسیم امروہوی

لاہور کے ادیب و شاعر وحید الحسن ہاشمی کہتے ہیں کہ "نسیم امروہوی ایک قد آور شخصیت تھی، جس کے سامنے بڑے بڑے اہل علم سے [illegible] رہے تھے جب بھی کسی لفظ کی تحقیق کی ضرورت پڑتی تھی، مرحوم سے استفادہ کر لیتے تھے اور لغات سے بے نیاز ہو کر باتیں کرتے تھے۔ اب ان کا برصغیر میں کوئی دوسرا نہیں۔"

(نسیم امروہوی ایک فرد ایک ادارہ)

وہ ایک تاریخ داں بھی تھے۔ اس حیثیت سے ان کا شاہکار "تاریخ خیرپور" ہے جس کو ایک مستند مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین [illegible] نے اس کتاب کا تعارف لکھا اور بہت سراہا ہے۔

نسیم امروہوی ایک محقق بھی تھے۔ شمالی ہند کی وہ قدیم مثنوی جس کا مصنف اسمٰعیل امروہوی ہے سن تصنیف ۱۱۰۵ھ [illegible] کی ہی توسط سے تحقیق ہو کر جناب حسین نقوی کے ذریعے منظر عام پر آئیں اور سعادت امروہوی ([illegible]) پر

نسیم صاحب نے پہلا ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو کتابی شکل میں منظرِ عام پر آچکا ہے۔ آپ نے ترجمہ کا بھی کافی کام کیا ہے
ایک مترجم کی حیثیت سے صحیفۂ کاملہ کا اردو میں ترجمہ اُن کی بہترین صلاحیتوں کا ثبوت ہے۔ اس کے علاوہ سندھی
زبان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ بھی آپ نے شروع کیا تھا۔ لیکن زندگی نے وفا نہیں کی اور وہ مکمل نہ ہوسکا۔

آپ نے درسی اور نصابی کتب ہندوستان اور پاکستان دونوں ملک میں ترتیب دیں۔ اس سلسلے میں
ایک دلچسپ واقعہ یہ بھی ہوا کہ غالباً ۱۹۴۲ء سے قبل آپ کی کسی کتاب کی ایک کہانی کے خلاف منشی پریم چند نے
الہ آباد کی عدالت میں مقدمہ دائر کردیا۔ لیکن نسیم صاحب نے عدالت میں اصل مسودہ پیش کیا اور منشی پریم چند کا
دعویٰ خارج ہوگیا۔

آپ کو ڈرامہ نگاری سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ آپ کے ڈراموں میں "مطلب" سب سے زیادہ مشہور ہوا۔
جو اسی عہد میں زیورِ طبع سے آراستہ بھی ہوا۔ ڈراموں کے ساتھ ساتھ افسانے بھی لکھے۔ افسانوں کے دو مجموعے 'رشوت
ستانی' اور 'چراغِ زندگی' کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

نسیم امروہوی کا سیاست سے کبھی سیدھا تعلق تو نہیں رہا البتہ وہ مخصوص سیاسی نظریات کے مالک تھے۔ اُن
کا ایک طویل مسدس "برقِ عباداں" ان کے سیاسی نظریات کی ترجمانی کرتا ہے جس کو پاکستان کے ممتاز نقاد سراہ چکے ہیں۔

نسیم امروہوی ایک اچھے نقاد بھی تھے۔ ان کی تنقید نگاری کا بہترین نمونہ "خطباتِ مشران" ہیں۔ اس
کے طویل مقدمے سے ان کی ناقدانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اکبر حیدری: "میں نسیم امروہوی کو شاعر
سے زیادہ نقاد سمجھتا تھا۔ ایک عرصہ کی بات ہے کہ خطباتِ مشران' تین حصوں میں ایڈیٹ کی تھی۔ یہ کتاب
اتنی اہم ہے کہ لکھنؤ یونیورسٹی اور آگرہ یونیورسٹی کے بی۔ اے آنرز میں شامل تھی۔ اس سے پہلے جامعہ ادبیہ
میں بھی نسیم صاحب نے کتاب کا نام "خطباتِ مشران" بزمِ اوّل، بزمِ دوم اور بزمِ سوم رکھا تھا۔ کتاب
اب نایاب ہے۔ مقدمہ واقعی حیرت انگیز ہے اور اعلیٰ درجہ تنقید نگاری کا ایک شاہکار ہے" (مکتوب
بنام راقم مورخہ ۳ مئی ۱۹۸۰ء)

تنقید نگاری کے علاوہ نسیم صاحب کو بچوں کے ادب سے بھی دلچسپی تھی۔ بچوں کے لیے ان کی کتاب
"گلزارِ نسیم" (۵ جلدیں) پاکستان میں کافی مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔

سندھی میں صحافت اور ترجمۂ قرآن مجید کے علاوہ نسیم صاحب نے دینیات کی بھی کتابیں تصنیف کی
ہیں۔ جو بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔ غرض کہ شاعری کے ساتھ ساتھ تحقیق، تنقید، تاریخ، ترجمہ، مرثیہ، افسانہ،
صحافت، لغت، سیاست، لسانیات، منطقیات، بچوں کا ادب اور نصابی کتب ہر میدان میں یہ اُن کا گراں

قدر خدمات لکھا ہیں۔ کثیر التصانیف مصنف تھے۔ مراۃ نسیم جلد سوم میں انہوں نے اپنی تالیفات و تصنیفات کی جو فہرست دی ہے اس میں ۲۹۰ کتابیں ہیں۔ لیکن کثیر التصانیف ہونے کے سبب بہت سی کتابوں کا وہ خود بھی ذکر کرنا بھول گئے ہیں۔ مثلاً اس فہرست کے علاوہ نسیم صاحب کی تصانیف میں "صبح ازل" منظومات، منثورات، "محسن آلِ ابراہیم" اور "سادات امروہہ" وغیرہ راقم کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہیں۔ اس طرح کل تعداد ۲۹۳ ہوتی ہے۔ لیکن ڈاکٹر ہلال نقوی کا بیان ہے کہ یہ تعداد تقریباً ایک سو پچاس ہے۔

اس مضمون کا مقصد نسیم امروہوی مرحوم کی حیات اور علمی و ادبی خدمات کا اجمالی جائزہ پیش کرنا ہے۔ اُن کی شعری خدمات کو البتہ تفصیل کے ساتھ موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔

نسیم امروہوی نے اپنی تخلیقی سرگرمیوں کو نعت، منقبت، مرثیہ، سلام اور نوحے تک محدود نہیں رکھا۔ غزل، مثنوی، قصیدہ، قطعہ، رباعی، گیت، نظم وغیرہ میں خوب خوب طبع آزمائی کرتے رہے، لیکن کسی کے سامنے زانوئے ادب تہ نہیں کیا۔ البتہ آپ کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد ہے۔ ابتدائی دور کی غزلوں کے مندرجہ ذیل اشعار ان کے رجحانِ طبع اور فکر و نظر کو ظاہر کرتے ہیں:

کیا بجز خوردۂ صہبا نہ جانے کیا ہوں میں
نہ کچھ سمجھو یہ سب کچھ سمجھ گیا ہوں میں
سنا دے خیریتِ آشیاں کوئی اے صبا د
جلا ہوا ترے دامن کو دیکھتا ہوں میں

معاذ اللہ حسن و عشق کے افسانے کی لذت
دیا ہے طول حق نے سورۂ یوسف کو قرآں میں

لذتِ موت بھی ہے کیا لذت
یہ مزا عمر بھر نہیں آتا

غزل کے ساتھ نسیم صاحب نے نظمیں بھی کہیں جو اس دور کے ممتاز رسائل "عالمگیر" اور "نگار" وغیرہ میں شائع ہوئیں۔

نسیم امروہوی نے قطعات، تاریخ، سلام، نوحے، منقبت، قصائد اور رباعیاں اتنی تعداد میں کہی ہیں کہ ہر صنف کا ایک مجموعہ تیار ہو سکتا ہے۔ ایک مرتبہ راقم کو انہوں نے اپنے قصائد کی تعداد تقریباً ایک سو ساٹھ بتائی تھی۔ حضرت علی کی مدح میں ایک قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

علیؑ فاضل علیؑ افضل علیؑ کامل علیؑ اکمل
علیؑ اعلیٰ علیؑ والا علیؑ بالا علیؑ برتر
علیؑ ہیبت علیؑ شوکت علیؑ جرأت علیؑ ہمت
علیؑ غازی علیؑ اشجع علیؑ حیدر علیؑ صفدر
علیؑ عارف علیؑ عرفاں علیؑ مشکل علیؑ آساں
علیؑ دریا علیؑ طوفاں علیؑ کشتی علیؑ لنگر

جہاں تک نسیم امروہوی کی نعت گوئی کا تعلق ہے تو آپ نے اس صنف میں بھی خوب طبع آزمائی کی ہے۔ بلکہ کئی مراثی بھی نسیم امروہوی کے ایسے ہیں کہ جن میں نعت کا حصہ ملتا ہے۔ لیکن "صبحِ ازل" صرف نعتِ رسولِ کریمؐ پر مشتمل ایک طویل مسدس ہے۔ یہ مسدس جب لاہور کے ایک بڑے جلسے میں جس میں تمام اہلِ علم موجود تھے، نسیم صاحب نے پڑھا تو لوگوں نے کہا کہ ایسی نعت نہ آج تک کبھی سُنی اور نہ کبھی پڑھی۔

نسیم امروہوی نے کربلا کے علاوہ شخصی مرثیے بھی جس اہتمام کے ساتھ اور جس تعداد میں کہے ہیں وہ بھی توجہ طلب ہے۔ ایسے مراثی علمائے دین یا شعرا کی موت پر کہے گئے۔ نجم الملت، ناصر الملت، آغائے محسن الحکیم، جوش ملیح آبادی، آل رضا اور علامہ رشید ترابی وغیرہ کی موت پر کہے گئے مراثی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ جوش کی موت پر کہے گئے مرثیے کا مطلع ملاحظہ ہو

اے قلزمِ حیات ترا جوش کیا ہوا — جو جس کی بت شکن تھی وہ صورِ نفس کیا ہوا؟
آہٹ نہ جو وقت کی وہ گوش کیا ہوا — کیوں منبرِ سخن ہے سیہ پوش؟ کیا ہوا؟
بجھ کے شعلۂ جوش کا سورج جو ڈھل گیا
شعر و سخن کا آج جنازہ نکل گیا

نسیم امروہوی کا کوئی بھی شخصی مرثیہ ۴۵، ۵۰ بندوں سے کم کا نہیں ہے۔ ان کے مراثی صرف جذباتی تعلق کے زیرِ اثر نہیں کہے گئے بلکہ مرنے والے کے حالات، خدمات، کردار اور سیرت کے علاوہ مرثیے کا موضوع تاریخی، علمی، ادبی یا فلسفیانہ مضامین لیے ہوئے ہے۔ مثلاً آقائے محسن الحکیم کی موت پر علم و عمل کی جدوجہد کو موضوع بنایا ہے اور علمائے اسلام کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس مرثیے کے بارے میں علامہ رشی فرماتے ہیں کہ یہ مرثیہ نہیں ہے بلکہ ہجری اجتہاد و انسداد کی تاریخ پر ایک منظوم مقالہ ہے۔"

(ماہنامہ "الجواد" بنارس نومبر ۱۹۷۲ء)

حقیقت یہ ہے کہ شخصی مراثی میں بھی نسیم امروہوی نے نقالی پسند نہیں کی بلکہ اپنے لیے نئے

نسیم امروہوی کے ذریعہ جدید مرثیے کے اس آغاز کی تصدیق علی عباس حسینی نے اس طرح کی کہ: "اس نئے مرثیے کے سرخیل نسیم امروہوی ان کے بعد آلِ رضا، جوش ملیح آبادی، نجم آفندی، افسر لکھنوی، جمیل مظہری اور شمیم کرہانی ہیں۔" (اردو مرثیہ ص۱۳۵)

حامد حسن قادری نے لکھا: "یہ نظم 'سازِ حریت' بلاشبہ نہایت معرکہ آرا ہے بالاتفاق اختراع بدیع اور اجتہادِ جدید ماننے کے قابل ہے۔ پیام و تبلیغ کے اعتبار سے نہایت مہتم بالشان اور شاعری کے لحاظ سے نہایت جلیل القدر ہے۔" (سازِ حریت ص۱)

افسر لکھنوی نے کہا: "یہ نئے طرز کی کامیاب مرثیہ گوئی ہے، جس کا خیر مقدم کرنا ہر شخص کا فرض ہے۔ مؤثر پیرائے کے علاوہ شاعری کے محاسن سے بھی آراستہ ہے۔" (سازِ حریت ص۷)

غرض کہ اس دور کے تمام معتبر نقادوں نے نسیم امروہوی کو جدید مرثیے کا بانی قرار دیا۔ جب ہم مراثی نسیم کا جائزہ لیتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اردو مرثیے کی وہ تمام زندہ اور توانا روایات جو مرثیے کا وقار قائم کیے ہوئے ہیں مراثی نسیم میں موجود ہیں۔ مثلاً صبح کا منظر ملاحظہ ہو:

نقابِ رُخ سے جو خورشید سحر اٹھانے لگی ۔۔۔ خزاں کی تیغ کے کشتوں میں جان آنے لگی
کرامتِ دمِ عیسیٰ صبا دکھانے لگی ۔۔۔ شگوفے کھلنے لگے صبح رنگ لانے لگی
ہوا سنکنے لگی ڈالیاں لچکنے لگیں
چمن مہکنے لگا بلبلیں چہکنے لگیں

وہ پھول اوس کے بھیگے نجوم جن پہ نثار ۔۔۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کی جانفزا رفتار
بہار کی وہ جوانی وہ پتیوں کا نکھار ۔۔۔ وہ بلبلیں رُخِ گل پر رکھے ہوئے منقار
یہ وصل کے جو مناظر نظر پہ چڑھنے لگے
چٹک چٹک کے شگوفے درود پڑھنے لگے

اردو مرثیے میں مکالمہ نگاری کی مثالیں بھی جگہ جگہ ملتی ہیں، لیکن اس کی سب سے بڑی خوبی بیان میں اختصار ہے۔ یزیدی فوج کے ایک سپاہی سے حضرت حُر کی گفتگو ملاحظہ ہو:

شاہ زہراؑ کے پسر ہیں کہ نہیں؟ بولا ہیں ۔۔۔ نفسِ احمدؐ کے جگر ہیں کہ نہیں؟ بولا ہیں
وارثِ خیرِ بشر ہیں کہ نہیں؟ بولا ہیں ۔۔۔ نیک دل پاک نظر ہیں کہ نہیں؟ بولا ہیں
تیرے حاکم میں یہ اوصاف ہیں؟ بولا کہ نہیں
رجس سے قلب و نظر صاف ہیں؟ بولا کہ نہیں

اب یہ مکالمہ نگاری ہی نہیں بلکہ کردار نگاری بھی ہے۔ بیان نسیم امروہوی کا

کی قدرتِ بیان کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ایک بند گھوڑے کی تعریف میں ملاحظہ ہو:

وہ رَن کے شوق میں مثلِ پرند اُڑ کے چلا ہوا بھی تھک گئی تھک کر سمند اُٹھ کے چلا
وہ بے پروں میں پری سے دو چند اُڑ کے چلا خود اپنے مرغِ نظر سے بلند اُٹھ کے چلا
لہو میں جیسے روانی جو یوں روانہ ہے
وغا کے خون سے جو رنگ ہے تازیانہ ہے

معراجِ رسولؐ کا واقعہ بھی مراثی میں کئی شعرا نے نظم کیا ہے لیکن نسیم امروہوی کے ہاں اس کی تفصیلات بھی ہیں اور ایک خاص ندرت بھی۔ براق کا ذکر ملاحظہ ہو:

وہ نور کی رفتار طبیعت کی روانی جلنے میں سرِ چرخ مری مرثیہ خوانی
پھر جا کے پلٹ آنے میں وہ یوسفِ ثانی یعقوبؑ کی بینائی زلیخا کی جوانی
جاتا وہ نمازِ اسداللہ کی صورت
پھر آتا وہ نصیبِ محمدِ ذی جاہ کی صورت

اس ایک ہی بند میں براق کی تعریف میں چھ تشبیہات اس خوبی سے نظم کی ہیں کہ ہم تلمیحات بھی شامل ہیں۔ نسیم امروہوی کے فن کی پختگی کا ثبوت ہے۔ ایک بند تلوار کی تعریف میں ملاحظہ ہو:

چلی وہ چال کہ لاکھوں کو پائمال کیا زخموں کا رنگ اُڑایا، اپنا کو ذول کیا
نگاہ جس سے لڑی اس کو خستہ حال کیا ادائے ذبح کیا ناز سے حلال کیا
یہ دل جلا گئی اس دل کی آس توڑ گئی
جدھر گئی کوئی تازہ شگوفہ چھوڑ گئی

سراپا نگاری میں نسیم امروہوی کے ہاں جگہ جگہ تغزل کی رنگینی پائی جاتی ہے۔ ایک بند ملاحظہ ہو:

وہ لبِ جود کہ غنچوں کی نزاکت صدقے زلف و عارض پہ شبِ روز کی ہیئت صدقے
صفِ مژگاں پہ فرشتوں کی جماعت صدقے وہ قیامت قد و قامت کہ اقامت صدقے
یہ ادا صورتِ دل کش کی غضب ڈھاتی ہے
جیسی ہم چاہتے ہیں ویسی ہی بن جاتی ہے

ایسے حالات جو خوب صورت مناسبتیں ہیں۔ وہ خود بخود داد حاصل کر لیتی ہیں۔

نسیم امروہوی کے ہاں کہیں کہیں ساقی نامے کے بند بھی ہیں، لیکن جدید تقاضوں کے تحت اُن میں تاریخی حوالے اور اصلاحی پہلو موجود ہیں۔ اسی طرح کردار نگاری میں بھی اُن کی یہ کوشش رہتی ہے کہ اس

کہ ہمارے کردار سازی بھی ہو جائے۔ غرض کہ مرثیے کے تمام اجزا میں وہ زیادہ سے زیادہ مقصدیت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ امام حسینؑ کے کردار کی ماتی یہاں اس طرح زور دیتے ہیں:

غضب ہے تم رہِ علم و عمل سے بھاگے ہو
حسینؑ کا تو سپاہی وہ ہے جو آگے ہو

اس کے ساتھ ہی نسیم امروہوی کے ہاں رخصت، آمد، رجز، جنگ، مدح، شہادت اور بین وغیرہ سب کچھ ہے۔ وہ اگر ایک طرف جدید اردو مرثیے کے بانی ہیں تو دوسری طرف قدیم رنگِ سخن پر بھی انہیں مکمل قدرت حاصل ہے اور اس میں وہ صرف انیس یا دبیر ہی کو اپنا آئیڈیل بناتے نظر نہیں آتے بلکہ دونوں کے محاسن ان کے ہاں ملتے ہیں۔ انیس کی صد سالہ یادگار کے موقع پر وہ پورا مرثیہ رنگِ انیس میں اور دبیر کی صد سالہ یادگار کے موقع پر رنگِ دبیر میں کہہ کر پڑھ چکے ہیں۔ اسلوبِ دبیر میں ان کا مرثیہ سن کر مرزا مالگیر لکھنوی نے فرمایا تھا کہ نسیم صاحب یہ مرثیہ مرزا دبیر کی کون سی جلد میں ہے۔ مطلع مندرجہ ذیل ہے:

اے منشیٔ گردوں قلمِ نخلِ ولا دے — سو سال جو پہلے کا ہے وہ ڈھنگ دکھا دے
ماضی کو پھرائے دَورِ زماں حال بنا دے — اسلوبِ دبیر آج کے لفظوں میں بتا دے
جب مرثیہ گوئی کا قلم ہاتھ میں آئے
دل جس سے بنی ہو وہ رقم ہاتھ میں آئے

اس طرح ان کے ہاں انیس کی روانی و فصاحت اور دبیر کی فنی صنعت کاری کا ایک خوبصورت امتزاج ہے۔ اسی کے سہارے انہوں نے لکھنؤ جیسے ملکِ سخن میں سکہ جمایا۔ حالانکہ یہ کام بہت مشکل تھا۔

اردو مرثیے کے ایک اسکول کی حیثیت بیسویں صدی میں کراچی کو حاصل ہوئی۔ اس ملکِ سخن کو نسیم امروہوی نے کس طرح فتح کیا۔ اس کا ذکر ابراہیم جلیس اس طرح کرتے ہیں کہ: "ایک صدی طویل مدت کے بعد ایک بار پھر مرثیہ گوئی کا غلغلہ اردو ادب اور پاکستانی معاشرے میں شروع ہوا ہے۔ پاکستان میں فنِ مرثیہ گوئی کو ایک بار پھر کسی نے بامِ عروج پر پہنچایا ہے تو میری نظر بے اختیار مولانا نسیم امروہوی صاحب کی طرف اٹھ جاتی ہے۔" (اتحادِ ملت ص ۳۳)

نسیم امروہوی کے مراثی میں پائے جانے والے ان عناصر کا اگر جائزہ لیا جائے جن میں وہ کسی مخصوص اور ممتاز فکر و نظر کو پیش کرتے ہیں تو وہ بھی بہت نمایاں ہیں اور ان کے ذریعے مرثیے کے دامن کو بڑی وسعت ملی ہے۔ مثلاً ان کے مراثی میں حالی کا قومی جذبہ اور اقبال کی فکر و فراست بھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

ہم ہیں عرفانِ حقیقت کے پرستاروں میں　　کلمہ ہم نے پڑھا تیغوں کی جھنکاروں میں
سر جھکایا نہ کبھی ظلم کے درباروں میں　　انتہا یہ کہ چنے بھی گئے دیواروں میں
سبز یہ باغ ہوا ذوقِ نمو سے اپنے
ہم نے اسلام کو سینچا ہے لہو سے اپنے

یہ لہجہ یہ آواز اور یہ آہنگ مرثیے میں نسیم صاحب کے ذریعے پہلا تجربہ تھا۔ ہاں جو شکوہ جواب شکوہ کی گونج ہے وہ کسی بھی اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

آپ نے یوں تو اردو مرثیے کو بے حد وسعت دی ہے اور نئے نئے اضافے کیے ہیں لیکن آپ کے خاص موضوعات ہیں۔ علم و عمل، انقلاب و حریت، اصلاحِ ملت، اتحاد و اتفاق، فلسفۂ غم و مسرت، جرأت و ہمت، عقل و عشق، قرآن و اہلبیت، علم و مصلحت، ہجرت و غریب الوطنی، اسلام اور ایمان، تقویٰ اور پرہیزگاری، خلوص و محبت، صلح و امن، انسانیت و شرافت، حمد اور نعت، مدح و منقبت، چراغ و قلم، پانی و آگ، خاک، ضعیفی، جوانی، طفلی وغیرہ وغیرہ، لیکن بقولِ پروفیسر وقار عظیم ان کے مراثی میں سب سے زیادہ زور علم و عمل پر ہے۔ وہ کربلا کا ہی نہیں بلکہ کربلا کے واقعہ کی یاد میں جو عزاداری منعقد کی جاتی ہے، اس کا رشتہ بھی عمل سے ہی قائم رکھتے ہیں اور کربلا کے عملی پہلو کو اجاگر کر کے پیش کرتے ہیں۔ ایک جگہ کہتے ہیں کہ:

بپا جو کرتے ہو تم مجلسیں عزا کے لیے　　اشاعتِ غمِ مظلومِ کربلا کے لیے
یہ صرف بہرِ بکا ہیں نہ واہ واہ کے لیے　　یہ مدرسہ بھی تو ہیں دینِ مصطفیٰؐ کے لیے
نہیں یہ بزم، ہدایت کا باب ہے گویا
حسینؑ علم و عمل کی کتاب ہے گویا

یہاں نسیم امروہوی کے ہاں وہ مقصدیت پوری آب و تاب کے ساتھ ملتی ہے، جو ہمارے اردو ادب میں ترقی پسند رجحانات کی روح سمجھی جاتی ہے۔ اس طرح نسیم امروہوی نے اردو مرثیے کو اپنے عہد سے ہم آہنگ کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔

فلسفۂ غم اور گریہ و زاری کی اہمیت کا ذکر مرثیے میں آپ نے جس منطقی انداز سے کیا ہے وہ آپ کا حصہ ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

اشک اور آہ سے ممکن نہیں دنیا میں مفر　　گیتیِ دہر میں روتا ہوا آتا ہے بشر
دستِ دایہ میں نہ روئے کوئی مولود اگر　　عیشِ شادی میں بگڑ جائے پدر و چشمِ مادر
رونے والوں کو نہیں وجہِ ندامت رونا
نوعِ انساں کے ہے جینے کی علامت رونا

عقل اور عشق جیسے مضامین کو فلسفیانہ انداز میں مرثیے میں پیش کرنا مشکل کام ہے لیکن نسیم صاحب اس مشکل کو حل کرنے میں مہارت رکھتے ہیں مثلاً:

عقل کے پاؤں سے طے کر کے دو عالم کے طبق — عشق کے ہاتھ سے تحریر کرے دل کا ورق
عقل سے ملکِ طلب فتح کرے مرد بنے — عشق کے فیض سے فیاضِ ہمہ درد بنے
عقل تجدید و تجدد کی بنے راہ گزر — عشق قائم رہے ہر حال میں یک حالت پر
عقل ہو فکرِ رسا، فکر کی بنیاد ہو عشق — عقل حالات کی پابند ہو، آزاد ہو عشق

نسیم امروہوی کے ہاں انقلاب کا تصور بھی بہت سنجیدہ، واضح اور صحت مند ہے۔ فرماتے ہیں:

اے انقلاب ثمرۂ علم و عمل ہے تو — رنگینیٔ حیات کے پودے کا پھل ہے تو
تعمیرِ کائنات نہ صرف آج کل ہے تو — آدمؑ کو باغِ خلد کا نعم البدل ہے تو
گردش بتا رہی ہے یہ لیل و نہار کی
تو ہے دلیل ہستیٔ پروردگار کی

ہجرت اور غریب الوطنی کے موضوع پر نسیم صاحب کا پورا ایک مرثیہ ہے جس کا مطلع ہے

وارثِ صاحبِ ہجرت ہے غریب الوطنی — جو صفت ہے وہ صفت ہے غریب الوطنی
بلبلِ گلشنِ جنت ہے غریب الوطنی — ابتدائے وطنیت ہے غریب الوطنی
گو کہ محرومیٔ تقدیر سے بے گھر ہم نکلے
بستیاں بس گئیں جب خلد سے آدم نکلے

باطل کے موضوع پر فرماتے ہیں کہ:

کھیل مہملات بھی ہے مگر معصوم بھی ہے — یہ وہ دنیا ہے کہ محروم بھی مرحوم بھی ہے
نیک سے بد سے کسی سے بھی سروکار نہیں — مستیاں بنتی ہیں دنیا کا طلبگار نہیں

نسیم امروہوی سائنس کے پیش کیے ہوئے نتائج سے بھی واقف ہیں جس کا ثبوت اُن کے مرثیے 'پانی' میں جگہ جگہ موجود ہے۔ کہتے ہیں کہ:

یہ آب و رنگ یہ سب رنگ و آب ہے پانی سے — وجودِ خلقتِ گیتی کا ہے وجہ پانی سے
چمن میں ہے تو رنگِ گل، ہوا میں ہے تو غبار رہا — زمیں پہ ہے تو گرد، دریا فضا میں ہے تو گھٹا
صدف کے بطن میں موتی، گہر کا جزوِ ذرا — گلے میں ہے تو حیات اور گلے گلے تو قضا

جدید مرثیے کی ابتدا کے سلسلے میں پاکستانی نقاد حکیم محسن خالد لکھتے ہیں کہ:

"سب سے پہلا مرثیہ جو مرثیے کے قدیم تخیل سے ہٹا ہوا ہے ۱۹۴۲ء میں منظرِ عام پر آیا اور اس کے مصنف نسیم امروہوی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اصلاح کا مرزا اوج، فرزدقِ ہند نسیم امروہوی اور شاد عظیم

آبادی نے اپنے اپنے مرثیوں میں نظر کیے تھے۔ محمد رسول اللہ اور آلِ رسول کے اسوۂ حسنہ کی تاثیر میں عزم و عمل کو لوگوں کو بیدار کرنا اور اسلاف اخیار کے جدوجہد کی یاد سے فرزندوں میں جوش و عمل کی تحریک پیدا کرنا جدید مرثیے کی روح ہے سب سے اعلیٰ نسیم امروہوی کے زیر نظر مرثیے میں نظر آتی ہے۔ پورے سات سال کے بعد ۱۹۳۰ء میں جمیل مظہری نے ۱۹۳۲ء میں، آل رضا نے اور ۱۹۴۱ء میں جوش ملیح آبادی نے قدیم طرز مرثیہ گوئی سے ہٹ کر مرثیے کہے ہیں۔"

(ماہنامہ افکار کراچی اکتوبر ۱۹۸۲ء ص)

حقیقت یہ ہے کہ نسیم امروہوی نے اگر انیس و دبیر کی ادبی روایات کو ابھارا، باقی رکھا ہے تو دوسری طرف اردو مرثیے کو وسعت بخشی، ہمہ گیری عطا کی اور نئی زندگی بخشی۔ مراثی کے سہارے قومی اور ملی جذبات کا فریضہ بھی انجام دیا — آیاتِ قرآنی، احادیث اور تفسیر کی مدد سے مرثیہ کہنے کی ابتدا بھی کی۔ جغرافیہ، سورج کی زبانی واقعاتِ کربلا نظم کرکے مرثیے میں ایک افسانوی کیفیت کا اضافہ کیا۔ مرثیے میں سب سے پہلے ترقی پسند عناصر شامل کیے، اصلاحِ معاشرت کی کوشش کی۔ مرثیے کو عزم و عمل کی تبلیغ کا ذریعہ بنایا۔ غرض کہ مرثیے کی افادیت، اہمیت، مقصدیت، اور عظمت کو بڑھانے کی ہر ممکن کوشش کی اور مرثیے کو اس طرح نئی زندگی دی کہ اب مرثیہ اُن کو ہمیشہ زندہ رکھے گا۔

نسیم امروہوی جدید اردو مرثیہ کے بانی اور بیسویں صدی میں اردو مرثیے کی آبرو اور آخری امام تھے۔ افسوس! مرثیہ نگاروں کی جماعت کا وہ امام نہ رہا — لیکن وہ مرثیے کا ایک ایسا اسکول تھا جو ہمیشہ قائم رہے گا۔

آج کل نئی دہلی جولائی ۱۹۸۷ء

اردو خبرنامہ

(یکم جنوری ۱۹۸۶ تا ۳۱ دسمبر ۱۹۸۶)

یکم جنوری ۸۶ — فاخر اجمیری کی ٹونک راجستھان میں وفات

۲ جنوری — بزرگ شاعر شارق ایمانی کی قریباً ۸۰ برس کی عمر میں رحلت

۳ جنوری — آغا اقبال مرزا کی نئی دہلی میں وفات

۱۹ جنوری — مزاحیہ شاعر ہلال رضوی رام پوری کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال

۲۵ جنوری — ممتاز افسانہ نگار غیاث احمد گدی کی وفات

۳۱ جنوری — استاد شاعر غلام معین الدین صادق اندوری (پیدائش ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۷) کا حرکت قلب بند ہو نے سے انتقال۔

۳ فروری — مغربی بنگال کے ممتاز شاعر وحید عرشی کی اپنے گھر کانکی نارہ میں وفات

۵ فروری — نوجوان شاعر آنس معین کی ملتان (پاکستان) میں خودکشی

۱۱ فروری — نوجوان شاعر ڈاکٹر محمد جمیل شاتاناوی کی قلیل بیماری کے بعد کانپور میں وفات

۱۲ فروری — مشہور شاعر غبار بھٹی کا پٹنہ میں انتقال

۱۱ مارچ — افسانہ نگار نصرت آرا کی کراچی میں وفات (افسانوں کا مجموعہ دردکا رشتہ)

نعت گو راز کاشمیری (گوجرانوالہ پاکستان) کی وفات

۱۵ اپریل — عقیل ناروی کی حرکت قلب بند ہو جانے سے تیرتھ رام ہسپتال دہلی میں وفات

۲۳ اپریل — مشہور مزاح نگار مولانا ہر فن ریاض خیر ولی کی بمبئی کے سبلوک ہسپتال میں رحلت

۱۸ تا ۲۱ اپریل — حیدرآباد میں اقبال اکاڈمی کی طرف سے چار روزہ عالمی اقبال سیمینار

۱۰ مئی — مولانا سید احمد عروج قادری کی رام پور، اترپردیش میں وفات

۱۷ مئی — اظہر علی فاروقی کی وفات

۱۹ مئی — سید شاہ محی الدین حسینی قادری المعروف چاند پاشا کی حیدرآباد دکن میں رحلت

[illegible] — کیفی احمد صدیقی کا لکھنؤ میڈیکل کالج میں انتقال

۱۹ جون — وزیراعظم شری راجیو گاندھی نے ملک کے پہلے اُردو کمپیوٹر کا افتتاح کیا جو عادل شہریار کے زیر اہتمام تیار کیا گیا۔

۲۲ جون — دہلی کے بزرگ شاعر اور بیخود دہلوی کے شاگرد حاجی محمد یٰسین صادق دہلوی کی دہلی میں وفات۔

۲۸ جون — افسانہ نگار بلونت سنگھ کی طویل بیماری کے بعد الٰہ آباد میں رحلت

۳ جولائی — خواجہ مسعود علی ذوقی کی لکھنؤ میں وفات

دہلی میں محمد مسلم ایڈیٹر دعوت دہلی کا انتقال

۵؍جولائی — محمد طفیل ایڈیٹر نقوش لاہور کی حرکت قلب بند ہونے سے اسلام آباد، پاکستان میں وفات

۱۴؍جولائی — عالم ادیب اور نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ کا لاہور میں انتقال

۱۵؍جولائی — غلام رسول جواری ایڈیٹر ہفت روزہ آگرہ کا آگرہ میں انتقال

۲۴؍جولائی — ممتاز افسانہ نگار قدرت اللہ شہاب کی دل کا دورہ پڑنے سے اسلام آباد پاکستان میں وفات

۲؍جولائی — ممتاز صحافی اور طبیب نثار احمد علوی کی کراچی میں وفات

۳۰؍جولائی — مشہور ڈرامہ نگار و شاعر آغا شاعر قزلباش کے فرزند آغا سرخوش قزلباش کی طویل بیماری کے بعد کراچی میں وفات۔ تقسیم سے پیشتر وہ دہلی کے ماہنامہ "چمنستان" کے مدیر تھے

۱۰؍اگست — گلبرگہ کے مشہور صوفی شاعر سرور مرزائی کی وفات

۱۴؍اگست — صدر پاکستان ضیاء الحق کی طرف سے مشہور نقاد فرمان فتح پوری کو "ستارہ امتیاز"

۱۵؍اگست — حیدرآباد کے ممتاز مزاح نگار برق آشیانوی کی وفات

۱۹؍اگست — سیماب کے شاگرد اور مشہور شاعر ضیا فتح آبادی کی طویل علالت کے بعد دہلی میں وفات

۲۰؍اگست — شاعر عمر اختر ردولوی کی وفات

۲۳؍اگست — وزیر اطلاعات و نشریات شری وی این گاڈگل نے نئی دہلی میں ماہنامہ عالم ہند کا اجرا کیا

۲۳؍ستمبر — الطاف علی بریلوی کی کراچی میں وفات

—— — مولانا محمد عمران خان ندوی کی لکھنؤ میں رحلت

۴؍نومبر — خرد فیض آبادی کی لکھنؤ میڈیکل کالج میں وفات

۱۴؍نومبر — صدر جمہوریہ ہند گیانی ذیل سنگھ نے راشٹرپتی بھون نئی دہلی میں سید مظفر حسین برنی گورنر ہریانہ کی کتاب "اقبال پوئٹ پیٹریاٹ آف انڈیا" کا اجرا کیا۔

[illegible] — دہلی میں ترقی پسند تحریک کے جشن طلائی کے موقع پر کل ہند انجمن ترقی پسند مصنفین (اُردو)

کی کانفرنس

۱۰ دسمبر سہسوان کے مشہور مزاحیہ شاعر کرگس سہسوانی کا انتقال

سنہ ۱۹۹۹ء میں مقبول جہانگیر، صدیق انصاری، اعجاز القدوسی، حفیظ جاوید، احمد شبیر، مصطفیٰ راہی،
وقار، نیر آبادی، خواجہ مظہر حسین، طارق جامی، میر عبدالرشید اشک کی وفات۔

۹ جنوری ۲۰۰۰ء شاہ سعد اللہ خاں ندیم شاہجہاں پوری کی وفات۔ وہ سلامت شاہجہاں پوری کے شاگرد تھے

۱۳ جنوری رامپور کے بزرگ صحافی اور شاعر استاد رامپوری کی حرکت قلب بند ہوجانے سے وفات

۱۴ جنوری سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم کا ۹۰ سالہ جشن جامعہ ملیہ اسلامیہ میں منایا گیا اختتامی جلسہ
۲ فروری کو انصاری ہال میں منعقد ہوا۔

۴ فروری اترپردیش کے مشہور شاعر عروج زیدی کی طویل علالت کے بعد میرٹھ میں رحلت۔

۸ فروری مشہور آرٹسٹ اور شاعر صادقین کا کراچی میں انتقال

۱۰ فروری ضمیر حسین نسیم الہ آبادی کا ۸۰ سال کی عمر میں انتقال۔ مرحوم اکبر الہ آبادی کے خاندان سے تعلق رکھتے
تھے اور اسسٹنٹ کمشنر انکم ٹیکس کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد دہلی میں رہائش پذیر تھے۔

۲۴ فروری بزرگ شاعر رام ناتھ اسیر کی انبالہ میں رحلت

۲۸ فروری مرثیہ گو شاعر اور ادیب قائم رضا نسیم امروہوی کی ... پاکستان میں وفات

۳ مارچ مولانا حبیب الرحمٰن واصف دہلوی کی دہلی میں وفات

۴ مارچ طویل علالت کے بعد شبیر جیلانی کی علی گڑھ میں وفات

۳۰ مارچ علامہ احسان الٰہی ظہیر سکریٹری جمعیت اہل حدیث کی صبح چار بجے ریاض، سعودی عرب میں رحلت

۱۴ اپریل دہلی کے لیفٹننٹ گورنر شری ایچ ایل کپور نے دہلی اردو اکاڈمی کے ماہنامہ ایوان اردو کا اجرا کیا
علی گڑھ یونیورسٹی کے زیر اہتمام علامہ اقبال پر چار روزہ سیمینار میں ملک اور بیرون ملک کے اکیاون
فارسی اور اردو کے عالموں نے شرکت کی اور اقبال کی حیات و شاعری پر چوالیس مقالے پڑھے گئے

۳۰ اپریل ممتاز ادیب اور دانشور سبط حسن کی وفات

۸ مئی حکیم ناطق لکھنوی کے شاگرد نصیر ناطق کا اپنے مکان گول غلام حسین پر قلیل علالت کے بعد قریب
۶۵ سال کی عمر میں وفات۔ مرحوم قومی آواز لکھنؤ سے بھی وابستہ رہے تھے

۲۰ مئی شاعر و صحافی ولی شاہجہاں پوری کی جامعہ نگر نئی دہلی میں وفات

۲۹ مئی امیر خسرو سوسائٹی امریکہ کے تحت امیر خسرو بین اقوامی کانفرنس کا انعقاد جو ۲ جون تک جاری رہی

۲۴ر مئی شاعر و صحافی مہدی نظمی کا غازی آباد (اترپردیش) میں انتقال

۳۱ر مئی مرادآباد کے مشہور شاعر قمر مرادآبادی کی رحلت

— مفتوں شاہجہانپوری کی وفات

یکم جون مشہور صحافی اور افسانہ نگار خواجہ احمد عباس کی بمبئی میں وفات

۶ر جون نئی دہلی میں عالمی اُردو مشاعرہ کا انعقاد

۳۰ر جون شاعر و ادیب ابوالکاظم قیصر زیدی کا جامعہ نگر نئی دہلی میں انتقال

۴ر جولائی ماہر تعلیم اور ادیب مبشر علی صدیقی کی بدایوں میں وفات

۱۰ر جولائی پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ اُردو اور فارسی کے سبکدوش پروفیسر محمود علی خان صبا کا تقریباً ۸۳ سال کی عمر میں انتقال۔

۱۱ر جولائی حمید شطاری مؤلف رہبرِ اُردو و جامعہ عثمانیہ کا امریکہ میں رحلت

۱۷/۲۶ مولانا عبدالحی مدیر الحسنات کی رام پور اترپردیش میں وفات

۲۳ر جولائی منفرد ڈرامہ نگار اور مزاح نگار حضرت آوارہ کی اپنے آبائی وطن مارہرہ ضلع ایٹہ میں وفات

۲۵ر جولائی پنجاب کے بزرگ شاعر اودے سنگھ شائق کی فرید کوٹ (پنجاب) میں رحلت

۳۰ر جولائی ماہر لسانیات پروفیسر مسعود حسین کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ایمریٹس مقرر کئے جانے کا فیصلہ

حیات بادشاہ کی وفات

۱۳ر اگست ماہر غالبیات مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی کا لاہور کے میو ہسپتال میں انتقال،

۱۶/۱۷ر اگست۔ مولانا محمد عبدالحی کی رام پور میں وفات۔

۱۹ر اگست غالب اکاڈمی نئی دہلی میں جشن مالک رام کمیٹی کے زیر اہتمام کل ہند سیمینار کا انعقاد

۲۲ر اگست آسی رام نگری کی قصبہ پٹارہ وارانسی اُترپردیش میں فالج کا شدید حملہ ہونے سے ۹۰ سال کی عمر میں وفات

۱ر ستمبر بزرگ قصیدہ نگار سید جعفر مہدی ناظم رودولوی کی ۸۵ سال کی عمر میں حرکتِ قلب بند ہو جانے سے وفات۔

۴ر ستمبر بزرگ شاعر و صحافی بلدیو متر بجلی کا ٹانڈہ اُڑمڑ ضلع دسوہہ (پنجاب) میں انتقال

۶ر ستمبر کہنہ مشق شاعر میر عباس حسین تصور لکھنوی کی قریب ۶۵ برس کی عمر میں رحلت

۱۱ر ستمبر ممتاز طنز نگار رگھر تولسوی کی نئی دہلی میں وفات

سراج الدین سراج ادیبی کی رحلت

۲۸ر ستمبر مشہور ادیب اور افسانہ نگار ابوالفضل صدیقی کی مختصر علالت کے بعد رحلت

۱۹ر ستمبر حیدرآباد دکن کے شاعر الحاج ابو زاہد سید یحییٰ حسینی قدر عریضی قادری چشتی کلیمی کا انتقال

۲۲ر ستمبر مشہور شاعر اور فلمی گیت کار راجندر کرشن کا بمبئی میں انتقال۔

۲۴ر ستمبر پروفیسر مختار الدین جامعہ اُردو علی گڑھ کے شیخ الجامعہ مقرر

۲۸ر ستمبر مزاح نگار احمد جمال پاشا کا پٹنہ میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال

—— سریندر پنڈت سوز کی انبالہ میں وفات

۴ر اکتوبر مہتاب پسروری کی شاہدرہ دہلی میں وفات

۱۴ر نومبر جواہر لال نہرو کے یوم پیدائش پر پٹنہ یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے سہ روزہ سیمینار کا افتتاح بہار کے گورنر شری پی وینکٹ سبیا نے کیا

۱۶ر نومبر امروہہ میں سید غیور حسن کا حرکت قلب بند ہونے سے انتقال

۱۸ر نومبر سید صباح الدین عبدالرحمن لکھنؤ میں ایک ٹرک حادثہ میں وفات پا گئے

۲۶ر نومبر بزرگ صحافی ادیب اور عالم پروفیسر رحم علی الہاشمی کا علی گڑھ میں ۹۵ برس کی عمر میں انتقال

۳ر دسمبر عزیز لکھنوی کے شاگرد اور بزرگ ریختی گو شاعر باقر صاحب رنگین کی تقریباً ۹۰ سال کی عمر میں لکھنؤ میں وفات۔

۵ر دسمبر دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی کے صدر پروفیسر نورالحسن انصاری کا دل کا دورہ پڑنے سے وفات۔

۹ر دسمبر شاعر رمیش چندر آزاد نورپوری کا مرادآباد میں انتقال

۱۱ر دسمبر شاعر فیض اللہ شریف کی لگ بھگ اسی برس کی عمر میں برہان پور میں رحلت

۲۲ر دسمبر کشمیر کے مشہور ادیب اور ڈرامہ نگار علی محمد لون کا سڑک حادثہ میں انتقال

۲۹ر دسمبر ڈاکٹر بیگم بسم اللہ نیاز احمد کی کراچی میں وفات انہیں اردو میں گیت، پر جامعہ کراچی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی تھی۔

وفیات

انس معین

انس معین اُردو شاعر فخر الدین بلے کے فرزند اور ایک ہونہار نوجوان شاعر تھے۔ انہوں نے ۱۹۷۷ء میں شاعری کی ابتدا کی تھی وہ بنک میں ملازم تھے۔ موت کے عرصہ پہلے انہوں نے فارن ایکس چینج کی تربیت میں بھی امتیاز حاصل کیا تھا اور اُن کی فارن پوسٹنگ متوقع تھی لیکن اچانک ہی انہوں نے ۳ فروری ۱۹۸۶ء کو ملتان میں خودکشی کر لی۔

آوارہ

ممتاز ڈرامہ نگار اور انشاپرداز آل عبا آوارہ کی ۱۸۹۰ء (۱۳۰۸ھ) میں سیتاپور اُتر پردیش میں ولادت ہوئی۔ نانی کی آغوش میں پرورش پائی۔ کلام پاک ختم کیا اور دستور کے مطابق شیخ سعدی کی کریما سے فردوسی کے شاہنامہ تک فارسی اور [illegible] متوسطات عربی کا درس نظامی پڑھنے کے بعد انگریزی پڑھنی شروع کی۔ گورنمنٹ ہائی اسکول سے میٹرک پاس کرنے کے بعد جامعہ عثمانیہ میں تعلیم کی تکمیل کی۔
بی اے کا آخری پرچہ دے کر امتحان گاہ سے نکلے ہی تھے کہ حیدرآباد کے پوسٹ ماسٹر جنرل کے پرسنل اسسٹنٹ ہو گئے۔ پندرہ سولہ سال بعد ملازمت سے کنارہ کش ہو کر وطن آ گئے اور بعد ازاں ۱۹۳۵ء میں آل انڈیا ریڈیو دہلی سے وابستہ ہو گئے تھے اور [illegible] صدی تک ریڈیو میں خدمات انجام دینے کے بعد

اور بے پرکی متعدد ڈرامے انہوں نے تحریر کیے۔ اُن کے مضامین کے مجموعے ، بے پرکی، اور خاکوں کا مجموعہ اپنی مدح میں، کے علاوہ اُن کی تازہ تصنیف میرا فولیا ہوا شائع ہو چکی ہے۔

اثر انصاری

مہاراشٹر کے معروف شاعر صحافی، ادیب اور مجاہد آزادی ابن یحییٰ اثر انصاری کئی کتابوں کے مصنف و مولف تھے۔ انہیں مہاراشٹر اردو اکاڈمی سے انعامات و اعزازات بھی مل چکے تھے۔ وہ آل انڈیا مومن کانفرنس کے مہاراشٹر ریاستی کمیٹی کے نائب صدر بھی تھے۔ وہ ایک کہنہ مشق اُستاد شاعر تھے۔ انہوں نے طوفان، نامی اردو اخبار کا بھی اجرا کیا تھا۔ وہ ایک عرصہ سے صاحب فراش تھے۔ ۱۸ر اکتوبر ۱۹۸۶ء کو حرکت قلب بند ہو جانے سے اُن کی وفات ہو گئی۔ ابھی حال ہی میں اُن کا شعری مجموعہ زبان غزل شائع ہوا تھا۔

احمد جمال پاشا

یکم جون ۱۹۳۶ء کو محلہ آباد الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ والد جج کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد ۱۹۴۰ء میں لکھنؤ میں آباد ہو گئے۔ آبائی وطن عظیم آباد ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے بی اے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم اے کیا۔ ۷۵-۱۹۷۰ء میں روزنامہ قومی آواز کے شعبہ ادارت سے منسلک رہے اگست ۱۹۷۵ء میں بہار یونیورسٹی کے اسلامیہ کالج سیوان کے شعبہ اُردو سے وابستہ ہوئے اودھ پنچ کی ادبی خدمات پر مگدھ یونیورسٹی سے ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ان کا شمار ملک کے ممتاز مزاح نگاروں میں ہوتا تھا۔

۳۰ر ستمبر ۱۹۸۷ء کو سیوان میں انتقال ہو گیا۔

مطبوعات: مضامین پاشا (۱۹۷۴ء) چشمِ حیراں (۱۹۷۸ء) انلیتہ شہر مضامین پاشا، بیتیوں پہ چھڑکاؤ (۱۹۸۶ء) چراگاہ، ظرافت اور تنقید (تحقیقی مضامین کا مجموعہ) غالب سے معذرت کے ساتھ اُردو کے چار مزاحیہ شاعر، شوکت تھانوی کی مزاحیہ صحافت، ملّا نصیر الدین کے لطیفے، ہجویات میر، ہماری نظمیں نئی روشنی وغیرہ۔

اظہر علی فاروقی

اظہر علی فاروقی نے لگ بھگ ہر صنف ادب میں طبع آزمائی کی تھی۔ انہوں نے بحیثیت ناقد، سوانح نگار، افسانہ نویس، ڈرامہ نویس اور مترجم لگ بھگ چالیس کتابوں کی تصنیف و تالیف کی۔ ۱۹۶۷ء میں انہوں نے "شہیر" کے نام سے ایک رسالہ جاری کرنے کے علاوہ ہندی میں بچوں کے لئے "ساتھی" نام سے ایک رسالہ نکالا، لوک گیتوں پر وہ اتھارٹی مانے جاتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب "اُتر پردیش کے لوک گیت" خصوصی طور پر قابل ذکر ہے ۱۷ر مئی ۱۹۸۶ء کو اُن وفات ہوگئی۔

اودے سنگھ شائق

اودے سنگھ شائق ۱۸۹۵ء میں سابق ریاست فرید کوٹ کے ممتاز مہاتق خاندان میں سردار نرائن سنگھ آنریری مجسٹریٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر اُردو اور پنجابی کے شاعر مراد علی شاہ مراد سے حاصل کی۔ ۱۹۲۱ء میں اُن کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انہیں لسان الاعجاز کا خطاب دیا گیا۔ لا کالج لاہور سے ایل ایل بی کرنے کے بعد فیروز پور میں وکالت کا آغاز کیا۔ سرکاری وکیل کی حیثیت سے ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انہوں نے فرید کوٹ میں مستقل اقامت اختیار کی۔

۱۹۶۶ء میں وہ انجمن ترقی اُردو پنجاب کے سرپرست کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ ۱۹۶۸ء میں اُن کا مجموعہ کلام "حیرت کدہ" منظرِ عام پر آیا۔ ۱۹۷۸ء میں حکومت پنجاب نے اُن کی ادبی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں سرکردہ اُردو شاعر قرار دے کر ۵۱۰۰ روپے کی تھیلی ایک تمغہ اور خلعت سے نوازا۔ وہ فروغ اُردو بورڈ پنجاب کے رکن اور اقبال میموریل ٹرسٹ کے ٹرسٹی بھی رہے۔

۲۵ جولائی ۱۹۸۷ء کو فرید کوٹ (پنجاب) میں اُن کی ۹۲ برس کی عمر میں وفات ہو گئی۔

برق آشیانوی

سید موسیٰ کلیم الٰہی برق آشیانوی کی ۱۸ اپریل ۱۹۱۸ء کو سکندرآباد میں ولادت ہوئی اور انہوں نے ۱۹۳۵ء میں تخلیقی سفر شروع کیا اور مزاح نگاری میں بڑا نام پیدا کیا۔ اُن کی تصانیف میں تیتے کی بات، ورق ورق، یہ ایک تبسم اور مکرر ارشاد خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر اُن کا مزاحیہ شعری مجموعہ ہے۔ بچوں کے لئے انگریزی نظموں کا مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۸۶ء کو اُن کا انتقال ہو گیا۔

بلدیو متر بجلی

جنگ آزادی کے مجاہد اور بزرگ شاعر و صحافی کی ۴ ستمبر ۱۹۸۷ء کو ٹانڈہ اُڑمڑ ضلع وسودا پنجاب میں وفات ہو گئی، تقسیم ملک کے بعد اُنہوں نے ۱۹۵۵ء میں دہلی سے ماہنامہ "راہی" کا اجراء کیا تھا۔ بعد ازاں وہ پنجاب منتقل ہو گئے اور کچھ عرصہ جالندھر سے بھی نکالتے رہے۔ شاعر صحافی اور مجاہد آزادی کے علاوہ اُن کا شمار اچھے مقررین میں کیا جاتا تھا۔

بلونت سنگھ

بلونت سنگھ ۱۹۲۶ء میں گوجرانوالہ (پاکستان) میں پیدا ہوئے۔ تقسیم ملک سے کچھ عرصہ پہلے جو افسانہ نگار مقبول ہوئے اُن میں بلونت سنگھ کا بھی شمار ہوتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی طرح انہوں نے بھی پنجاب کی دیہی زندگی کی عکاسی کی، لیکن فرق اتنا ہے کہ جہاں قاسمی نے مغربی پنجاب کے دیہات کو پیش نظر رکھا وہاں بلونت سنگھ نے ماجھا کے علاقے کی دیہی زندگی کی ترجمانی کی۔ وہ اپنے طرز کے منفرد افسانہ نگار تھے۔ اُنہوں نے لاتعداد افسانے لکھے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ دہلی آ گئے اور کچھ عرصہ پبلیکیشنز ڈویژن وزارت اطلاعات و نشر حکومت ہند کے رسائل آج کل بساطِ عالم اور نونہال، سے وابستہ رہے۔ بعدازاں وہ الہ آباد چلے گئے اور وہاں ایک ہوٹل کھول لیا۔

۲۷ مئی ۱۹۸۶ء کو الہ آباد میں ہی اُن کا انتقال ہوگیا۔

اُن کے افسانوں کے مجموعے، جگا، تارو پود، پہلا پتھر، اور سنہرا دیس، اور ناول، رات چور اور چاند، راوی بیاس، آبشار، عورت، ایک معمولی لڑکی اور کالے کوس بڑے مقبول ہوئے۔

رام ناتھ اسیر

۱۴ اپریل ۱۹۲۸ء کو ضلع انبالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۶ء میں اے ایس ہائی اسکول انبالہ شہر سے میٹرک ۱۹۴۸ء میں اے ایس جین کالج انبالہ شہر سے ایف اے کیا۔ ۱۹۵۰ء میں گاندھی میموریل کالج انبالہ چھاونی سے بی اے اور ۱۹۵۴ء میں ڈی ایم کالج موگا سے بی ٹی کی ڈگری حاصل کی، ۱۳ نومبر ۱۹۵۴ء کو بلاک ایجوکیشن افسر کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۱۹۸۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور ۲۴ فروری ۱۹۸۷ء کو انبالہ میں انتقال کر گئے۔

مرحوم علامہ منور لکھنوی کے تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے ۱۹۴۷ء میں شاعری کی ابتدا کی تھی۔

اُن کی شاعری کا مجموعہ "بوڑھا برگد" دیوناگری میں شائع ہو چکا ہے۔

رحم علی الہاشمی

فروری ۱۸۹۹ء میں تھلوارہ ضلع بارہ بنکی میں چودھری ناظر علی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ آکر اور ینٹل اسکول میں داخل ہوئے کیننگ کالج لکھنؤ سے انگریزی تاریخ اور عربی ادب کے ساتھ بی اے پاس کیا۔ ۱۹۲۰ء میں ان کی سندیلہ ضلع ہردوئی کے چودھری سلطان کی بڑی صاحبزادی سے شادی ہوئی۔ جو اچانک حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کر گئیں۔ ۱۹۱۸ء میں مشہور روزنامے "ہمدم" سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۱۹ء میں انگریزی روزنامے "انڈی پنڈنٹ" الہ آباد میں ملازم ہوئے ۱۹۲۲ء میں انڈی پنڈنٹ کی ملازمت ترک کر کے دوبارہ ہمدم کے ادارے میں شامل ہو گئے۔ ۲۶۔۱۹۲۵ء کے دوران انگریزی روزنامہ انڈین ڈیلی ٹیلی گراف لکھنؤ کے ادارے میں رہے اور ۳۳۔۱۹۳۰ء میں "اسٹار" الہ آباد کے ایڈیٹر رہے وہ استقلال کانپور، تریاق لاہور اور البشیر لکھنؤ کے مدیر بھی رہے۔ ۱۹۳۱ء میں وہ نوابزادہ لیاقت علی خاں کے کونسل سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۲ء میں مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں شعبہ صحافت میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ پھر دہلی میں آرمی پریس کے ورکس منیجر ہوئے بعد ازاں بابائے اردو مولوی عبدالحق کے ساتھ انجمن ترقی اردو (ہند) میں کام کرتے رہے۔ ۱۹۵۴ء تک مہتمم تالیف و ترجمہ اور رجسٹرار امتحانات اردو رہے۔ آزادی کے بعد محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۶۰ء میں محکمہ نیشنل آرکائیوز سے سبکدوش ہو کر ہفتہ وار "ریڈینس" کے ادارے سے وابستہ ہو گئے۔ پھر دہلی کو خیرباد کہہ کر مستقلاً علی گڑھ میں سکونت اختیار کی اور یہیں طویل عرصہ بیمار رہنے کے بعد ۲ نومبر ۱۹۸۴ء کو وفات پا گئے۔

تصانیف: لمحات ہاشمی (شعری مجموعہ) عصری انتخاب (عربی نظموں کا انتخاب) اردو میں فن صحافت (انجمن ترقی اردو ہند) تاریخ سیاست (مطبوعہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) مردم شماری ۱۹۴۱ مضمون نگاری۔ اسٹار ڈائرکٹری حیدرآباد مرتب کی۔

رسا بریلوی

سید ابراہیم حسن رسا ولد سید حسن علی۔ ۲۵ جولائی ۱۹۰۶ء بروز بدھ بریلی میں پیدا ہوئے۔ گھر پر ابتدائی تعلیم کے بعد ڈیلو آئی ایم کالج (آزاد انٹر

کالج) سے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد منظر الاسلام بریلی سے منشی کا امتحان پاس کیا۔ وہ حضرت دل شاہجہانپوری کے تلامذہ میں سے تھے۔
۱۹۴۵ء کے قریب انہوں نے پہلا اخبار عرش ہفتہ وار کا اجرا کیا جو انگریز حکومت نے بند کر دیا اس کے بعد ۱۹۴۶ء میں العرش ہفتہ وار جاری کیا۔ اس کے ایک اداریہ کی وجہ سے تین ماہ کی سزا ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۹ء میں ہفتہ وار ندرت کا اجرا کیا جو ۱۹۷۵ء تک مستقل جاری رہا جو بعد ازاں ایمرجنسی کی نذر ہو گیا اس کے علاوہ کچھ عرصہ تک علی گڑھ اولڈ بوائز کے ایک اخبار "سرگزشت" کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔
۲۳ نومبر ۱۹۸۷ء کو طویل علالت کے بعد لچھمی گارڈن (لونی، غازی آباد) میں انتقال ہوا اور وہیں دفنائے گئے۔

سبط حسن

دانشور اور ادیب سبط حسن ترقی پسند تحریک کے پہلے ادبی ترجمان 'نیا ادب' کے مدیر تھے۔ انہوں نے لکھنؤ سے منزل، لاہور سے لیل و نہار، اور کراچی سے پاکستانی ادب کے نام سے رسائل نکالے۔ ابتدا میں وہ حیدر آباد دکن میں ایک اردو اخبار سے وابستہ رہے۔ انہوں نے "نیشنل ہیرالڈ" میں بھی کام کیا۔ ۱۹۴۰ء کے بعد وہ کمیونسٹ پارٹی کے اخبار قومی جنگ کی ادارت کے لئے بمبئی گئے۔ بعد ازاں وہ کمیونسٹ پارٹی کے اخبار "پیپلز ایج" کے نمائندے کی حیثیت سے امریکہ گئے جہاں سے انہیں ملک بدر کر دیا گیا پاکستان میں راولپنڈی سازش کیس میں انہیں گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔
۲۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو جبکہ وہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی گولڈن جوبلی کے سلسلے میں پاکستان سے بھارت آئے ہوئے تھے، وفات ہو گئی۔

صادق اندوری

صادق اندوری کا اصلی نام غلام معین الدین تھا اور وہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۷ء کو اندور

میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مولا بخش بھی شاعر تھے اور جوہر تخلص کرتے تھے۔
صادق صاحب پنڈت پربھو دیال عاشق لکھنوی کے شاگردوں میں سے تھے اور
خود ان کے بھی لاتعداد شاگرد تھے۔ ان کے دو شعری مجموعے "نشید" اور "نقوش خاموش"
اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

صباح الدین عبدالرحمٰن

صباح الدین عبدالرحمٰن ۱۹۱۲ء میں
دسنہ ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے
تحقیق کے میدان میں قابل قدر خدمات
انجام دیں۔ وہ کئی برس سے معارف
اعظم گڑھ کی ادارت کے فرائض انجام دے
رہے تھے۔

وہ شہاب الدین سسنوی کے ساتھ لکھنؤ میں رکشہ پر جا رہے تھے کہ ڈالی گنج
کے پل پر سامنے سے آتی ایک آوارہ گائے سے رکشہ ٹکرا گیا۔ جھٹکے سے وہ گر پڑے
اور سر اور دماغ پر آئی چوٹوں سے جانبر نہ ہو سکے اور ۱۸ نومبر ۱۹۸۷ء کو ان کی وفات ہو گئی
اور لاش اعظم گڑھ لائی گئی اور مزارِ شبلی کے پہلو میں انہیں سپرد خاک کیا گیا۔

ان کی تصنیف و تالیف میں درج ذیل کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔

بزم تیموریہ ۴۱ بزم صوفیہ ۵۰ بزم مملوکیہ ۵۴ دیوانِ فغاں (مرتبہ) ۴۹ بزم رفتگاں
ہندوستان کے عہدِ وسطیٰ میں فوجی نظام، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی
جلوے، ہندوستان کے سلاطین علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، عہدِ مغلیہ مسلمان
اور ہندو مورخین کی نظر میں۔ مولانا سید سلیمان ندوی کی تصانیف کا مطالعہ، مقالات
سلیمان، صلیبی جنگ، غالب مدح و قدح کی روشنی میں، محمد علی کی یاد میں، مذہبی

رواداری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، اسلام میں مذہبی رواداری، ہندوستان کے عہد رفتہ کی سچی کہانیاں، ہندوستان امیر خسرو کی نظر میں، ظہیر الدین محمد بابر وغیرہ۔

غیور حسن

۱۸ نومبر کو سید غیور حسن کا حرکت قلب بند ہونے سے امروہہ (اتر پردیش) میں انتقال ہو گیا وہ ایک مدت تک محکمہ تعلیم میں انسپکٹر آف اسکول کے عہدے پر رہے۔ ۱۹۵۲ء میں انہوں نے باقاعدگی سے لکھنا شروع کیا۔ اُن کی پہلی کتاب 'عکسِ غیور' شائع ہوئی۔ اس کے بعد خاکوں پر مشتمل 'خ خ (خطے اور خاکے)' اور افسانوی تخلیق 'منزل منزل' منظر عام پر آئی۔

قدرت اللہ شہاب

نامور افسانہ نگار اور ممتاز ادیب قدرت اللہ شہاب ۱۹۱۹ء میں کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اُن کے والد مہتر چترال کے دربار میں ایک اچھے عہدے پر فائز تھے۔ شہاب کا بچپن چترال میں گزرا۔ مہاراجہ ہری سنگھ سے تعلیم کے لئے وظیفہ پاتے رہے۔ گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد سول سروس کیڈر میں شمولیت اختیار کی اور مختلف اضلاع میں ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر فائز رہے۔

پاکستان بننے کے بعد غلام محمد، سکندر مرزا اور ایوب خان کے پرائیویٹ سیکریٹری رہے۔ وہ کچھ عرصہ سیکریٹری اطلاعات رہے اور بعد میں سیکریٹری تعلیم کے عہدے پر کام کرنے کے دوران ملازمت سے سبکدوش ہو گئے۔ شہاب ابتدائی دور میں شاعری بھی کرتے رہے۔ پہلے انہوں نے روشن اور بعد ازاں جعفر تخلص اختیار کیا۔

کرگس سہسوانی

مزاحیہ شاعر ثناءاللہ کرگس سہسوانی ۳ مارچ ۱۹۲۶ء کو تھانہ ایکہ ضلع مین پوری (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے جہاں ان کے والد محکمہ پولیس میں ہیڈ کانسٹبل تھے والدین نے ان کا نام ثمرالحسن عرف لڈن رکھا جسے ۱۹۴۰ء میں انہوں نے بدل کر ثناءاللہ عرف لڈن کر دیا۔ انہوں نے مین پوری سے اُردو مڈل کا امتحان پاس کیا۔ دسمبر ۱۹۴۴ء میں والد کی سبکدوشی پر جنوری ۱۹۴۵ء میں اپنے وطن سہسوان آ گئے۔ ۱۹۴۹ء میں انہوں نے شوق سہسوانی کی شاگردی اختیار کی اور اُن کی وفات کے بعد واحد حسین واحد کو کلام دکھانا شروع کیا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۸۶ء کو سہسوان میں انتقال ہوا

مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی

مولانا سید مرتضیٰ حسین فاضلِ لکھنوی کا ۱۳ اگست ۱۹۸۷ء کو لاہور کے ہسپتال میں انتقال ہو گیا۔ مرحوم ۱۹۲۳ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور یہیں سے تعلیم حاصل کی۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء میں سلطان المدارس لکھنؤ سے صدر الفاضل کی سند حاصل کی وہ کچھ عرصہ متعلقہ کالج سے بھی وابستہ رہے۔ جولائی ۱۹۵۰ء میں وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ انہوں نے زائد از پچاس کتابوں کی تصنیف و تالیف کی۔ اُن میں سے ڈھائی درجن کے قریب کتابیں دینی موضوعات پر ہیں اور بقیہ کتابیں ادبی ہیں۔ اُن کا شمار بھی ماہرِ غالبیات میں ہوتا ہے غالب پر تنقید ترتیب اور تحقیق کے سلسلے میں بھی انہوں نے قابل قدر خدمات انجام دیں

مہتاب پسروری

۱۱ ستمبر ۱۹۱۵ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں والد صاحب کے تبادلہ کی

وجہ سے دہلی آگئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے
ادیب عالم کا امتحان پاس کرنے کے بعد
نجف گڑھ سے نارمل ٹریننگ حاصل کی اور
کچھ عرصہ مدرسی کرنے کے بعد ریلوے
میں ملازم ہو گئے اور یہیں سے ۱۰ دسمبر
۱۹۷۳ء کو ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔
۱۴ اکتوبر ۱۹۸۷ء کو شاہدرہ دہلی میں
انتقال کیا۔

مطبوعات: شعری مجموعے غنچۂ مہتاب (۱۹۴۴ء) بقعۂ نور (۱۹۳۷ء) گیتا کا
منظوم ترجمہ (۱۹۶۴ء) تنقید و تحقیق مرقع جاوید (۱۹۳۸ء) اصلاح سخن وغیرہ۔

مہدی نظمی

نامور صحافی اور کہنہ مشق شاعر مہدی
نظمی کا ۳۰ مئی ۱۹۸۷ء کو غازی آباد (یوپی)
میں دورۂ قلب سے انتقال ہو گیا۔ انہوں
نے کئی اخبار و رسائل نکالے اور متعدد
رسالوں اور اخباروں کے پس پردہ
مدیر بھی رہے۔ ان کی وطنی اور قومی نظموں
کے علاوہ اہل بیت کی شان میں ان کے مدحیہ قصائد اور سانحات کربلا سے متعلق
مجموعہ مراثی ان کی شاعرانہ عظمت کی دلیل ہیں۔
مہدی نظمی ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے لکھنؤ اور
علی گڑھ میں تعلیم پائی۔ انہوں نے لکھنؤ سے ماہنامہ 'راہی' اور 'سیارہ' نکالا
اور مختلف اوقات میں روزنامہ ہند (کلکتہ) روزنامہ ناظم (رامپور) روزنامہ آغاز

پیامِ وطن، نئی دُنیا، آستانہ، پیامِ مشرق سے منسلک رہے۔
اُن کی شعری تصانیف میں 'ہندوستان ارمِ بے نظیر'، 'بھارت درشن'، 'ہندوستان پیغمبرِ عالم'، 'صحیفۂ عقیدت'، 'نذرِ نانک'، 'مظلومِ کربلا'، 'غزل غزل' وغیرہ ہیں۔
چار ناول، زلف و زنجیر، گرم خون، اُمِ عامر، دھوپ اور چاندنی اور تاریخ و سیاست پر مشتمل متعدد کتابیں ہیں۔

میر عبدالرشید اشک

اشک صحافی اور شاعر تھے اور ساری زندگی روزنامہ 'شعلہ' کے ادارتی فرائض انجام دیتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے 'سرگودھا اخبار' کی بھی ادارت کی۔ انہوں نے متعدد صحافیوں کو تربیت دی۔ زبان و بیان پر انہیں قدرت حاصل تھی اور وہ ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔

مولانا محمد عبدالحیؒ

عالمِ اسلام کی برگزیدہ ہستی مولانا محمد عبدالحیؒ نے ۱۹۴۷ء میں رام پور سے دینی ماہنامہ الحسنات نوجوانوں کے لئے اور ۱۹۵۳ء میں رسالہ 'نور' جاری کیا۔
اس کے علاوہ انہوں نے بچوں کے لئے ماہنامہ 'ہلال' اور خواتین کے لئے ماہنامہ 'بتول' کا بھی اجراء کیا۔
۱۹۵۹ء میں انہوں نے مسلمان لڑکیوں کے لئے بچیوں کا مدرسہ قائم کیا جو جامعۃ الصالحات کی حیثیت سے اسلامی یونیورسٹی بن چکا ہے اور جہاں ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک کی لڑکیاں بھی تعلیم حاصل کرتی ہیں۔
مولانا کا اہم کارنامہ قرآن پاک کے ہندی ترجمہ کی اشاعت ہے۔ ۱۴ اگست ۱۹۸۸ء کو رام پور میں مولانا کی وفات ہو گئی۔

نثار احمد علوی

نثار احمد علوی ۲۱ مارچ ۱۹۲۱ء کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ حصول آزادی سے پیشتر وہ قومی اخبار کانپور سے بحیثیت نیوز ایڈیٹر وابستہ رہے۔ لکھنؤ میں قیام کے دوران انہوں نے معروف عرب سرجن ابوالقاسم زہراوی کی تصنیف "التصریف" کے جراحت سے متعلق باب کو اُردو کا جامہ پہنا کر "جراحیاتِ زہراوی" کے نام سے شائع کیا۔ جو کہ ہند و پاک کے طبی کالجوں کے نصاب میں شامل ہے۔ تقسیم ملک کے بعد وہ ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے۔ وہ کانپور اکادمی پاکستان کے بانی اور نائب صدر، حسرت موہانی میموریل سوسائٹی کے سرگرم رکن، پاکستان طبی ایسوسی ایشن کے معتمد اور ہمدرد طبیہ کالج کے رجسٹرار تھے۔ علاوہ ازیں وہ "اخبار المطب" کے مدیر بھی تھے۔

۲۷ جولائی ۱۹۸۶ء کو کراچی میں اُن کا انتقال ہو گیا۔

نورالحسن انصاری

اُردو اور فارسی کے مشہور عالم محقق اور نقاد پروفیسر نورالحسن انصاری ۲۵ دسمبر ۱۹۳۷ء میں میونا تھ بھنجن (اعظم گڑھ۔ یو پی) میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ۱۹۶۰ء میں دہلی یونیورسٹی سے امتیازی نمبروں سے ایم۔ اے (فارسی) اور ۱۹۶۶ء میں دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی سے پی ایچ ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں انصاری صاحب دہلی یونیورسٹی کے شعبہ فارسی سے مختلف حیثیتوں سے منسلک رہے اور انتقال کے وقت آپ دہلی یونیورسٹی کے پروفیسر اور صدر شعبہ فارسی کے عہدے پر فائز تھے۔

اُن کا ۵ دسمبر ۱۹۸۶ء کو دہلی میں انتقال ہوا۔

پروفیسر نورالحسن انصاری کو ۱۹۸۶ء میں صدر جمہوریہ ہند کی طرف سے "آنرائی ٹیفکیٹ" کے اعزاز سے نوازا گیا۔ ۱۹۸۳ء میں، قومی لیکچرر کے لئے تقرر ہوا۔ آپ کو یوپی اور بہار اردو اکیڈمیوں سے کئی انعامات حاصل ہوئے۔ آپ نے متعدد تصانیف کا انگریزی اور فارسی سے اُردو میں ترجمہ بھی کیا۔

آپ نے بین الاقوامی سمیناروں میں شرکت کی غرض سے متعدد ممالک کا سفر کیا۔ سن ۱۹۸۶ء میں آپ حضرت امیر خسرو سمینار میں شرکت کی غرض سے شکاگو (امریکہ) تشریف لے گئے تھے۔

تالیفات:- فارسی ادب با عہد اورنگ زیب، مشاہیر محمود شیرانی، تحفۃ الہند، فارسی کی دلکش داستانیں، مرقع دہلی، امیر خسرو، احوالِ عصر، انشائے جلیل وغیرہ وغیرہ۔

آپ غالب انسٹی ٹیوٹ کے مجلہ غالب نامہ کی مجلسِ ادارت میں بھی شامل تھے

واصف دہلوی

مولانا حفیظ الرحمن واصف دہلوی کی ۱۳ر اگست ۱۹۸۷ء کو دہلی میں وفات ہوگئی۔ وہ مولانا مفتی کفایت اللہ محدث کے بڑے فرزند تھے وہ عالم دین بھی تھے اور فقیہہ بھی وہ طویل عرصے تک مدرسہ امینیہ دہلی کے صدر مدرس اور مہتمم کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔ انہوں نے اپنے والد کے فتاوی بڑی محنت و جانفشانی سے تدوین کرکے نو جلدوں میں "کفایت المفتی" کے نام سے شائع کئے۔ انہوں نے ادبی اور شعری مسائل پر مزید پندرہ کتابیں شائع کیں۔ وہ شاعری میں نواب سراج الدین احمد خان سائل جانشین داغ کے شاگردوں میں سے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام "رزِ گل"، کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

وحید عرشی

وحید الحق عرشی کی ولادت ۲۰ر دسمبر ۱۹۴۳ء بمقام پوکھر نرائن پور کانکی نارہ ۲۴ پرگنہ مغربی بنگال میں ہوئی۔ ۱۹۵۹ء میں حمایت الغربا اسکول کانکی نارہ سے میٹرک امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۲ء میں ایم ایم سی کالج کلکتہ سے آئی اے اور ۱۹۶۵ء میں بی اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۸ء میں کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے (اردو) میں اول آنے پر گولڈ میڈل حاصل کیا۔ ۱۹۶۹ء میں حمایت الغربا اسکول میں بحیثیت اسسٹنٹ ٹیچر ملازم ہوئے۔ ۱۹۷۰ء میں بھوانی پور ایجوکیشنل سوسائٹی کالج میں اردو لیکچرر مقرر ہوئے۔ ۲ر فروری ۱۹۸۸ء کو کانکی نارہ [illegible] وفات ہوگئی۔

ہند
میں
اُردو لائبریریاں

آزاد اُردو پبلک لائبریری کھبروا، بیلہ ضلع چمپارن (بہار) ٨٤٥٣٠٢
آزاد لائبریری نیا بھوجپور ضلع بھوجپور (بہار) ٨٠٢١٤٥
آزاد لائبریری جھن جھنو (راجستھان) ٣٣٣٠٠١
آزاد لائبریری جنڈھی ضلع روہتاس (بہار) ٨٠٣٢١٢
آزاد لائبریری دھار (مدھیہ پردیش) ٤٥٤٠٠١
آزاد لائبریری دموہ (مدھیہ پردیش)
آزاد لائبریری رام نگر دھوسی ضلع دربھنگہ (بہار) ٨٤٦٠٠٣
آزاد لائبریری سرونج (مدھیہ پردیش)
آزاد لائبریری گودنا، ریول گنج ضلع سارن (بہار) ٨٤١٣١٥
آزاد میموریل اُردو لائبریری پُرانا بازار بیچ پیر داگونڈہ (اُتر پردیش)
آزاد ہندوستانی کتب خانہ مسلم لائبریری رسٹر بلیا (اتر پردیش)
آصفیہ لائبریری حیدرآباد (آندھرا)
آفتاب لائبریری محلہ تولہ قائم گنج، فرخ آباد (اُتر پردیش)
آل انڈیا شفیق میموریل سوسائٹی لائبریری جونپور (اتر پردیش)
آندھرا پردیش اسٹیٹ اُردو لائبریری حیدرآباد (آندھرا)
ابوالکلام آزاد اورینٹل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ پبلک گارڈن حیدرآباد (آندھرا)
احمدیہ پبلک لائبریری گوروباغ وارانسی (اتر پردیش)
اتحاد لائبریری سسوانی ضلع چمپارن (بہار) ٨٤٥٤٠٢

اترپردیش اردو اکادمی، قیصر باغ لکھنؤ (اترپردیش)
اترپردیش مانوسیا سوسائٹی لائبریری باغ قاضی۔ لکھنؤ (اترپردیش)
افرالدین کمبل فری لائبریری وزیر بلڈنگ بھاٹی بازار بمبئی ۴۰۰۰۰۳
احمد نگر کالج لائبریری احمد نگر (مہاراشٹر) ۴۱۴۰۰۱
ادارہ ادبیات اُردو پنج گٹا۔ حیدرآباد (آندھرا) ۵۰۰۰۰۴
ادارہ اشار لائبریری، طلعت واڑہ املنیر ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر) ۴۲۵۴۰۱
ادارہ بزم نو لائبریری ماڑی چوک شاہڈے ضلع دھولیہ (مہاراشٹر) ۴۲۵۴۰۹
ادارہ غالب ریڈنگ روم ذاکر حسین ہائی اسکول پربھنی (مہاراشٹر) ۴۳۱۴۰۱
ادب کدہ لائبریری۔ مہاراج نگر لکھیم پور (اترپردیش)
ادبی سوسائٹی لائبریری کمرولی ضلع دربھنگہ (بہار) ۸۴۷۳۰۴
ادیب لائبریری آزاد نگر مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر) ۴۲۳۲۰۳
ارباب لائبریری گلزار پوکھر مونگیر (بہار) ۸۱۱۲۰۱
اُردو پبلک لائبریری تحصیل فتحپور ضلع بارہ بنکی (اترپردیش)
اردو ریسرچ اینڈ ٹریننگ سارون سولن شملہ ہلز (ہماچل پردیش)
اردو ریسرچ سنٹر لائبریری چادرگھاٹ ہائی اسکول عابد روڈ حیدرآباد
اُردو سبھا لائبریری سرور منزل باؤلی گلت سنگھ حیدرآباد (آندھرا)
اردو اسٹڈی سرکل دارالسلام اسٹریٹ مومن پورہ ناگپور (مہاراشٹر) ۴۴۰۰۰۱
اردو سٹڈیز سرکل۔ دارالسلام مومن پورہ ضلع ناگپور (مہاراشٹر)
اردو سرکل، ریلوے بلاس پور (مدھیہ پردیش)
اردو کتاب گھر حلقہ بزم ادب للت پور (اترپردیش)
اردو لائبریری اردو روڈ اورنگ آباد ۸۲۴۱۰۱
اردو لائبریری اسٹیشن روڈ گریڈیہہ (بہار) ۸۱۵۳۰۱
اردو لائبریری اندور (مدھیہ پردیش)
اُردو لائبریری اورنگ آباد سرایا ضلع بھوجپور (بہار) ۸۰۲۲۰۱
اردو لائبریری بازار پیٹ شردیودھن ضلع رائے گڑھ (بہار) ۴۰۲۱۱۰

اُردو لائبریری و انجمن فروغ اُردو کدورہ باؤنی جالون (اُتر پردیش)
اُردو لائبریری نشر مادھوپٹن کٹک ۷۵۳۰۱۰ (اُڑیسہ)
اُردو لائبریری خیرآباد ضلع اعظم گڑھ (اُتر پردیش)
اُردو لائبریری معین الدین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی منگراواں اعظم گڑھ (اُتر پردیش)
اُردو لائبریری ماپاری محلہ چپلون ضلع رتناگری (مہاراشٹر)
اردو لائبریری مولانگر آواپور ضلع سیتامڑھی (بہار) ۸۴۳۳۰۱
اردو لائبریری بجوہٹہ بانکی پور ضلع پٹنہ (بہار)
اُردو لائبریری ڈالٹن گنج ضلع پلامو (بہار) ۸۲۲۱۰۱
اردو لائبریری یحیٰ پور شیخ پورہ ضلع مونگیر (بہار) ۵۱۱۱۰۵
اُردو لائبریری بیکاپور ضلع مونگیر (بہار) ۸۴۲۰۰۱
اُردو لائبریری ۳۳ سوموار وارڈ مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر) ۴۲۳۲۰۳
اُردو لائبریری موتی پور، بھگوان پورہ۔ گونڈہ (اُتر پردیش)
اُڑیسہ یونیورسٹی لائبریری بھونیشور (اُڑیسہ)
اسٹوڈنٹس اُردو لائبریری لکھمینا ضلع بیگوسرائے (بہار) ۸۵۱۲۱۱
اسٹیٹ ریجنل لائبریری گنٹور (آندھرا) ۸۵۲۰۰۳
اسٹیٹ سنٹرل لائبریری افضل گنج حیدرآباد (آندھرا)
اسٹیٹ سنٹرل لائبریری کٹک (اُڑیسہ) ۷۵۳۰۰۲
اسٹیٹ سنٹرل لائبریری گوہاٹی (آسام)
اسٹیٹ لائبریری اسٹاف روڈ انبالہ چھاؤنی (ہریانہ) ۱۳۳۰۰۱
اسٹیٹ سنٹرل لائبریری جی ٹی روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۵۰
اسرارالحق دارالمطالعہ کسانی بتلا بازار چوک ضلع پورنیہ ۸۵۵۱۰۳
اسکول آف کارسپانڈنس کورس۔ دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۱۰۰۰۷
اسلامیہ اسعد لائبریری ذاکر نگر کنکڑ باغ پٹنہ ۸۰۰۰۲۰
اسلامک لائبریری اینڈ ریڈنگ روم میلاری گنج بارہ بنکی (اُتر پردیش)

اسلامیہ لائبریری گنیشپورہ گنورہ ضلع مدھوبنی (بہار) ۸۴۷۴۰۸
اسلامیہ لائبریری۔ جامع مسجد سنگور کوٹہ (راجستھان) ۳۲۴۰۰۱
اسمٰعیل کالج لائبریری جوگیشوری ایسٹ بمبئی ۴۰۰۰۶۰
آسی لائبریری ڈوم پورہ سکندرپور (اترپردیش) ۲۷۷۳۰۳
اصلاحی لائبریری پکاہی اندھرا ضلع چمپارن (بہار) ۸۴۷۴۰۱
اظہار اردو لائبریری وارڈ ۱۵ محلہ چادر گلی شیگاؤں ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر) ۴۴۴۲۰۳
افغان لائبریری قلم خیالی قائم گنج، فرخ آباد (اترپردیش)
اقبال معمول لائبریری بنجوراشیہ گنجوریا بازار ضلع مغربی دیناج پور ۷۳۳۲۱۰
اقبال لائبریری اینڈ ریڈنگ روم ۸۹/۲۲۶ بانس منڈی کانپور (اترپردیش)
اقبالستان لائبریری، مبارک پور، اعظم گڑھ (اترپردیش)
اقبال لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
اقبال لائبریری نجارپورہ بہیڑی (اترپردیش)
اقبال مسلم دارالمطالعہ۔ جامع مسجد شاہ آباد، ہردوئی (اترپردیش)
اکبری جنرل لائبریری یومہ ضلع ناسک (مہاراشٹر) ۴۲۳۴۰۱
آگرہ یونیورسٹی لائبریری آگرہ
الاصلاح اردو لائبریری ڈیسنہ ضلع نالندہ (بہار) ۸۰۳۱۱۱
الاصلاح لائبریری خلیل آباد بستی (اترپردیش)
آل انڈیا ریڈیو لائبریری آکاش وانی بھون نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
الحاج محمد یحییٰ لائبریری آواپور ضلع سیتامڑھی (بہار) ۸۴۳۳۰۴
الہ آباد لائبریری ۲۴ اکبرپور الہ آباد (اترپردیش)
الہ آباد یونیورسٹی لائبریری الہ آباد
الہندی لائبریری، بدیرہ ضلع پربھنی (مہاراشٹر) ۴۳۳۷۰۱
امریکن سنٹر لائبریری ۲۴ کستوربا گاندھی مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
امین الدولہ پبلک لائبریری قیصر باغ لکھنؤ (اترپردیش)

انجمن اسلام بحیرہ حلقہ لائبریری صوفی زبیر روڈ ناگپاڑہ بمبئی ۴۰۰۰۰۸
انجمن شیدائے مصطفےٰ لائبریری آزاد نگر پیل ہگھاٹ کوپر بمبئی ۴۰۰۰۴
انجمن ترقی اردو لائبریری ڈاکٹر انصاری روڈ سکندرا پوری تھانہ
(مہاراشٹر) ۴۰۰۶۰۱
انجمن ترقی اردو ہند لائبریری دیگلور ضلع ناندیڑ (مہاراشٹر) ۴۳۱۷۱۷
انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰
(مہاراشٹر)

انجمن ترقی اردو لائبریری گنج بسودھا (مدھیہ پردیش)
انجمن ترقی اردو لائبریری قصبہ مرزا پور ڈاکخانہ کپل ضلع فتحپور (اترپردیش)
انجمن ترقی اردو لائبریری جبل پور (مدھیہ پردیش)
انجمن ترقی اردو آزاد لائبریری میاں ٹولہ کوراجہاں آباد فتحپور (اترپردیش)
انجمن ترقی اردو جگرا لائبریری محلہ مغلائی بندکی فتحپور (اترپردیش)
انجمن ترقی اردو لائبریری امولی فتحپور (اترپردیش)
انجمن ترقی اردو لائبریری گوری اور چاند پور فتحپور (اترپردیش)۔
انجمن اسلام بحیرہ لائبریری جونیر کالج آف سائنس مرود جنجیرہ ضلع رائے گڑھ (مہاراشٹر) ۴۰۲۴۰۱
انجمن سیفیہ لائبریری اتواری بازار ناگپور (مہاراشٹر) ۴۴۰۰۰۲
انجمن مشاہدی دار المطالعہ رام پور کٹرا بارہ بنکی (اترپردیش)
انجمن ترقی اردو لائبریری اردو ہال۔ حمایت نگر حیدرآباد (آندھرا) ۵۰۰۰۰۱
انجمن ترقی اردو (ہند) لائبریری اردو گھر راؤز ایونیو نئی دہلی
انجمن حامی تعلیم مسلمانان مسلم لائبریری و ریڈنگ روم اسمٰعیل نگر [illegible]
انجمن ہدایت العلوم لائبریری بیلا پور ڈاکخانہ قاضی نواب گنج۔ گونڈہ (اترپردیش)
انجمن ادب لائبریری (خواتین) کاکوری۔ ضلع لکھنؤ (اترپردیش)
انجمن اصلاح سنگت لائبریری ۱۰۲/۱۰۳ کرنل گنج کانپور (اترپردیش)
انجمن اصلاح [illegible] بہار شریف ضلع نالندہ (بہار) ۸۰۳۱۰۱
انجمن [illegible] ضلع کٹیہار (بہار) ۸۵۴۱۰۵

انجمن جونیئر کالج لائبریری گھام گاؤں (مہاراشٹر) ۴۴۴۳۰۲
انجمن خیر الاسلام لائبریری، مدن پورہ بمبئی ۴۰۰۰۰۱
انجمن فروغ اردو لائبریری موتی گنج دھولیہ (مہاراشٹر) ۴۲۴۰۰۱
انجمن عمادیہ اردو لائبریری ارمارا، بنگارہ ضلع کٹیہار (بہار) ۸۰۳۱۱۱
انجمن ملیہ پستکالیہ مسبر ڈیہہ سوہ سرائے ضلع نالندہ (بہار) ۸۰۳۱۱۸

اندور کالج لائبریری۔ اندور (مدھیہ پردیش) ۴۵۲۰۰۱

آندھرا پردیش اسٹیٹ اردو لائبریری حیدرآباد ۵۰۰۰۰۱
آندھرا پردیش اوپن یونیورسٹی لائبریری سوماجی گوڑہ حیدرآباد ۵۰۰۰۰۴
انڈیا انٹرنیشنل سنٹر لائبریری ۴ میکس میلر مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۳
انڈین کونسل آف ورلڈ افیئرز لائبریری سپرو ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز لائبریری ہمدرد نگر تغلق آباد نئی دہلی ۶۲
انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز لائبریری دلوا بھائی نوروجی روڈ بمبئی (مہاراشٹر)
انصار لائبریری منڈی کشور خان سہسرام ضلع روہتاس (بہار) ۸۲۱۱۱۵
انصار لائبریری، انصار روڈ اسلام پورہ مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)
انصاری لائبریری خیرآباد۔ اعظم گڑھ (اترپردیش)
انصاری لائبریری ناتھ نگر ضلع بھاگلپور (بہار) ۸۱۲۰۰۶
انقلاب لائبریری روپیکہ ضلع مدھوبنی (بہار) ۸۴۷۲۳۸
انوار اردو لائبریری اسلامپورہ دیوپور دھولیہ (مہاراشٹر) ۴۲۴۰۰۱
انوار اردو لائبریری پرتاپ پور، جاروہ ضلع گونڈہ (اترپردیش)
انوار الادب لائبریری نزد جامع مسجد صدر بازار اچلپور ضلع امراوتی (مہاراشٹر) ۴۴۴۸۰۶
انیس و چکبست لائبریری مغل پورہ فیض آباد (اترپردیش)
اے ٹی ٹی اردو ہائی اسکول لائبریری کسوڑہ (مہاراشٹر) ۴۲۵۱۱۰
ایس پی ایس پبلک لائبریری لال منڈی سری نگر (جموں و کشمیر) ۱۹۰۰۱۱

ایس آر ایس لائبریری کچی چھاونی جموں (جموں و کشمیر) ۱۸۰۰۰۱
ایشیاٹک سوسائٹی لائبریری پارک اسٹریٹ کلکتہ ۷۰۰۰۱۶
ایم آزاد تعلقہ پبلک لائبریری چھوٹا بازار ملکاپور ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر) ۴۴۳۱۰۱
این سی آرٹی لائبریری سری اربندو مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۶
ایوان ادب بارو راج ضلع مظفر نگر (بہار) ۸۴۳۲۰۱
ایوینگ کالج لائبریری پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ
اے کے آزاد اکیڈمی لائبریری کاب ضلع پٹنہ (بہار) ۸۰۱۱۰۴
ائیر ہیڈ کواٹرز لائبریری وایو بھون رفیع مارگ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
بدایوں پستکالیہ ہیڈی ٹیلہ بدایوں (اتر پردیش)
بدایوں لائبریری اینڈ ریڈنگ روم بیٹرن ٹولہ بدایوں (اتر پردیش)
براۃ اردو لائبریری بریاتو ضلع رانچی (بہار) ۸۳۴۰۰۹
برانچ لائبریری ناسپل باجر گھاٹ حیدر آباد (آندھرا) ۵۰۰۰۰۲
برانچ لائبریری آغاپورہ حیدر آباد (آندھرا) ۵۰۰۰۱۲
برانچ لائبریری امیرپیٹ حیدر آباد ۵۰۰۰۱۲
برانچ لائبریری دل خوش نگر حیدر آباد ۵۰۰۰۱۲
برانچ لائبریری آصف آباد عادل آباد ۵۰۴۲۹۱
برٹش لائبریری حضرت گنج لکھنؤ (اتر پردیش)
برہانی کالج لائبریری بمبئی (مہاراشٹر)
بزم ادب لائبریری اندور (مدھیہ پردیش)
بزم ادب اردو لائبریری جنک پور روڈ ضلع روہتاس (بہار)
بزم خواتین لائبریری ۳۵ ذخیرہ مدرٹیلہ بریلی (اتر پردیش)
بشیر دارالمطالعہ جیہ بلڈنگ ۴۰ کچہری روڈ لکھنؤ (اتر پردیش)
بندھیل کھنڈ یونیورسٹی لائبریری جھانسی ۲۸۴۰۰۱
بنگلور یونیورسٹی لائبریری بنگلور (کرناٹک) ۵۶۰۰۰۱
بہار اردو اکادمی لائبریری پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۱

بہار ببلیو لائبریری پٹنہ ۸۰۰۰۱۵
بھارتیہ بھون لائبریری ۱۵ سرائے امیر خان الہ آباد (اترپردیش)
بھاگلپور یونیورسٹی لائبریری بھاگلپور ۸۱۲۰۰۷
بھوپال یونیورسٹی لائبریری حبیب گنج بھوپال ۴۶۲۰۰۶
بیگم گنج لائبریری بیگم گنج (مدھیہ پردیش)
پارلیمنٹ لائبریری پارلیمنٹ ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
پبلک اردو لائبریری رندھواس مختار گنج نالندہ ۸۳۴۰۰۱
پبلک لائبریری پھول باغ کانپور (اترپردیش)
پبلک لائبریری انجمن خیال برانچ دھارنی ضلع امراؤتی (مہاراشٹر) ۴۴۴۷۰۲
پبلک لائبریری گوپال گنج اعظم گڑھ (اترپردیش)
پبلک لائبریری پہاسو بلند شہر (اترپردیش)
پبلک لائبریری جامع مسجد روڈ ٹانڈہ ضلع رامپور (اترپردیش)
پیاگر یسو راٹسرز ایسوسی ایشن لائبریری ۸۰۰۰، تالاب ٹلوجیوں توی ومحمد کشمیر
پریم پستکالیہ نگینہ بجنور (اترپردیش)
پستکالیہ نگر پالیکا ہالیوڑ ضلع غازی آباد (اترپردیش)
پلاموڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری ڈالٹن گنج ضلع پلامو بہار ۸۲۲۱۰۲
پٹنہ یونیورسٹی لائبریری پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۵
پریس انفارمیشن بیورو لائبریری شاستری بھون نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
پبلیکیشنز ڈویژن لائبریری پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
پبلک لائبریری انجمن خیال ناگپور گیٹ امراؤتی (مہاراشٹر) ۴۴۴۶۰۲
پنجاب یونیورسٹی لائبریری چنڈی گڑھ
پنجابی یونیورسٹی لائبریری پٹیالہ (پنجاب)
پوسٹ گریجویٹ ایوننگ کالج لائبریری۔ دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۱۰۰۰۷
پونم لائبریری۔ گھاٹم پورہ کانپور (اترپردیش)
پیپلز اردو لائبریری پاکڑا بلیا (اترپردیش)

تاج لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
تاج محل لائبریری خاص نگر ضلع پارشہ (مغربی بنگال) ۷۱۱۱۰۱
تعلیم و تربیت لائبریری۔ شاہ گنج، جونپور (اتر پردیش)
تعلیمی سوسائٹی لائبریری اُجین (مدھیہ پردیش)
تلک پستکالیہ اینڈ واچنالیہ ٹاؤن ہال گھنٹہ گھر میرٹھ (اتر پردیش)
تلک میموریل لائبریری، مسوری ضلع دیرہ دون (اتر پردیش)
تنویر لائبریری بھولاپور جلسوڑ فیض آباد (اتر پردیش)
ٹی ایس سنٹرل اسٹیٹ لائبریری سکٹر ۱۷ چنڈی گڑھ ۱۶۰۰۱۷
جامعہ پبلک لائبریری نیا بازار جہانگیر گنج فیض آباد (اتر پردیش)
جامعہ فروغ اُردو لائبریری محلہ میر دستی۔ سمرت گاؤں ضلع سیتا مڑھی
جامعہ ملیہ اسلامیہ لائبریری جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
جعفر لائبریری پوسٹ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش)
جگر لائبریری ۸۸/۸۹ چمن گنج کانپور (اتر پردیش)
جلسۂ تہذیب لائبریری ۱۲ گولہ گنج رفاہ عام کلب لکھنؤ (اتر پردیش)
جماعت اہل سنت والجماعت لائبریری ۱۵ سودا گر محلہ بھیونڈی
ضلع تھانہ (مہاراشٹر) ۴۲۱۳۰۱
جموں یونیورسٹی لائبریری کنال روڈ جموں توی (جموں و کشمیر) ۱۸۰۰۰۴
جمیل الرحمٰن اُردو لائبریری بالمقابل ایک مینارہ مسجد بارہ بنکی (اتر پردیش)
جنتا لائبریری چھپور (اتر پردیش)
جنتا لائبریری چھوٹی منڈی دیکر [illegible] مراد آباد (اتر پردیش)
جنرل ریڈنگ روم اینڈ لائبریری ۵-۱۳۳ ۱۱ سیتا پھل منڈی حیدر آباد (آندھرا پردیش)
جواہر لال نہرو یونیورسٹی لائبریری نیو مہرولی روڈ
نئی دہلی ۱۱۰۰۶۷
[illegible] یونیورسٹی جے پور (راجستھان) ۳۰۲۰۰۴

جے ہند ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری گریڈیہہ ۸۱۵۳۰۱
چاچا نہرو لائبریری (انجمن ادب اطفال) امین آباد لکھنؤ (اتر پردیش)
حاجی منظور حسین لائبریری اوگانواں ضلع نالندہ (بہار) ۸۰۳۱۱۱
حضرت مخدوم الملک اردو لائبریری، میرداد بہار شریف ۸۰۳۱۰۱
حسن البشیر لائبریری پوسٹ وارڈ امراوتی (مہاراشٹر) ۴۴۴۶۰۶
حکیم اقبال احمد شوق لائبریری ریلوے کراسنگ سہاے گنج فیض آباد (اتر پردیش)
حمیدیہ کالج لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
حنفیہ پبلک اردو لائبریری نارتھ روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۱۱
حیدرآباد یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد (آندھرا)
حیدری سرکولیٹنگ لائبریری ۵۵۸/۲۸-۲-۱۱ آغاپور نزد ایس پی آئی حیدرآباد (آندھرا) ۵۰۰۰۰۱
خالصہ کالج لائبریری۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
خالصہ کالج لائبریری امرتسر (پنجاب)
خدابخش لائبریری بانکی پور پٹنہ ۸۰۰۰۰۴ (بہار)
دارالادب لائبریری، پھلواریہ بازار، جامع مسجد برونی ضلع بیگوسرائے ۸۵۱۱۱۴
دارالعلوم لائبریری محلہ قاسم پورہ مئوناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ (اتر پردیش)
دارالفیض لائبریری۔ مدرسہ دارالفیض جلال پور فیض آباد (اتر پردیش)
دارالمطالعہ دستک قادری منزل بتیا ضلع چمپارن (بہار) ۸۴۵۴۰۵
دارالمطالعہ محلہ ثابت گنج اٹاوہ (اتر پردیش)
دارالمطالعہ اردو لائبریری ہاپوڑ ضلع غازی آباد (اتر پردیش)
دارالمطالعہ ارشادیہ نیشنل لائبریری سرائے خان بریلی (اتر پردیش)
دارالمطالعہ فیضان رحمت مدرسہ عربیہ جواہر العلوم قصبہ نجیب پور ضلع بہرائچ (اتر پردیش)
دارالمطالعہ نسواں مدرسہ نسواں کٹرہ شب خان اٹاوہ (اتر پردیش)
دارالمطالعہ اردو لائبریری ہاپوڑ ضلع میرٹھ (اتر پردیش)

دانش کدہ اردو لائبریری، صدر بازار، مؤ ناتھ بھنجن، اعظم گڑھ
درگاہ شاہ میموریل میونسپل لائبریری مال روڈ نینی تال (اترپردیش)
دمکا اسٹیٹ لائبریری دمکا ضلع سنتھال پرگنہ (بہار) ۸۱۴۱۰۱
دہلی یونیورسٹی لائبریری دہلی ۱۱۰۰۰۷
دہلی پبلک لائبریری، نزد ریلوے اسٹیشن دہلی ۱۱۰۰۰۶
دیال سنگھ پبلک لائبریری لودھی روڈ دہلی
دیانند کالج لائبریری روہتک (ہریانہ)
دھارواڑ یونیورسٹی لائبریری دھارواڑ (کرناٹک)
دھرم سماج کالج لائبریری علی گڑھ (اترپردیش) ۲۰۲۰۰۱
دھنباد اسٹیٹ لائبریری دھنباد (بہار) ۸۲۰۰۰۱
دہلی ایڈمنسٹریشن سنٹرل سیکریٹریٹ لائبریری اولڈ سیکریٹریٹ دہلی
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری اورنگ آباد ۸۲۴۱۰۰۱
ڈسٹرکٹ اسٹیٹ لائبریری پورنیہ (بہار) ۸۵۴۳۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری مدھوبنی (بہار) ۸۴۷۲۱۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری موتی ہاری (بہار) ۸۴۵۴۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری نوادہ (بہار) ۸۰۵۱۱۰
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری ہزاری باغ (بہار) ۸۲۵۳۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری بھٹنڈہ (پنجاب) ۱۵۱۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری سمستی پور (بہار) ۸۴۵۱۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری سہرسہ (بہار) ۸۵۲۲۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری گیا (بہار) ۸۲۳۰۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری دربھنگہ (بہار) ۸۴۰۰۰۴
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری کریم نگر (آندھرا) ۵۰۵۰۰۲
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری محبوب نگر (آندھرا) ۵۰۱۰۰۱
ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری مچھلی پٹنم (آندھرا) ۵۲۱۰۰۱

ڈسٹرکٹ سنٹرل لائبریری وقار آباد ضلع رنگا ریڈی آندھرا ۵۰۱۱۰۱
ڈاکٹر رام منوہر لوہیا پستکالیہ نگر پالیکا اکبر پور فیض آباد (اتر پردیش)
ڈاکٹر محمد عبدالجلیل فریدی لائبریری سرائے میر اعظم گڑھ (اتر پردیش)
ڈاکٹر ذاکر حسین لائبریری جامعہ ملیہ جامعہ نگر نئی دہلی
ڈاکٹر ذاکر حسین کالج لائبریری۔ اجمیری گیٹ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۶
ڈاکٹر ذاکر حسین میموریل لائبریری سول لائنز فتح گڑھ (اتر پردیش)
ڈاکٹر ذاکر حسین کالج آف انجینئرنگ اینڈ ٹکنالوجی لائبریری علی گڑھ (اتر پردیش)
ڈاکٹر راجندر پرشاد پستکالیہ وواچنالیہ راجندر نگر کانپور (اتر پردیش)
ڈاکٹر ذاکر حسین جونیئر کالج آف لکچر لائبریری پربھنی (مہاراشٹر)
ڈسٹرکٹ لائبریری فرید کوٹ (پنجاب) ۱۵۱۲۰۳
ڈسٹرکٹ لائبریری فیروز پور (پنجاب) ۱۵۲۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری گورداسپور (پنجاب) ۱۴۳۵۲۱
ڈسٹرکٹ لائبریری ہوشیار پور (پنجاب) ۱۴۶۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری بھوانی (ہریانہ) ۱۲۲۵۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری اننت ناگ (جموں وکشمیر) ۱۹۲۱۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری سونی پت (ہریانہ) ۱۳۱۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری اودھم پور (جموں وکشمیر) ۱۸۲۱۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری گوڑگاؤں (ہریانہ) ۱۲۲۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری بڈگام (جموں وکشمیر) ۱۹۱۱۱۱
ڈسٹرکٹ لائبریری نارنول (ہریانہ) ۱۲۳۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری بارہ مولہ (جموں وکشمیر) ۱۹۳۱۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری حصار (ہریانہ) ۱۲۵۲۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری پلوامہ (جموں وکشمیر) ۱۹۲۳۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری جیند (ہریانہ) ۱۲۶۱۰۲

ڈسٹرکٹ لائبریری سری نگر (جموں و کشمیر) ۱۹۰۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری کٹھوعہ (جموں و کشمیر) ۱۸۴۱۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری الور (راجستھان) ۳۰۱۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری روہتک (ہریانہ) ۱۲۴۰۰۱
ڈسٹرکٹ لائبریری بوندی (راجستھان) ۳۲۳۰۰۱
ڈاکٹر اقبال لائبریری نزد شاہی مسجد بھیونڈی (مہاراشٹر) ۴۲۱۳۰۱
ڈاکٹر ذاکر حسین ہائی اسکول لائبریری شاہ گنج اورنگ آباد (مہاراشٹر)
ڈاکٹر زرینہ ثانی لائبریری اسلام پورہ کامٹی ضلع ناگپور (مہاراشٹر) ۴۴۱۰۰۲

راجستھان اردو اکاڈمی لائبریری جے پور (راجستھان)
راجو نش پستکالیہ بہرائچ (اترپردیش)
راجہ دین بخش سنگھ کتب خانہ نگر پالیکا گونڈہ (اترپردیش)
راجستھان یونیورسٹی لائبریری جے پور (راجستھان) ۳۰۲۰۰۴
رانچی یونیورسٹی لائبریری رانچی (بہار) ۸۳۴۰۰۵
رائٹرز ایسوسی ایشن فار نیشنل یونٹی ۱۲۳۶ کلاں محل نئی دہلی ۱۱۰۰۰۶
رضا اسٹیٹ لائبریری اندرون قلعہ رام پور (اترپردیش)
رضا لائبریری کھیرا گڑھ (مدھیہ پردیش)
رضا لائبریری اینڈ ریڈنگ روم ۵/۹۶ کربلا اعظم علی خاں کرنل گنج کانپور
رفاہ عام لائبریری۔ ٹھاکردوارہ مرادآباد (اترپردیش)
روہیلکھنڈ یونیورسٹی لائبریری، سول لائنز بریلی (اترپردیش)
ریجنل ٹریننگ سنٹر سی۔ آئی۔ آئی۔ ایل لائبریری کیمپس پٹیالہ (پنجاب)
رڑکی یونیورسٹی لائبریری رڑکی
[illegible] لائبریری سندھی ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
زینت [illegible] لائبریری۔ تالاب [illegible] رام پور (اترپردیش)
[illegible] لائبریری حیدرآباد (آندھرا)

سٹی سنٹرل لائبریری اشوک نگر حیدرآباد (آندھرا)
ساہتیہ اکاڈمی لائبریری رابندرا بھون۔ ۳۵ فیروزشاہ روڈ نئی دہلی
ستیہ وتی کالج لائبریری۔ وزیرآباد دہلی
سجاد ظہیر لائبریری نقی پھاٹک جون پور (اترپردیش)
سراج العلوم اردو لائبریری سدھولی سیتاپور (اترپردیش)
سرسوتی پستکالیہ نجیب آباد بجنور (اترپردیش)
سرسید لائبریری جاورہ (مدھیہ پردیش)
سعید مسلم لائبریری خورجہ بلندشہر (اترپردیش)
سیفیہ اردو لائبریری بسوہ تلوک پور گونڈہ (اترپردیش)
سلیم بشر اردو سوسائٹی لائبریری گلی واحد بخش محلہ سوتھہ بدایوں
سنبھل پور یونیورسٹی لائبریری جیوتی وہار پوسٹ برنہ سنبھل پور (اڑیسہ) ۷۶۸۰۱۹
سنٹرل لائبریری وجے نگر بنگلور (کرناٹک) ۵۶۰۰۰۲
سلیم اردو لائبریری شکول ٹولی سیوان ۸۴۱۲۲۶
سیوان ٹائمز اردو لائبریری شیخ محلہ سیوان ۸۴۱۲۲۶
سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز لائبریری میسور ۵۷۰۰۰۶
سٹی سنٹرل لائبریری سیتاجی راؤ روڈ میسور ۵۷۰۰۰۱
سنٹرل سیکریٹریٹ لائبریری ہندی اینڈ ریجنلز یونٹ منڈی ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۰۱
سنٹرل اسٹریٹ لائبریری مال روڈ پٹیالہ (پنجاب)
سنٹرل ریفرنس لائبریری کلکتہ ۷۰۰۰۲۷
سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انڈین لنگویجز منا گنگوتری میسور ۵۷۰۰۰۶ (کرناٹک)
سنٹرل لائبریری۔ اردو اکاڈمی حیدرآباد (آندھرا)
سنہا لائبریری بہار اسٹیٹ لائبریری پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۱
سید محبوب الحسن میموریل لائبریری قاضی پورہ دیرہ دون (اترپردیش)

سیفی لائبریری اجین (مدھیہ پردیش)
سیفیہ کالج بھوپال (مدھیہ پردیش)
سینٹ اسٹیفن کالج لائبریری دہلی ١١٠٠٠٧
سینٹ زیویر کالج لائبریری بمبئی (مہاراشٹر)
سینی پبلک لائبریری چھوٹی مسجد وارڈ جیٹیا۔ پنڈھورنا ٤٨٠٣٣٤
(مدھیہ پردیش)
سارو جنک مسلم لائبریری ایچ پی او ماڈرن روڈ بھساول ضلع جلگاؤں
(مہاراشٹر) ٤٢٥٢٠١
سیرت لائبریری، صاحب گنج کرنول ضلع مظفرپور (بہار) ٨٤٢٠٠١
سنٹرل لائبریری ٹاؤن ہال بمبئی ٤٠٠٠٠١
شاہد لائبریری اینڈ ریڈنگ روم ہمایوں پور کانپور (اترپردیش)
شاہین اردو لائبریری چھوٹی کنواں پھلواری شریف پٹنہ ٨٠١٥٠٨
شاہین اردو لائبریری لودھی شہید نصیر گھاٹی ضلع گیا (بہار) ٨٢٣٢١١
شبنم لائبریری مکور ضلع اناؤ (اترپردیش)
شری سبھاش پستکالیہ سبھاش نگر بلیا (اترپردیش)
شری نہرو سمارک پبلک لائبریری روپائیڈیا بہرائچ (اترپردیش)
شری نہرو کلب اینڈ لائبریری بستی بلیا (اترپردیش)
شمع لائبریری انجمن ترقی اردو کیسر پور اجگائیں اناؤ (اترپردیش)
شمیم ادب اردو لائبریری کرہان ضلع اعظم گڑھ (اترپردیش)
شوکت ادب لائبریری اشرول رائے بریلی (اترپردیش)
شہید [illegible] آزاد سمارک پستکالیہ [illegible] ڈاکخانہ [illegible]
[illegible] (اترپردیش)
[illegible] الہ آباد (اترپردیش)
[illegible]
[illegible]

صوفیہ پبلک لائبریری کرنیل گنج گونڈہ (اتر پردیش)
صدر مسلم لائبریری صدر بازار ناگپور (مہاراشٹر) ۴۴۰۰۰۱
صفی پبلک لائبریری و دارالمطالعہ قومی گھر نندن محل روڈ لکھنؤ (اتر پردیش)
صولت پبلک لائبریری رام پور (اتر پردیش)
ضیا لائبریری بھگوان پور، نرہیا بازار ضلع سیتامڑھی (بہار) ۸۴۳۱۰۸
طٰہٰ اردو لائبریری شاہی محلہ ارول ضلع گیا (بہار) ۸۰۴۴۰۱
عادل لائبریری ٹرسٹ ۲۸۹ پچاپیٹ: شولاپور (مہاراشٹر) ۴۱۳۰۰۵
عاشق پبلک لائبریری، سنبھل ضلع مراد آباد (اتر پردیش)
عاشق لائبریری عاشق باغ۔ بہور کان پور (اتر پردیش)
عثمانیہ لائبریری بریلی (اتر پردیش)
عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدر آباد (آندھرا) ۵۰۰۰۰۷
عثمانیہ لائبریری ۳۰ مدن موہن اسٹریٹ کلکتہ ۸۰۰۰۰۷
عثمانیہ دارالمطالعہ، گاؤں و ڈاکخانہ مالدہ ضلع گونڈہ (اتر پردیش)
عزیزیہ پبلک لائبریری ہند، غازی پور (اتر پردیش)
عظیم آباد اورینٹل لائبریری پٹھان ٹولی عالم گنج پٹنہ ۸۰۰۰۰۷
علامہ اقبال پبلک لائبریری جلال پور ضلع فیض آباد (اتر پردیش)
علامہ نیاز پبلک لائبریری فتح پور (اتر پردیش)
عوامی لائبریری لکشمی نگر بیج پروا ضلع گونڈہ (اتر پردیش)
عوامی فلاحی لائبریری اسلام نگر، ڈومری بیج پروا ضلع گونڈہ (اتر پردیش)
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری علی گڑھ (اتر پردیش) ۲۰۲۰۰۱
عطاءاللہ اردو لائبریری نلوکا چک ٹن کوپہ ضلع گیا (بہار) ۸۲۳۰۰۱
علامہ اقبال لائبریری بلہا من نارتھ رسل پور ضلع سیتامڑھی بہار ۸۴۳۳۲۴
عوامی لائبریری مقابل ٹیگور نگر پوسٹ وکھرولی ایسٹ بمبئی ۴۰۰۰۸۳
عالمگیر لائبریری واجھول ضلع رتناگری (مہاراشٹر) ۴۱۵۷۰۶
عوامی اردو لائبریری بھیتی جرولی، سلطان پور (اتر پردیش)

غالب اکاڈمی لائبریری نظام الدین۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۱۳

غالب انسٹی ٹیوٹ لائبریری ایوان غالب راؤز ایوینو نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲

غالب لائبریری درگاہ غوثیہ ہال تان پارہ بہرائچ (اتر پردیش)

غالب لائبریری کاکو ضلع گیا (بہار) ۸۰۴۲۱۸

غوثیہ پبلک لائبریری بازار دیہا۔ وارانسی (اتر پردیش)

غوثیہ دار المطالعہ بازار قیہا ۔ وارانسی (اتر پردیش)

غوثیہ لائبریری ۳۰ مدن موہن اسٹریٹ کلکتہ ۷۰۰۰۰۷

غلام نبی آزاد (اُردو ہائی اسکول لائبریری کلنوری ضلع بربھنی

(مہاراشٹر) ۴۳۱۷۰۲

فوجی بکڈپو لائبریری چھوٹا دروازہ بریلی (اتر پردیش)

فاروقی دار المطالعہ مادھونگر گونڈہ (اتر پردیش)

فاطمہ اُردو لائبریری جمرموہی ضلع چمپارن ۸۴۵۱۰۳

فردوس لائبریری لال باغ۔ قائم گنج فرخ آباد (اتر پردیش)

فردوسیہ لائبریری بڑی درگاہ بہار شریف ضلع نالندہ (بہار) ۸۰۳۱۰۲

فروغ ادب اُردو لائبریری اسٹیشن روڈ اولڈ بستی بستی (اتر پردیش)

فریدی پبلک لائبریری خواجہ قطب الدین روڈ نخاس لکھنؤ (اتر پردیش)

فرینڈز لائبریری محلہ جسولی مسجد اخون زادہ بریلی (اتر پردیش)

فضل رحمانیہ اُردو لائبریری بیچ والا ضلع گونڈہ (اتر پردیش)

فہمی اُردو لائبریری پیلی کوٹھی جعفر بازار گورکھپور (اتر پردیش)

فیض اُردو لائبریری بسکوہر بازار بستی (اتر پردیش)

فیض عام اُردو لائبریری ڈومریہ گنج بستی (اتر پردیش)

فری لائبریری، مسلم سوشل ویلفیئر سنٹر بی آئی ٹی چال نمبر ۱۳

بلقیس روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۸

فلاح ملت اُردو لائبریری سلطان گنج مہندرو پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۶

فروغ ادب محمول چوک سیتامڑھی (بہار) ۸۴۳۳۰۱

فاروقیہ لائبریری "مصلق لین، مدن پورہ بمبئی ۴۰۰۰۰۸
قدوائی میونسپل پبلک لائبریری ۔ سندیلہ ضلع ہردوئی (اترپردیش)
قدوائی لائبریری لشکر باغ ۔ ناگپور (مہاراشٹر)
قرلشیہ لائبریری کٹرہ شہاب خان اٹاوہ (اترپردیش)
قسیم العلوم لائبریری مدرسہ عربیہ، بادل پور ۔ گونڈہ (اترپردیش)
قومی اردو لائبریری مدھو دیہہ بھگوان پور ۔ گونڈہ (اترپردیش)
قومی ایکتا لائبریری تعبہ مثالی بارہ بنکی (اترپردیش) ۲۲۵۰۰۱
قومی کتب خانہ رام پور وارث نگر ضلع سمستی پور (بہار) ۸۴۸۱۳۳
قومی لائبریری ۴۴ چوک ۔ الہ آباد (اترپردیش)
قومی لائبریری محلہ ممتاز گنج ۔ ٹانڈہ ۔ فیض آباد (اترپردیش)
قومی لائبریری شریف گنج ۔ مراد آباد (اترپردیش)
قیوم الدین میموریل لائبریری کاروندوی ڈاکخانہ ڈال پٹ ضلع مزاپد (اترپردیش)
کانپور یونیورسٹی لائبریری کلیان پور کانپور (اترپردیش)
کتب خانہ انجمن ترقی اردو لائبریری گوپال گنج، باقر گنج ضلع سیوان (بہار) ۸۴۱۲۳۶
کتب خانہ انجمن دار المتین جھاؤ کانپور (اترپردیش)
کتب خانہ بزم شعرائے ادب کہاؤں (اترپردیش)
کتب خانہ دار المطالعہ گاندھی نگر بستی (اترپردیش)
کتب خانہ ندوۃ الخطیب رسولی بارہ بنکی (اترپردیش)
کتب خانہ وقف رفیع میموریل مدرسہ بڑا سرائے بارہ بنکی (اترپردیش)
کتب خانہ جامعہ عربیہ مطالعۃ العلوم کان گوجا داونس (اترپردیش)
کتب خانہ سلیمانیہ خانقاہ سلیمانیہ پھلواری شریف ضلع پٹنہ (بہار) ۸۰۱۵۰۵
کتب خانہ فیض عام ہرا پور بستان بستی (اترپردیش)

کرناٹک اُردو اکاڈمی لائبریری بنگلور (کرناٹک) ۵۶۰۰۰۱
کرنل فاروقی سوسائٹی لائبریری۔ بیگن گنج کرنل فاروقی روڈ کانپور
(اُترپردیش)
کروڑی مل کالج لائبریری دہلی یونیورسٹی دہلی ۱۱۰۰۰۷
کسان پستکالیہ سیور اٹاوہ (اُترپردیش)
کلکتہ یونیورسٹی لائبریری کالج اسٹریٹ کلکتہ (مغربی بنگال) ۷۰۰۰۷۳
کوروکھیشتر یونیورسٹی لائبریری۔ کوروکھیشتر (ہریانہ)
کے اے کالج لائبریری کاس گنج ایٹہ ۲۰۷۱۲۳
کشمیر یونیورسٹی لائبریری حضرت بل سری نگر (جموں و کشمیر) ۱۹۰۰۰۶
کتب خانہ انجمن ربط اسلامی فاطمہ چک بیراہی ضلع سیتامڑھی (بہار)
۸۴۳۳۳۴
کتب خانہ عمادیہ لائبریری خانقاہ عمادیہ منگل تالاب پٹنہ سٹی (بہار)
۸۰۰۰۰۸
کتب خانہ امارت شرعیہ بہار اڑیسہ، پھلواری شریف ضلع پٹنہ بہار
۸۰۱۵۰۵
کرامت علی لائبریری منڈی کشور خان سہسرام ضلع روہتاس (بہار) [illegible]
کرناٹک یونیورسٹی لائبریری ہواے نگر (کرناٹک) ۵۶۰۰۰۱
کلکتہ میٹروپولیٹن لائبریری بی۔ ۲ درگا روڈ کلکتہ ۷۰۰۰۱۲
کتب خانہ خانقاہ نقشبندی بیلا پور ضلع اکولہ (مہاراشٹر) [illegible]
کتب خانہ محمدیہ لائبریری ۱۶ جمبکار اسٹریٹ بمبئی ۴۰۰۰۰۳
[illegible] جماعت لائبریری ۱۳۱ [illegible] اسٹریٹ بمبئی ۴۰۰۰۰۳
[illegible] پستکالیہ اور واچنالیہ [illegible] چوک [illegible]
[illegible] لائبریری لال باغ لکھنؤ (اُترپردیش)
[illegible] گر (کرناٹک) ۵۸۰۵۰۱
[illegible] شاہجہانپور (اُترپردیش)

گاندھی میموریل نیشنل کالج لائبریری انبالہ چھاؤنی (ہریانہ)
گورکھپور یونیورسٹی لائبریری گورکھپور (اُتر پردیش)
گورو نانک دیو یونیورسٹی لائبریری امرتسر (پنجاب) ۱۴۳۰۰۵
گورنمنٹ اُردو لائبریری پٹنہ ۸۰۰۰۰۴ (بہار)
گورنمنٹ ڈسٹرکٹ لائبریری جی آئی ایس کیمپس بریلی (اُتر پردیش)
گورنمنٹ ڈسٹرکٹ لائبریری جے ٹی سی کیمپس جھانسی ۲۸۴۰۰۱
گورنمنٹ ڈسٹرکٹ لائبریری مال روڈ کانپور (اُتر پردیش)
گورنمنٹ مولانا آزاد میموریل لائبریری چھوٹا قاضی پور گورکھپور (اُتر پردیش)
گوہاٹی یونیورسٹی لائبریری گوہاٹی (آسام) ۷۸۱۰۱۴
گلزاریہ کتب خانہ ہانڈی پوکھر پدم پور ضلع پورنیہ (بہار) ۸۵۵۱۰۷
گورنمنٹ سرسوتی بھون پبلک ڈویژنل لائبریری اودے پور
(راجستھان) ۳۱۳۰۰۱
لیڈی سری رام کالج لائبریری۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۴۸
لکھنؤ یونیورسٹی ٹیگور لائبریری بادشاہ باغ لکھنؤ (اُتر پردیش)
لائبریری آزاد اُردو ڈی ایڈ کالج پوسد ضلع ایوت محل (مہاراشٹر)
لائبریری بزم ادب کرامت مرگھیا ضلع کیٹھار (بہار) ۸۵۴۱۰۴
ماتا سندری کالج لائبریری۔ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
مادھو کالج لائبریری۔ اُجین (مدھیہ پردیش) ۴۵۶۰۰۱
محبوب پبلک لائبریری منصور نگر کاظمین روڈ لکھنؤ (اُتر پردیش)
محمد حسین اُردو لائبریری بسواں ضلع سیتاپور (اُتر پردیش)
محمد علی لائبریری فاتی باغ سہارنپور (اُتر پردیش)
محمد علی جوہر لائبریری چھوٹی درگاہ۔ گودپورنی ناندیڑ ۴۳۱۶۰۱
(مہاراشٹر)
محمد علی جوہر لائبریری جنوار پور رچوتھ ضلع سمستی پور ۸۰۸۱۳۴
مختار احمد قدوائی میموریل لائبریری دادرا ہاؤس۔ رسول پور ربارہ بنکی (اُتر پردیش)

مدرسۃ الاسلام، بہور تحصیل محمود آباد گوہنہ اعظم گڑھ (اتر پردیش)
مدنی دارالمطالعہ دارالعلوم حسین آباد انجمن شہید اعظم گڑھ (اتر پردیش)
مدنی لائبریری اینڈ ریڈنگ روم، رگھو ناتھ پور متو ناتھ بھنجن اعظم گڑھ
مدنی لائبریری گاؤں میگھر ضلع بستی (اتر پردیش)
مدنی لائبریری، جمیعۃ المدرسہ اسلامیہ انوار العلوم جوہا بلگاہی بہرائچ (اتر پردیش)
مدھیہ پردیش اردو اکاڈمی لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
مدینہ لائبریری مدینہ نگر ناندیڑ (مہاراشٹر) ۴۳۱۶۰۴
مزدور لائبریری محمد شہید۔ وارانسی (اتر پردیش)
مسلم پبلک لائبریری، بازار شاہی مسجد ضلع مراد آباد (اتر پردیش)
مسلم لائبریری نور اللہ روڈ الہ آباد (اتر پردیش)
مسعود میموریل لائبریری چھوٹا قاضی پور گورکھپور (اتر پردیش)
محمد علی لائبریری ناصری گنج روہتاس (بہار) ۸۲۰۲۱۰
محمڈن لائبریری والا جاہ روڈ مدراس ۶۰۰۰۰۱
مدراس یونیورسٹی لائبریری شعبہ اردو مدینہ کیمپس ترپلی کین
مدراس 600005
محمدیہ ایجوکیشن سوسائٹی لائبریری مظفر پورہ امراؤتی (مہاراشٹر) [illegible]
مولوی عبدالحق میموریل لائبریری رو میدہ گلی اورنگ آباد ۴۳۱۰۰۱
مسلم لائبریری اندور (مدھیہ پردیش)
مسلم لائبریری مولانا آزاد روڈ منماڑ ضلع ناسک (مہاراشٹر) ۴۲۳۱۰۴
مسلم لائبریری محلہ میراں، انوپ شہر، بلند شہر، (اتر پردیش)
مسلم ویلفیئر ایسوسی ایشن لائبریری۔ گنیش گنج اورئی ضلع جالون (اتر پردیش)
مظہر الحق لائبریری علی نگر پالی ضلع کٹیہار (بہار) ۸۵۴۱۰۵
[illegible] اردو لائبریری بہریا باد غازی پور (اتر پردیش)
[illegible] اردو اکاڈمی [illegible] کلکتہ ۷۰۰۰۱۶

مگدھ یونیورسٹی لائبریری بودھ گیا (بہار) ۸۲۴۲۳۴
مل لائبریری اٹوا بازار بستی (اترپردیش)
مولانا آزاد لائبریری۔ سیتاپور (اترپردیش)
مولانا آزاد لائبریری ستھرولی تلسی پور، گونڈہ (اترپردیش)
مولانا آزاد کالج لائبریری اورنگ آباد (مہاراشٹر) ۴۳۱۰۰۱
مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
مولانا ابوالکلام آزاد جنتا کتب خانہ ودارالمطالعہ سادان فرخ آباد (اترپردیش)
مولانا محمد علی جوہر لائبریری اینڈ ریڈنگ روم عنت نگر میرٹھ (اترپردیش)
مولانا محمد علی جوہر لائبریری آمری ضلع مدھوبنی (بہار) ۸۴۷۲۰۳
مولانا عبدالماجد دریاآبادی اُردو لائبریری سول لائن بارہ بنکی (اترپردیش)
مولانا حسرت موہانی میموریل اُردو لائبریری ۶۶ بیگم باغ بارہ بنکی
(اترپردیش)
مومن لائبریری قاضی پورہ ٹانڈہ، فیض آباد (اترپردیش)
مومن لائبریری شنکر نگر، بلرام پور ضلع گونڈہ
(اترپردیش)
مومن لائبریری بنگلور بھونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر)
مومن لائبریری نیگانور ضلع بھیونڈی (مہاراشٹر) ۴۲۱۳۰۱
مہاراشٹر اُردو اکاڈمی لائبریری۔ سچیوالیہ بمبئی (مہاراشٹر)
مہاتما گاندھی میموریل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نزد ایکویریم آف میرین ڈرائیو
بمبئی (مہاراشٹر)
میر انیس لائبریری گھاٹم پور۔ کانپور (اترپردیش)
میسور یونیورسٹی لائبریری میسور ۵۷۰۰۰۶ (کرناٹک)
محمد علی جوہر لائبریری انجمن بازار بیلاپور ضلع آکولہ ۴۱۳۷۱۵
میونسپل لائبریری ٹاؤن ہال بجنور
مہاراشٹر اُردو ایسوسی ایشن لائبریری [illegible]
[illegible] ۴۰۰۰۰۳

میرٹھ یونیورسٹی لائبریری میرٹھ (اترپردیش)
مومن لائبریری ۹۲ بنگال پورہ بھیونڈی ضلع تھانہ (مہاراشٹر) ۴۲۱۳۰۲
مہاتما گاندھی ریسرچ لائبریری نیتاجی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۲
مکتبہ جامعہ اصلاحیہ سلفیہ پتھر کی مسجد، مہندرو پٹنہ (بہار)
ملت اردو لائبریری موتی پور ضلع مظفرپور (بہار) ۸۴۲۰۰۱
ملت لائبریری رانی ساگر ضلع مدھوبنی (بہار) ۸۰۲۱۸۱
مولانا ابوالکلام آزاد پبلک لائبریری جھول شاہ پور جھول ضلع سہرسہ (بہار) ۸۵۲۱۲۸
مولانا ابوالکلام آزاد کتب خانہ ہری ہرپور ضلع سمستی پور (بہار) ۸۴۸۱۲۵
مولانا آزاد ایجوکیشنل لائبریری ظفرپور کلکتہ ۷۰۰۰۲۳
ملت لائبریری کمجورار ضلع پٹنہ (بہار) ۸۰۸۱۷۹
مولانا آزاد میموریل لائبریری بدھو اوستاگر لین کلکتہ ۷۰۰۰۰۹
مولانا مظہر الحق میموریل اردو لائبریری گوپال گنج (بہار) ۸۴۱۴۲۸
مبین لائبریری حسین علی خان اسٹریٹ مدراس ۶۰۰۰۰۱
محمدی لائبریری احسان الملک کا گنبذ [illegible] مدراس ۶۰۰۰۰
مہاراشٹر اردو اکاڈمی لائبریری ممبا لیہ بمبئی ۴۰۰۰۰۱
مولانا آزاد پبلک لائبریری چھوٹا بازار ملکاپور ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر)
محمدیہ پبلک لائبریری تارکھیڑ ضلع ناگپور (مہاراشٹر) ۴۱۱۴۴۳
میونسپل کارپوریشن لائبریری شملہ (ہماچل) ۱۷۱۰۰۱
موتی لال نہرو سنٹرل اسٹیٹ لائبریری ساروان سولن (ہماچل) ۱۷۳۲۱۲
میونسپل کمیٹی لائبریری فرید آباد (ہریانہ) ۱۲۱۰۰۲
مہارشی دیانند یونیورسٹی لائبریری روہتک (ہریانہ) ۱۲۴۰۰۱
مولانا محمد علی جوہر لائبریری بچھرہ ضلع جلگاؤں (مہاراشٹر) ۴۲۵۲۰۱

نیتاجی سبھاش پستکالیہ فرحت گنج رائے بریلی (اُتر پردیش)
نیشنل اُردو لائبریری بھلائی ضلع سہرسہ (بہار) ۸۵۲۲۰۱
ناگپور یونیورسٹی لائبریری۔ ناگپور (مہاراشٹر)
نامی لائبریری جمعیت طلباء جامعہ مسعودیہ نورالعلوم بہرائچ (اُتر پردیش)
نایاب اُردو لائبریری۔ پورب کھیڑا۔ سول لائنز۔ اناؤ (اُتر پردیش)
ندائے حق لائبریری جلال پور۔ فیض آباد (اُتر پردیش)
نذیریہ لائبریری پھاٹک حبش خاں دہلی
نعیم اُردو لائبریری خان پور خاص ڈاکخانہ بھگوان پور ضلع گونڈہ (اُتر پردیش)
نعیم اردو لائبریری سلطان پور منڈ ضلع ویشالی (بہار) ۸۴۴۵۰۶
نکہت لائبریری ۲۴۶ صوفی ٹولہ اولڈ سٹی بریلی (اُتر پردیش)
نکہت لائبریری بلور بستی (اُتر پردیش)
نگار لائبریری بلعم پور مظفرپور (بہار) ۸۴۲۰۰۱
نوراللغات لائبریری کاکوری، ضلع لکھنؤ (اُتر پردیش)
نیشنل لائبریری بھوپال (مدھیہ پردیش)
نیشنل لائبریری ریاسرائے سنبھل پور۔ مرادآباد (اُتر پردیش)
نیشنل لائبریری امروہہ ضلع مرادآباد (اُتر پردیش)
نیشنل لائبریری باندرہ بمبئی (مہاراشٹر) ۴۰۰۰۵۰
نیشنل لائبریری بیل وی ڈیر کلکتہ (مغربی بنگال) ۷۰۰۰۲۷
نیشنل بک ٹرسٹ لائبریری اے۔۵ گرین پارک نئی دہلی ۱۱۰۰۱۶
نیشنل اسکول آف ڈرامہ لائبریری بھاول پور ہاؤس نئی دہلی
نیشنل لائبریری آزاد پارک روڈ اولڈ سٹی اکولہ (مہاراشٹر) ۴۴۴۰۰۲
نیشنل اُردو لائبریری کالیر ضلع گیا (بہار) ۸۲۴۱۲۷
نیشنل اردو لائبریری نوکاٹولہ ہردیا کوٹھی ضلع چمپارن (بہار) ۸۴۵۴۰۵
نیشنل لائبریری جے پور

نہرو میموریل میوزیم اینڈ لائبریری تین مورتی ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱
نیو ایرپبلک لائبریری گلبرٹ ہال روڈ، اندوی بمبئی ۴۰۰۰۵۸
نیشنل اردو لائبریری قاضی پورہ جلگاؤں (مہاراشٹر) ۴۲۵۰۰۱
نشاط اردو لائبریری نزد جامع مسجد اسلام پورہ سانگلی (مہاراشٹر) ۴۱۶۴۱۹
نور صبح لائبریری مارکیٹ تال شرپور ضلع دھولیہ (مہاراشٹر) ۴۲۵۴۰۵
دارشینہ کالج پنالال ایڈووکیٹ لائبریری علی گڑھ (اتر پردیش) ۲۰۲۰۰۲
دجے پستکالیہ وواچنالیہ ۵۸ شیام نگر الہ آباد (اتر پردیش)
وحید لائبریری بیگم گنج (مدھیہ پردیش)
وکرم یونیورسٹی لائبریری۔ اُجین (مدھیہ پردیش) ۴۵۶۰۰۱
ودمن کالج لائبریری مرہٹواڑہ اورنگ آباد (مہاراشٹر)
وزارت امور خارجہ لائبریری پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی
ہمدرد لائبریری ۱۴۰/ب کرکی پنے ۴۱۱۰۰۳
ہردیال میونسپل پبلک لائبریری چاندنی چوک فوارہ دہلی ۱۱۰۰۰۶
ہارڈنگ لائبریری کوئین روڈ دہلی ۱۱۰۰۰۶
ہماچل پردیش یونیورسٹی لائبریری۔ سمرہل شملہ (ہماچل پردیش)
۱۷۱۰۰۵
ہندو کالج لائبریری مراد آباد (اتر پردیش)
یحییٰ لائبریری، یحییٰ منزل جوالاں لین پٹنہ (بہار) ۸۰۰۰۰۸
یوراج لائبریری اُجین (مدھیہ پردیش)
یونیورسٹی آف اودے پور۔ اودے پور (راجستھان)
یونیورسٹی لائبریری بھوپال۔ (مدھیہ پردیش)
یونیورسٹی آف حیدرآباد لائبریری حیدرآباد (آندھرا)
یونیورسٹی آف راجستھان۔ جے پور (راجستھان)
یوتھ لیگ لائبریری دیوروا سیتل پور ضلع چمپارن ۸۴۱۲۲۱
یونین پبلک سروس کمیشن لائبریری دھولپور ہاؤس نئی دہلی ۱۱۰۰۱۱

کتابیات

۱۹۸۶ء میں شائع کتابوں کی دستیاب تفصیلات

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
ابابیل (افسانے)	اویس احمد دوراں			روپے	
اپنے بھائی	عبدالقیوم ابدالی				
آثار کاکوری (تحقیق)	عطا کاکوی				
احساس کے پھول	ع م کوثر		۲۲۴	۱۶	اردو گھر نئی دہلی
آخری سلام	شکیلہ اختر	کراؤن	۲۱۲ -	۱۵	
اردو مختصر افسانہ (تحقیق)	نکہت ریحانہ خاں				
سیمینار عرب کلچر (تحقیق)	اشفاق احمدی	ڈیمائی			
اسلامی نام	مختار	کراؤن			مکتبہ دینیات دہلی
آشنا پرست	الیاس سیتاپوری				فصیح بکڈپو دہلی
آزادی کے ترانے	برقی	ڈیمائی			نیشنل آرکائیوز
اعتبار	حلیم اللہ حالی				
افکار پریشاں	اسلم پاروینکوی				
افکار گریزاں	حقیر آستانی				
اقبال اور غزل (تحقیق)	ساحل احمد	ڈیمائی	۲۹۶	[illegible]	اردو رائٹرس
[illegible] ہوئے لوگ (افسانے)	رام لعل	کراؤن	۳۶۰	[illegible]	[illegible]
[illegible] (ڈرامے)	[illegible]	ڈیمائی	۱۱۹	۲۰	[illegible]
[illegible]	[illegible] قمر	-	۱۲۸	۲۰	مکتبہ [illegible]
[illegible]	[illegible]				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر / تقسیم کار
انگارہ اور خواب کے درمیان (شاعری)	ندا فاضلی			۲۱	
انگنائی (شاعری)	کیف عظیم آبادی				
آوارہ لکیریں (شاعری)	جوہر صدیقی			۳۰	مصنف
اوراق گل (شاعری)	جوہر بجنوری	ڈیمائی	۱۳۲	۲۰	مصنف
ایک سو ایک گیارہ	کلاوتی سہائے اہر نگری				
ایک مٹھی دھوپ	کہکشاں پروین				
بازیافت	فرحت جہاں	"	۱۱۲	۱۵	معیہ پبلیکیشن دہلی
بازیچہ اطفال	مہر رحمانی				
بال کی کھال	صابر بہاری				
بکھرے پھول	جوہر رحمانی				مکتبہ جامعہ دہلی
بمبئی کی بزم آرائیاں (یادداشت)	رفعت سروش			۵۰	،، ،،
بندر کے پنجے	بھیم سین تیاگی				
بنگالی شعرا۔ (تعارف و ترجمہ)	نصر غزالی				
بہادر شاہ ظفر	اسلم پرویز			۵	
بہتے شعلے (شاعری)	غلام نبی ناظر	ڈیمائی	۲۰۰	۵۰	مصنف
تجمیل سین ظفر ادیب (فن و شخصیت)	یوگندر بہل تشنہ	"	۱۳۲	۵۰	غالب میموریل
بیدی نامہ	شمس الحق عثمانی			۱۵۰	مکتبہ جامعہ دہلی
پانچ جاسوس	امۃ الرحمان حسنی				
پتوں پر چھڑکاؤ (مزاحیہ مضامین)	احمد جمال پاشا				
پتھروں کا شہر	ڈاکٹر نریش	کراؤن	۲۰۲	۲۵	نشیمن پبلیکیشن دہلی
بدگو خیال	اشفاق [illegible]				
[illegible]	ناظر انصاری				
[illegible]	احمد [illegible]		۱۸۲	۲۰	

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
پردۂ سخن کا (شعری مجموعہ)	مظفر حنفی			۵۰	مکتبہ جامعہ دہلی
پشکن کے دیس میں (سفرنامہ)	جگن ناتھ آزاد			۱۵	مکتبہ جامعہ دہلی
پطرس بخاری۔ (تحقیق)	میمونہ وحید			۲۰	الیاس ٹریڈرز حیدرآباد
پھلواری (کہانیاں)	کرن شبنم			۸	تہذیب انٹرپرائز
پیامِ اقبال	محمد بدیع الزماں				
تارِ نفس	مسلم انصاری				
تاریخ روہیلکھنڈ	دور آفریدی	کراؤن	۱۵۶	۱۵	
تحقیق و تنقید	امیر اللہ شاہین	ڈیمائی		۴۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
تخلیقی تجربہ	ابوالکلام قاسمی				
تخیل نفس کے پیچ و خم	سلامت اللہ			۳۵	مکتبہ جامعہ دہلی
تذکرۃ المخدومین	نجم الحسن رضوی				
تذکرہ حضرت سید صاحب بانسوی	محمد رضا انصاری				
تذکرہ نعت گویان بریلی	لطیف حسین ادیب		۱۶۰	۲۰	اُردو گھر نئی دہلی
ترپلے (شاعری)	علیم صبا نویدی				
تصریحات و اشارات	مقبول احمد				
تعارف (مضامین)	شفیقہ قادری	کراؤن	۱۱۸	۱۲	مکتبہ شعر و حکمت
تعلیم اور رہنمائی	محمد اکرم خان			۲۵	مکتبہ جامعہ دہلی
تعلیم کے مقاصد اور وسائل	تھیوڈر برامیلڈ ہارپر اینڈ براورس [مترجم خلیل اثر]		۲۴۲	۱۸	ترقی اُردو بورڈ نئی دہلی۔
تفہیم البلاغت	وہاب اشرفی				
تلاش و تجزیہ	حامد چھپروی				
[illegible]	ظفر چکبستوی				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
تنہائی	صدیقہ بیگم		---	۲۵	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
توبہ (ناول)	شنکر سروپ بھٹناگر	کراؤن	۳۴	۴۰	سیف پبلیکیشنز دہلی
ٹوٹے ناتے (ناول)	گلزار چودھری	"	۱۴۶	۱۲	شمع بکڈپو نئی دہلی
جام و سبو (شاعری)	برندابن پرشاد طالب لکھنوی				
جدید ہندوستانی سماج معلم و تعلیم	غلام نبی مومن				
جگر مرادآبادی	جوہر نظامی				
جنبش لب (شاعری)	حق کانپوری				
جنگل کی ایک رات	ریحان احمد عباسی				
جھیل (شاعری)	شیلندر بجن	ڈیمائی	۱۸۴	۲۰	اردو سماج پبلیشرز
چراغ نیم شب (شاعری)	حنیف کیفی			۴۰	مصنف/شاعر
چند مصری ناول اور افسانے ایک تحقیقی مطالعہ	بدرالدین الحافظ				
حرف حرف آئینہ (شاعری)	مختار شمیم	"	۸۰	۱۴	مدھیہ پردیش اردو اکاڈمی
حرف حرف روشنی	حمایت علی شاعر	"		۳۵	مکتبہ جامعہ دہلی
حصار	ناظم جعفری				
حقائق و بصائر	شمس بدایونی	"	۲۲۶	۴۰	مکتبہ جامعہ دہلی
ثنائے علی گڑھ	پروفیسر محمد عبدالودود		۱۷۶	۴۰	اردو گھر دہلی
حیدرآباد میں طنز و مزاح کی نشو و نما	انیس سلطانہ				
خارزار (شاعری)	خار دہلوی		۳۰۰	۴۵	اردو گھر نئی دہلی
خواجہ عبدالستار نقشبندی	قمر انور علی				
خوشبوئیں	نسیم فاطمہ				
داغ دہلوی حیات اور کارنامہ	کامل قریشی		۳۴۸	۳۶	اردو اکادمی دہلی

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
دامن محبوب	قاضی غلام محمد ابوعمری				
دربدری (افسانے)	رتن سنگھ			۱۵	
درد کا گلاب (افسانے)	صبیحہ بیگم	ڈیمائی	۹۹	۳۰	حرا پبلیکیشنز
درد نارسا (شاعری)	میر ہاشم	"	۱۰۳	۲۵	المصنفین اورنگ آباد
درد و غم (شاعری)	غمگین قریشی				
دستک سی دردِ دل (افسانے)	رفیعہ منظور الامین	کراؤن	۱۹۶	۴۰	سیمانت پرکاشن
دکنی غزل کی نشو و نما	محمد علی اثر				
دلی والے	مرتبہ صلاح الدین		۳۲۵	۳۲	اردو اکادمی
دنیا کے بڑے مذہب	عابد الحسن آزاد		۸۵		مکتبہ جامعہ نئی دہلی
دو منٹ کی خاموشی	عاتق شاہ				
دھوپ کا آخری ٹکڑا	سید عارف				
دہلوی مرثیہ گو	علی جواد زیدی				
دیکھتے دیکھتے	سیما سوری	کراؤن	۲۰۸	[illegible]	شمع بک ڈپو نئی دہلی
رانگ نمبر (انشائیے)	شفیقہ فرحت		۹۶	۱۱	مکتبہ جامعہ دہلی
رباعیات کوکب	شاہ کوکب القادری				
رشتوں کی مہک	صلاح الدین نیر				
رقص خیال (شاعری)	محمد یعقوب عامر	ڈیمائی	۱۲۰	۲۵	القدیر پہاڑ گنج
روحانی غزلیں	اندر جیت لال	کراؤن	۱۴۴	۳۰	سلوچنا پرکاشن
روزنامچہ مسافرت	دبیر احمد				
ریڈیو ڈرامے	صابرہ حبیب				
[illegible]	حیات وارثی				
[illegible] حصہ اول	ضیا [illegible]	ڈیمائی	۲۴۸	۳۰	مکتبہ دینیات
[illegible] حصہ دوم	"	"	۲۲۲	"	"

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
رہنمائے میٹریا میڈیکا	مرزا محمد امین لکھنوی				مطبع
ریت کے محل	فضل حسنین				
زمزمہ	حیدر حسین قضا لکھنوی				
زنجیر (ناول)	اسلم اعجاز	کراؤن	۳۸۲	۵۰	ادبی دنیا دہلی
زوال کا عروج	انور عظیم			۳۶	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
ساتواں پھیرا (ناول)	واجدہ تبسم				شمع بک ڈپو نئی دہلی
سائنس کی باتیں	محمد اسلم پرویز		۱۶۰	۳۰	مصنف
سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ	گوپی چند نارنگ	ڈیمائی	۱۲۲	۳۵	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
سبز و تازہ نہالوں کے انبوہ میں	بدیع الزماں خاور	"	۱۳۶	۳۰	موڈرن " "
سرجری، عمل جراحی	ضیاء الاسلام			۱۳	
سرور قلب	ودیا سکینہ				
سعادت حسن منٹو	برج پریمی	"	۳۹۱	۶۵	مرزا پبلیکیشنز سری نگر
سلولائڈ کی دنیا، فلمیات	پریم پال اشک	کراؤن	۳۰۸	۳۵	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
سوچ	اکرام باگ				
سونے چاندی کے بت	خواجہ احمد عباس				
سیر غزل	مختار حسین مختار				
سیکس تکنیک	کیول دھیر	کراؤن		۳۰	شمع بک ڈپو دہلی
سیکس نوجوانوں کے لئے	" "	"	۲۲۴	۳۰	" " "
شاخ بشاخ	شورش صدیقی				
شاہراہ معانی	[illegible]				
شعریات اقبال	[illegible] ہاشمی		۳۵۰	۱۰۰	
شعلہ کی [illegible]	عتیق حقی				
[illegible]	[illegible]				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
شعلہ کا بن (افسانے)	شیخ سلیم			۱۰	
شفق رنگ چاندنی	بشیر فاروقی				
شمیم	شمیم جے پوری				
شمیم کرہانی حیات شخصیت شاعری	خواجہ علی انجم				
شہر وفا (شاعری)	نعیم راہی	کراؤن	۱۳۲	۲۰	سہیل پبلیکیشنز حیدرآباد
شیرازۂ حیات	انور قدوائی				
شیشہ کا لہو	شاکر جرولی				
صدیوں بعد کے لوگ	عرفان عارف				
صفی لکھنوی۔ حیات و کارنامے	مصطفےٰ فطرت				
صوفیانہ شاعری میں عشق کا تصور	سید محمد حسن				
صہبائی ایک تعارف	محمد انصار اللہ				
عبدالحلیم شرر بحیثیت ناول نگار تنقید	علی احمد فاطمی			۶۵	
عربی زبان و ادب	خالدی حامدی				
عصمت چغتائی کا سماجی شعور	عشرت آرا سلطانہ				
عکس حیات	جرار چھولسی	ڈیمائی	۹۶	۷۵	بزم ساز و ادب
علی عباس حسینی حیات اور ادبی کارنامے	تہمینہ اختر	ڈیمائی	۲۴۰	۶۵	سیمانت پرکاشن
عہد ارسطو جاہی میں علمی و ادبی خدمات	لئیق صلاح				
غالب	قاضی عبدالستار				
فارسی اور اردو ادب میں تلمیحات و اشارات	مجیب الرحمن				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
فرار (ناول)	ظفر پیامی	کراؤن	۳۳۲	۴	عبدالستار جامعہ نگر
فی الحال	یوسف ناظم			۱۸	مکتبہ جامعہ دہلی
قانون ابن سینا اور اس کے شارحین و مترجمین	سید خلیل الرحمٰن				
قطرہ قطرہ	سعید اٹاوی				
کاغذی پیرہن	رشید موسوی				
کٹا ہوا ہاتھ	شمیم حنفی				
کلیات ادویہ	ابوالغزالی شمس				
کلیم الدین احمد کے تنقیدی نظریات	آفتاب احمد				
کمان اور زخم	فضیل جعفری				
کوکن کے سپوت	انجم عباسی				
کھٹی میٹھی باتیں	حیدر بیابانی	ڈیمائی	۱۴۰	۱۵	مصنف
کیوں اور کیسے	اصغر انصاری				
گہرے کی دھول	ظہیر غازی پوری				
گرداب (ناول)	رابندر ناتھ ٹیگور	کراؤن	۳۰۵	۳۰	سیاست پرکاشن
گرد سفر	عرفان بارہ بنکوی				
گل خنداں (شاعری)	گلشن لال خنداں دہلوی	ڈیمائی	۲۵۴	۵۰	مصنف
گل ریز	شارق ایمانی				
گلدستہ (شاعری)	کوثر انصاری				
گل گشت	سہیل کاکوروی				
گل رخسار	فاطمہ حسن				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر / تقسیم کار
گل ولالہ	اخلاق حسین عارف				
گنج گہر	فاروق پیامی				
گوکھرو کے پھول	ظفر گورکھپوری				
لفظوں کا بیان	شفیع اللہ خاں				
لفظوں کی کسک	مصطفےٰ فطرت				
لہجۂ غزل	کمال لکھنوی				
لہریں (شاعری)	راجندر بہادر موج			۴۰	
لہو پکارے گا شاعری	اندر سروپ دت نادان	ڈیمائی	۱۲۸	۳۰	غالب میموریل سوسائٹی
مالک رام ایک مطالعہ	علی جواد زیدی				
مالک یوم الدین	ف۔س۔ اعجاز				
متاع آخری شب	حفیظ میرٹھی				
مثنوی ماہ پیکر	سعیدہ جعفر				
محرک (مضامین)	شاہد کلیم	ڈیمائی	۱۴۴	۳۰	خوشنما پبلیکیشنز
محمد شاہی عہد کی ایک نایاب مثنوی (تحقیق)	عبدالرؤف ع				
مختصر فرہنگ علمیات و مصطلحات	ساحر لکھنوی				
مختلف	اسلم آزاد				
مخدوم محی الدین حیات اور کارنامے	شاذ تمکنت				
مد و جزر	ثریا صولت حسین		۱۶۰	۱۵	مصنف
مستقبل کے روبرو تنقید و تحقیق	دیویندر اسر	ڈیمائی	۱۲۸	۴۰	[illegible]
مشاہدات	مظہر حسین مظہر				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
سکراہٹ ہی مسکراہٹ (مزاحیہ)	اندرجیت لال	ڈیمائی	۱۴۰	۴۰	سلوچنا پرکاشن
مسلمان حکمرانوں کی ہندی حکمرانی	محمد شفیع علوی				
ملیح آباد	سرفراز علی خاں				
منتخب افسانے ۸۶-۸۵	نند کشور وکرم	"	۱۴۴	۲۴	[illegible]
منظر منظر (شعری مجموعہ)	عامر قدوائی			۳۲	
مور کے پاؤں	کمال احمد				
مولانا ابوالکلام آزاد شخصیت اور کارنامے	مرتب خلیق انجم		۵۰۲	۱۵۱	اردو اکادمی
مولانا محمد علی جوہر کی اردو ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ	ظہیر علی صدیقی				
میرا آنچل میلا ہے	کشمیری لال ذاکر				
میری غزلیں / میرا پیام	بل بیام بلرامپوری				
میری یادیں	طالب چکوالی			۳۰	
میگھ دوت	رانا گنوری				
ناول کے پہلو	ملیحہ سمیع الزماں				اردو گھر نئی دہلی
نذر ساحر ہوشیارپوری	مرتب برہمانند جلیس		۹۶	۲۵	تشنگان ادب
نغمۂ حیات	اختر لکھنوی				
نغمۂ نو بہار (شاعری)	کانتا گرو در شبنم				
نغمۂ نور (شاعری)	جگر بستوی				
نقش قدم	پرواز اعظمی				
نقوش بہزاد	بہزاد کاظمی				

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
نوائے شوق (شاعری)	صابر ابوہری	کراؤن	۱۹۸	۴۰	انجمن ترقی اردو ہند
نور الحسن نقوی کی حیات و کارنامے	عبدالرحمٰن ظم				
نوشتے	سلمان عباسی				
وہی بات	کملیشور		۱۲۰	۲۰	سیمانت پرکاشن
ہریانوی برج کے میلہ ملہار	جاوید وششٹ				
ہم اردو کیسے پڑھائیں	معین الدین			۱۵	مکتبہ جامعہ دہلی
ہم بھارت کے لوگ	صالح محمد نائب	کراؤن	۴۰	۱۲	سلوچنا پرکاشن
ہماری...	احتشام حسین	"	۳۵۰	۴۰	سیمانت پرکاشن
ہند آریائی اور اردو	حمید الدین قادری شرفی			۵۰	مکتبہ جامعہ دہلی
ہندوستانی مسلمانوں کی قومی تحریک	شمس الرحمٰن محسنی				
ہنستی شبنم روتے پھول	عاجز مالوی				
ہو بہو	شبیر احمد				
ہینگ اور نگی زندگی	اکرم فاروقی	ڈیمائی	۱۹۲	۴۰	مصنف
یاد وطن	تابش دہلوی	کراؤن	۲۹۵	۳۰	انجمن ترقی اردو ہند
یادوں کا جشن	کنور مہندر سنگھ بیدی	ڈیمائی		۸۰	مکتبہ جامعہ دہلی
یادوں کی پرچھائیاں	رحمت امروہوی			۴۰	- - -
یہ میرا ظرف دیکھ	عطیہ پروین			۳۰	- - -

کتابیات

۱۹۸۷ء میں شائع کتابوں کی دستیاب تفصیلات

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر/تقسیم کار
آبلے زادوا	احمد ندیم قاسمی	کراؤن	۲۵۶	۲۰ روپے	ادارہ فکر جدید دہلی
ابتدائی اردو	حکیم چند نیّر	ڈیمائی	۱۲۰	۴	اتر پردیش اردو اکادمی
ابوالکلام آزاد (سوانح)	عبدالقوی دسنوی	"	۱۸۳	۲۰	ساہتیہ اکادمی نئی دہلی
آپ بیتی	احسن ازہری				
اپنی کہانی اپنی زبانی (سوانح)	عبدالمجیب سہالوی				
اپنے مرکز کی طرف (افسانے)	اوم کرشن راحت		۱۴۴	۲۵	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
احساس کا کرب (شاعری)	مہدی پرتاپ گڑھی				
احساس کی صلیب (شاعری)	یوگیندر بہل تشنہ	ڈیمائی	۱۲۸	۵۰	غالب میموریل سوسائٹی
اختر شیرانی کی جنس اور رومانی شاعری (تحقیق)	ڈاکٹر قمر جہاں	ڈیمائی	۲۴۰	۲۵	سیما پبلیکیشنز بھاگلپور
ادب اطفال (تنقیدی مقالات)	سید عبدالباری	"	۱۸۳	۲۰	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
ادویہ یونانیہ	حکیم نجم الحق نکیل				
آدھا سورج آدھا چاند (شاعری)	صابر نیازی	ڈیمائی	۱۲۸		مصنف
اردو اور مشترکہ ہندوستانی تہذیب	کامل قریشی		۳۵۹	۳۱	اردو اکادمی دہلی
اردو پر فارسی کے لسانی اثرات	عصمت جاوید				
اردو سانیٹ تعارف و انتخاب	حنیف کیفی		۱۶۶	۵۰	اردو گھر نئی دہلی
اردو سفرنامے انیسویں صدی میں	قدسیہ قریشی	ڈیمائی	۳۶۸	۸۰	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
اردو صحافت	انور علی دہلوی	"	۳۴۲	۳۶	اردو اکادمی دہلی
اردو صحافت کی تحریک	نادر علی خان			"	ایجوکیشنل بک ہاؤس

اردو غزل — کامل قریشی — ڈیمائی — ۳۵۹ — ۳۱ — اُردو اکادمی دہلی

اُردو کی تہذیبی معنویت — علی احمد خسرو — ۳۶ — ۶۰ — مکتبہ جامعہ نئی دہلی

اُردو کے تیرہ افسانے — اطہر پرویز — ۷/۵۰ — ایجوکیشنل بک ہاؤس

اُردو مثنوی شمالی ہند میں I — گیان چند — ۴۵ — انجمن ترقی اردو

اُردو ناول اور تقسیم ہند (تنقید) — عقیل احمد — ۱۴۴ — ۴۰ — موڈرن پبلشنگ

اردو ناول کی تاریخ و تنقید — علی عباس حسینی — ایجوکیشنل بک ہاؤس دہلی

اُردو ناول کی نشو و نما — سید رفیق حسین

اُردو ناول میں طنز و مزاح — شمع افروز زیدی — ۳۷۰ — ۱۰۰ — بیسویں صدی

اسلام اور عصر حاضر — مولانا وحید الدین خاں — ۲۰ — مکتبہ الرسالہ دہلی

اسلامی سماج — مترجم مشتاق الحق

اسی دیوار کے سائے میں (ڈرامے) — رفعت سروش — ڈیمائی — ۱۶۰ — ۲۵ — نورنگ کتاب گھر

اعتبار سخن — طالب محمود

آگ اور پھول — آسی سعید

آلودگی — این غیشا گری (؟) — ۹۴ — ۲/۵۰

الہامات سرمد — مشتاق شارق

امکانات — حامدی کاشمیری

امیر خسرو کا ہندوی کلام مع نسخۂ برلن ذخیرۂ اشپرنگر — گوپی چند نارنگ — ڈیمائی — ۱۹۰ — ۶۰ — ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

انتخاب اپنا اپنا (شاعری) — دھرم پال/دوارکا شسپانی(؟) — ۱۳۶ — ۵۰ — سیمانت پرکاشن دہلی

انتخاب دواوین — تنویر علوی — ۵۰ — ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

اندھیرے اُجالے — فضل نقوی — مصنف

انشائیہ کا عکس (انشائیے) — جاوید وشسٹ — ۱۳۸ — ۳۰ — مصنف

انشائیہ کی بنیاد — سلیم اختر — ڈیمائی — ۱۶۸ — ۱۰۰ — اشاعت ہند

انعکاس (مقالات) — کبیر احمد جائسی — ۱۹۶ — ۶۰

انگلیوں میں سورج (شعری مجموعہ) — زاہد ڈار — ۱۱۲ — ۳۰ — مکتبہ جامعہ نئی دہلی

اننت رام برما (سوانح)	لسونالی شاش	ڈیمائی	۱۳۶	۲۰	ساہتیہ اکادمی نئی دہلی
آوارگی	جاوید دانش				
آوارہ مسیحا	دستوئیر سکر ارشد سہسوانی		۵۷۴	۲۸	نیشنل بک ٹرسٹ
آوازِ دل	نسیم اللہ بیگ رسوا				
آواز نہ دو (ناول)	مسرور جہاں	کراؤن	۲۸۳	۳۰	الہ والیہ بکڈپو دہلی
آوازِ وطن	جلیس نحیف دہلوی			۱۰	
اوتار	دیپک قمر			۴۰	
آئین سٹائن کی کہانی	شہاب الدین دسنوی		۱۴۴	۲۰	انجمن ترقی اردو (ہند)
ایک آوارہ کی خاطر	بشریٰ رحمن		۲۸۸	۴۰	شمع بکڈپو نئی دہلی
ایک ہی رنگ لہو کا (شاعری)	شہر فتحپوری	کراؤن	۹۶	۴۵	پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز
باتیں کچھ سرطی سی	داؤد رہبر	ڈیمائی	۱۵۴	۳۶	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
بانکپن کا احساس (شاعری)	کرشن موہن	"	۱۲۸	۴۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
بچوں کے ذاکر صاحب	عبداللطیف و کش قادری			۶	مکتبہ پیام تعلیم نئی دہلی
بحر المعانی کوئی بار دو کا لغت	جاوید وششٹ	کراؤن	۴۴۴	۶۵	سلوجہ پرکاشن
بکری دو گاؤں کھا گئی	م۔ ندیم	ڈیمائی	۷۸	۷	ترقی اردو بیورو دہلی
بکھرتی یادیں	افضال احمد				
بلراج میرا بھائی (سوانح)	بھیشم ساہنی / الیاس عابدی	"	۱۷۱	۱۱/۴۰	نیشنل بک ٹرسٹ
بنجر بادل (ناول)	کشمیری لال ذاکر	"	۱۲۶	۳۳	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
بہار سخن	حافظ باقوی	کراؤن	۱۲۸	۱۵	
بہترین کہانیاں	معین اعجاز			۱۲	نیشنل بک ٹرسٹ
بہ کوئے یار سے انداز محرمانہ گذر	سرور تونسوی		۲۷۱	۱۰۰	نشانِ ہند دہلی
بے چہرہ زندگی (ناول)	ارشاد امروہوی	کراؤن	۲۸۳	۳۰	مصنف
بیسویں صدی کی عورتیں	ثریا جبیں	"	۹۳	۶	ترقی اردو بیورو
بےنام ...	عوض سعید	ڈیمائی		۳۰	

پارساؤں کا خمار	الیاس سیتاپوری	کراؤن	۳۶۰	۲۰	شمع بکڈپو نئی دہلی
پرندوں سے جانوروں تک	شاہد عظیم			۲/۵۰	مکتبہ پیام تعلیم
پریم چند کا فن	صغیر ابراہیم			۳۰	ایجوکیشنل بک ہاؤس
پرتو	شمس تونائی				
پریم چند کے اسلوب کا ارتقا	عاقل انصاری				
پگلا آم	اے ایچ پنڈیکر/مسعود حیات		۳۲	۲/۵۰	نیشنل بک ٹرسٹ
پلس جمالی تس (ناول)	آمنہ ابوالحسن	کراؤن	۳۰۰	۳۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
پنجاب ادب و ثقافت	سویندر سنگھ بیدی/اختر سہوانی		۱۶۰	۲/۲۵	نیشنل بک ٹرسٹ
پیٹ کے کیڑے (صحت)	محمد رفیق	ڈیمائی	۸۰	۷	ترقی اردو بیورو
پیش خیمہ	وقار ناصری				
پیمانۂ امروز (شاعری)	نعیم صدیقی			۲۰	حسامی بکڈپو حیدرآباد
پیمائش و نقشہ کشی	محمد انعام اللہ	"	۲۶۲	۲۰	ترقی اردو بیورو
پھول کے آنسو (منی افسانے)	عظیم راہی		۱۱۲	۲۰	مصنف
تاریخ آصفی	مرزا ابو طالب اصفہانی/ثروت علی	"	۱۸۹	۱۰	ترقی اردو بیورو
تاریخ اور سماجیات	عائشہ بیگم	"		۱۶/۵۰	" " "
تاریخ قلعۂ تنبیہ	امجد علی خان	"	۱۴۰	۲۲	عربک اینڈ پرشین ریسرچ
تاریخ ہند کا المیہ	محمد ضیاء الحق خان				
تحقیقات و تاثرات	اکبر صادق	ڈیمائی	۱۴۲	۳۵	مکتبہ آموزگار جلگاؤں
تحقیقی مضامین	مالک رام	"		۶۰	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
تذکرہ (ناول)	انتظار حسین	"		۳۵	" " "
تذکرہ شعرائے اتر پردیش جلد ۲	عرفان عباسی			۴۰	
تذکرہ شعرائے غیر مسلم بدایوں	شاداب ذکی	ڈیمائی	۱۴۲	۳۰	مصنف
ترقی پسند ادب پچاس سالہ سفر	قمر رئیس	"	۶۱۲	۱۲۵	نیا سفر پبلیکیشنز
ترقی پسند افسانے میں عورت کا تصور	خورشید جہاں عابدی				
ترقی پسند تحریک کی نصف صدی	علی سردار جعفری			۴۰	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

نام کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر
تزکیہ	سلیم شہزاد				
تشریح البیان ہیکل ہلی	علاؤالدین خان				
تصویر کا دوسرا رخ (مزاح)	دلیپ سنگھ	کراؤن	۲۲۴	۲۵	ابوالیہ بکڈپو دہلی
تعلیم و تربیت اور والدین	محمد اکرام خان	ڈیمائی	۱۸۸	۱۰.۵۰	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
تعین و تقدیر (تنقید)	حمید الخاتون	"	۱۸۶	۵۰	ادارہ فکر جدید
تقویم (شاعری)	صدر انصاری			۴۰	
تلاش و تعارف	حنیف نقوی	"	۲۸۰	۴۰	نصرت پبلشرز
تلاش (افسانے)	مشتاق احمد نوری	ڈیمائی	۱۴۴	۳۰	انشا پبلیکیشن کلکتہ
تنقیدی ابعاد (تنقید)	مظفر حنفی	"	۳۴۲	۷۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
جانور سے انسان تک	اندر جیت لال	"	۱۳۱	۴۰	سلوچنا پرکاشن نئی دہلی
جائزے	محمد حسن	ڈیمائی	۱۵۱	۳۰	بک امپوریم پٹنہ
جبر مختار (شاعری)	افق سبزواری بدایونی	"	۲۳۲	۳۰	مصنف
جدید اردو ڈرامہ (تنقید)	ظہور الدین	"	۳۹۵	۱۵۰	ادارہ فکر جدید دہلی
جدیدیت کی سیر (مضامین)	ضیاء اللہ انصاری	"	۲۰۵	۴۰	کتاب دان لکھنؤ
جذبات کامل (شاعری)	کامل عظیم آبادی مرتب ابوطیب	"	۲۳۰	۵۰	مرتب
جنگ اور محبت کے درمیان	انیس انصاری				
جنگل کا ہنس مصنف شوبت پدما	مترجم شمس الحق عثمانی		۱۲۴	۱۷.۵۰	نیشنل بک ٹرسٹ
جنگل کی امانت	وکیل نجیب				
جگندر پال کے منتخب افسانے	نریندر ناتھ سوز	ڈیمائی	۱۴۹	۴۰	سیمانت پرکاشن
جوہر نامہ	محمد عرفان الحسینی	"	۲۲۴	۳۰	[illegible]
جی ہاں ہٹے ہیں (طنز و مزاح)	شوکت تھانوی	کراؤن	۲۲۴	۲۵	ابوالیہ بکڈپو دہلی
چاندنی کے پھول	مومن خان شوق	کراؤن	۱۲۸	۱۲	
چراغ رہگزر	شمیم صابری				
[illegible]	[illegible]	ڈیمائی	۱۵۲	۵	[illegible]
[illegible]	[illegible]	ڈیمائی	۴۰	۵	"

چوتھا کا شاد (ڈرامہ)	اسلم واحدی	ڈیمائی	۱۰۷		ادارہ تحریر دہلی
حرف حرف نظر	وقار خلیل	"	۳۶	۵	ترقی اردو بیورو
حسنِ حسن	چرخ چنیوٹی				
حیات جامی	اسلم جیراجپوری			۲	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
حیات محروم	جگن ناتھ آزاد			۴۰	انجمن ترقی اردو
خزاؤں سے دور (ناول)	مسرور جہاں	کراؤن	۲۲۴	۲۵	ابلوالیہ بکڈپو دہلی
خسرو نامہ (تحقیق)	مجیب رضوی	ڈیمائی	۱۲۴	۲۰	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
خلفائے راشدین	علی اصغر چودھری	کراؤن	۲۵۶	۱۶	مکتبۃ الحسنات دہلی
خاتون اسلام	مولانا وحید الدین خاں			۴۰	مکتبۃ الرسالہ دہلی
خواجہ حسن نظامی حیات اور کارنامے	خواجہ حسن ثانی نظامی		۲۰۸	۲۹	اردو اکادمی دہلی
خوشبو	بنت کمار نگم بنت				
موہن کی کہانی	ریکھا ستیش اگروال / اظہار عثمانی		۶۴	۵/۰۰	نیشنل بک ٹرسٹ
خیالوں کا سفر	عاصم گونڈوی				
دارالترجمہ عثمانیہ کی خدمات	مجیب الاسلام	کراؤن	۳۲۰	۸۰	مصنف
داستانِ ہزارہ (ناول)	چرنجیت سہگل	ڈیمائی	۹۶	۲۵	سیمانت پرکاشن
دامانِ کہکشاں	نظر سندیلوی				
دائروں میں پھیلی لکیر (شعری مجموعہ)	کشور ناہید	"	۱۲۸	۳۰	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
دردانہ (ناول)	نادرہ خاتون	کراؤن	۳۱۲	۲۸	
درد کا رشتہ	نریش	کراؤن	۱۴۴	۳۵	موڈرن پبلشنگ
دستِ شفا	مرزا انور بیگ				
دشتِ بے تمنا	قیصر الجعفری				
دشتِ معانی (شاعری)	عبد المتین نیاز		۱۱۲	۲۰	اردو گھر نئی دہلی
دل دریا تن صحرا (ناول)	رفعت سراج	کراؤن	۳۲۷	۳۰	ناز کتاب گھر دہلی
دلکش نظمیں	ابرار کرتپوری	ڈیمائی	۸۱	۷	ترقی اردو بیورو
دوستی کا جشن	محسن خان	۳۰×۳۰/۸		۳۵	اتر پردیش اردو اکادمی

کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر
دھوپ چھاؤں	ایم ایم ہدی، خلیل الرحمٰن اعظمی	ڈیمائی	۹۶	۱۷	ترقی اردو بیورو
دلی کی تہذیب	انتظار مرزا		۸۳	۱۸	اردو اکادمی دہلی
دنیا کی حکومتیں	ہاشم قدوائی			۴۰	ایجوکیشنل بک ہاؤس
دہلی کے اسکولوں میں اردو نصابی کتب کے مسائل۔	صدیق الرحمٰن قدوائی		۱۸۶	۲۲	اردو اکادمی دہلی
دیوداس (ناول)	شرت چندر چٹرجی	کراؤن	۱۹۱	۴۰۰۸	سیمانت پرکاشن
ڈائرکٹری اردو ناشرین و تاجران کتب۔	انور علی دہلوی	ڈیمائی	۴۸۰	۵۰	اردو اکادمی دہلی
ڈھلتا سورج (افسانے)	شیخ اسماعیل	ڈیمائی	۹۶	۲۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
ذرّے کی کہانی	مہدی جعفر	"	۱۳۶	۲۱	مکتبہ جامعہ نئی دہلی
ذکر و زبان	دور آفریدی			۱۲	اردو گھر نئی دہلی
ذوق اور محمد حسین آزاد۔	عابد پشاوری	"	۳۲۲	۱۲۵	ادارہ فکر جدید
راجہ گدھ (ناول)	بانو قدسیہ	کراؤن	۵۶۰	۴۵	شانِ ہند
رازِ حیات	مولانا وحید الدین خاں			۳۰	مکتبہ الرسالہ دہلی
راہوں میں (ناول)	مسرور جہاں	"	۲۷۲	۳۰	ابوالیہ بکڈپو دہلی
رباعی	سید وحید اشرف	ڈیمائی	۱۴۴	۳۳	بشیرواری پبلیکیشنز حیدرآباد
روح کے بندھن (ناول)	زلیخا حسین	کراؤن	۲۰۰	۲۵	ابوالیہ بکڈپو
روشنی	وجاہت علی سندیلوی				
رہنمائے صنعت	عبدالعلیم قدوائی				
ریت کی دیواریں (ناول)	رفعت سروش	"	۱۰۸	۲۱	مکتبہ جامعہ
زبانِ غزل	اخترانصاری				
زندگی موت زندگی	مشتاق نقوی				
ساتِ سمندر کا شاعر۔	ساحر شیوی	ڈیمائی	۱۴۴	۳۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
سائنس کی باتیں	محمد اسلم پرویز		۱۶۰	۳۰	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس
ساحل سمندر [illegible]	[illegible]	"	۱۲۸	۲۰	مکتبہ [illegible] پبلشنگ ہاؤس

سحر رنگ — سید احمد سحر

سحرِ فن — سحر بریلی

سرائے میں شام (شاعری) — نشتر خانقاہی — ۱۳۶ — ۳۰ روپے — نصرت پبلشرز لکھنؤ

شرخ گلاب — بشیشر پردیپ — $\frac{30 \times 20}{8}$ — ۳۲ — ۴ — اتر پردیش اردو اکادمی

سرسید اقبال اور علی گڑھ — اصغر عباس

سرسید کے سیاسی افکار — فوق کریمی

سروجنی نائیڈو (سوانح) — پدمنی سین گپتا — ڈسائی — ۱۹۳ — ۳ — ساہتیہ اکادمی دہلی

سرورِ تشنگی — نگار بارہ بنکوی

سری کرشنا (سوانح) — منوج داس — 〃 — ۱۲۴ — ۵ — 〃 — 〃 — 〃

سنگِ احساس — ناظر صدیقی

سوچے وہ بھی آدمی — مجتبیٰ حسین

سید حامد نگار خانہ رقص کی ترجمہ — شہریار — 〃 — ۲۵ — ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

روشنی میں

شام کا بھولا — مرتضیٰ ساحل تسلیمی — ۲/۵۰ — الحسنات

شب آہنگ — مہتاب حیدر نقوی

شبِ درد — علی باقر زیدی

شبلی معاندانہ تنقید کی روشنی میں — شہاب الدین دسنوی — ۲۵ — انجمن ترقی اردو (ہند)

شعلۂ خس پوش — محمد یعقوب عامر — ڈیمائی — ۱۵۲ — ۲۰ — ابو القدیر بی بی [illegible] بہادر گنج

شکوہ جوابِ شکوہ (تشریح و تجزیہ) — عابد علی خان — کراؤن — ۱۱۲ — ۱۳ — ابوالیہ بکڈپو دہلی

شمس المعارف الکبریٰ (عملیات و تعویزات) — شیخ ابوالعباس بونی / اقبال الدین احمد (ترجمہ) — $\frac{20 \times 30}{8}$ — ۴۵۰ — ۷۵ — دانش پبلشنگ ہاؤس

شوخیٔ تحریر — سید محمد جعفری — ۲۰۰ — ۴۰ — ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

شعلۂ شوق (شاعری) — شوق گونڈوی

شعلوں کے باداں — سلطان احمد نادم

شکستِ انقلاب — جمال صدیقی

کتاب	مصنف	سائز	صفحات	قیمت	ناشر
شہر میں ایک تحریر (شاعری)	بلراج کومل		۱۲۸	۴۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
شہر وفا (شعری مجموعہ)	نعیم راہی	کراؤن	۱۴۲		سہیل پبلیکیشنز حیدرآباد
شب (ناول)	سلمیٰ اعوان	کراؤن	۳۱۲	۳۰	ناز کتاب گھر دہلی
صحابہ کرام	علی اصغر چودھری	"	۱۴۴	۱۰	مکتبۃ الحسنات دہلی
صحافت	ایم چلاپتی راؤ / راشد سہسوانی (ع)	ڈیمائی	۱۴۲	۳۰	نیشنل بک ٹرسٹ
صحرا کی دھوپ (شاعری)	ساحر شیوی	"	۱۳۶	۴۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
صفات زریں	صائم سیدن پوری				
صلیب کا درد (شاعری)	ڈی اے پیرسن / قربان (ع)	"	۲۱۶	۲۰	مصنف
عالم میں انتخاب	مہیشور دیال		۵۲۱	۵۳	اردو اکادمی دہلی
عبداللہ بن مقفع (فن اور شخصیت)	رفیق احمد خان				زلال پبلیکیشنز دہلی
عجائب القصص	ارتضیٰ کریم		۱۳۲	۳۰	مصنف
عذرا (ناول)	صالحہ عابد حسین	کراؤن	۴۸۸	۵۰	موڈرن پبلشنگ ہاؤس
عرب دیشوں کی عوامی کہانیاں	انور خان			۶/۵۰	مکتبہ پیام تعلیم
عرض جوہر	اشتیاق حکیم صدیقی		۲۲۴	۳۰	اردو گھر نئی دہلی
عزمی دہلوی کی حیات و کارنامے	خالد اشرف	ڈیمائی	۲۲۴	۵	اردو مجلس دہلی ۳۳
عکس زار	علی احمد دانش				
علی ظہیر، حیات اور شاعری	محمد سیادت نقوی				
علوم و فنون عہد عباسی	محمد رضوان علوی				
عورت	ذکی کاکوروی				
غبار (شاعری)	سوز نشاطی	ڈیمائی	۱۵۲	۲۵	مصنف
غبار ناتواں (شاعری)	مظفر شکوہ	"	۲۰۰	۳۰	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس

فرزہ بہ فرزہ — آر۔ پی۔ شوخ — ۳۵ مصنف

فراق ہنر — اختر اورآبادی

فراق کی شاعری میں المیہ عناصر — کوثر فاطمہ

فراق گورکھپوری یادوں کے جھروکوں سے — مطلب انصاری

فرمودات (شاعری) — حمید الماس — ڈیمائی — ۱۴۴ — ۵۰ — موڈرن پبلشنگ ہاؤس

فکر متین (شاعری) — متین نیازی — " — ۲۲۴ — ۴۰ — مصنف

فلسفہ جمال اور اردو شاعری — نور الحسن نقوی

فن اور فن کار (تنقیدی مضامین) — سید احمد قادری — ڈیمائی — ۱۹۸ — ۳۵ — مکتبہ غوثیہ گیا

فیض احمد فیض — شاہد ماہلی — " — ۴۲۶ — ۷۵ — معیار پبلیکیشنز

قدم قدم دوزخ (افسانے) — محمد بشیر مالیر کوٹلوی — " — ۱۲۸ — ۳۵ — موڈرن پبلشنگ ہاؤس

قطبیہ بن مسلم — اسلم راہی — ۵۰ — عاکف بک ڈپو دہلی

قندیل (شعری مجموعہ) — رضا امروہوی — کراؤن — ۱۴۴ — ۳۰ — دلنواز پبلیکیشنز دہلی

کاغذی حکم (شاعری) — علیم جہانگیر — ڈیمائی — ۹۶ — ۲۰ — مصنف

کسک (افسانے) — مسعود عالم ملک — " — ۱۴۸ — ۲۰ — بک ایمپوریم پٹنہ

کسک — حسن نجمی سکندرپوری

کفر تمنا (مجموعہ غزلیات) — مغیث الدین فریدی — " — ۱۲۸ — ۳۰

کلیات مخمور (شاعری) — مرتبہ بہ مخمور — " — ۲۲۴ — ۴۰ — مرتب

کلیات نبض و بول و براز (طب) — حکیم حافظ سید حبیب الرحمٰن — " — ۱۱۴ — ۲/۵۰ — ترقی اردو بیورو

۳/۵۰

کوکب — مسعود انور علوی

کولمبس کے دیش میں (سفرنامہ) — جگن ناتھ آزاد — " — ۱۴۴ — ۴/۵۰ — مکتبہ جامعہ نئی دہلی

کھلتی کلیاں — محمد اظہر مسعود خان — [illegible] — ۲۹ — [illegible] — اترپردیش اردو اکادمی

کہانی بہار کے اخباروں کی — چنچل سرکار، عابد کربلائی — ۴۴ — ۲/۵۰ — نیشنل بک ٹرسٹ

مہا بھنگڑے (شاعری)	مہر لال	ڈیمائی	۳۰۰	۸۰	دانش محل
مہکتی کلیاں	مہدی جعفری			۲۱	مکتبہ پیام تعلیم
میرا فرمایا ہوا	ادارہ	"		۳۰	ایجوکیشنل بک ہاؤس
میرا لکھوایا ہوا ہاتھ	سلطان سبحانی				
میری بیوی	فکر تونسوی	کراؤن	۲۶۴	۳۰	ابوالیہ بکڈپو دہلی
میرے افسانے میری کہانیاں	جیالال بتا رفیق				
میں	فکر تونسوی		۲۲۴	۲۵	"
ناریل کے درختوں کی پرچھائیاں	جاوید اکرام فاروقی				
نتھ کی عزت	واجدہ تبسم	"	۱۶۴	۳۰	شمع بکڈپو دہلی
ندی کے پار کا منظر	حیات لکھنوی				
نذر اعجاز (شاعری)	شکیل آنولوی	ڈیمائی	۲۰۸	۳۰	مرتب
نجات (ناول)	شانتی ناتھ دیسائی، مترجم عزیز اندوری	"	۲۳۰	۱۲/۷۵	نیشنل بک ٹرسٹ
نرم ٹہنی	مرتضیٰ ساحل تسلیمی			۲/۵۰	الحسنات دہلی
نزہۃ الانس	مولانا عبید الرحمن، شمس بریلوی	۸×۱۰	۹۵۰	۱۲۵	دانش پبلشنگ کمپ
نقلی سورما	مرتضیٰ ساحل تسلیمی			۳/۵۰	الحسنات دہلی
[illegible]	بالا کرشن گوپال مغموم				
[illegible]	محمد مولانا حنیف ملی				
[illegible]	قادر صدیقی				
[illegible]	ساجد سبحی لکھنوی				
[illegible]	شگفتہ مروج				
[illegible]	نیر قریشی گنگوہی	ڈیمائی	۱۲۶		[illegible]

سوانحی

احمد ندیم قاسمی

نام: احمد شاہ

پیدائش: ۲۰ر نومبر ۱۹۱۶ء انگہ۔ ضلع شاہ پور (پاکستان)

تعلیم: بی اے (۱۹۳۵ء)

بی اے کرنے کے بعد سیول سپلائی میں ملازمت، بعدازاں تہذیب نسواں، پھول اور ادب لطیف کے مدیر رہے۔ آج کل 'فنون' لاہور کے مدیر ہیں۔

افسانوی مجموعے:۔ چوپال، طلوع و غروب، بگولے، آنچل، آبلے، آس پاس، در و دیوار، بازارِ حیات، برگِ حنا، سناٹا، گھر سے گھر تک، کپاس کا پھول۔

شعری مجموعے:۔ جلال و جمال، رم جھم، محیط، دوام، شعلۂ گل، دشتِ وفا۔

پتہ:۔ ۴۰ انارکلی لاہور (پاکستان)

اختر الایمان

پیدائش:۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء قلعہ پتھر گڑھ نجیب آباد ضلع بجنور (یوپی)

تعلیم: ایم اے

میرٹھ میں ایشیائی ادارے کے سلسلے میں مقیم رہے۔ محکمہ سول سپلائز اور آل انڈیا ریڈیو میں بھی ملازمت کی۔ ۱۹۴۲ء میں شالیمار پکچرز سے وابستہ ہوئے۔ تب سے فلمی دنیا سے وابستہ ہیں۔ شعری مجموعہ 'یادیں' پر ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ ملا۔

مطبوعات: بنتِ لمحات، [illegible] تاریک سیارہ، بنتِ لمحات، [illegible] اِک لڑکا، آب جو [illegible]

پتہ: [illegible]

انسدہند) کے جنرل سکریٹری - انسدد سے متعلق کئی کیٹیوں کے رکن رہ چکے ہیں۔ آج کل کشمیر یونیورسٹی سے وابستہ ہیں۔
مطبوعات: سلسبیل ۱۹۳۵ء (شاعری) تنقیدی اشارے ۱۹۴۲ء نے اور پرانے چراغ ۱۹۴۶ء تنقید کیا ہے ۱۹۴۷ء ادب اور نظریہ ۱۹۵۴ء ذوق جنون ۱۹۵۵ء مسرت سے بصیرت تک، نظر اور نظریے۔
پتہ: معدد پور - علی گڑھ (یوپی)

امیر قزلباش

نام: امیر آغا

پیدائش: ۲۵ دسمبر ۱۹۴۳ء

مطبوعات: "شکایتیں میری" "بازگشت نگار" "ریزہ" (شعری مجموعے)
پتہ: اے-۱۱ نظام الدین ویسٹ نئی دہلی ۱۳

اندرجیت لال

نام: اندرجیت
پیدائش: ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۶ء [illegible]
ضلع راولپنڈی (پاکستان)
تعلیم: ایم اے (انگریزی) [illegible]
[illegible] ملازم، اسسٹنٹ [illegible]

مطبوعات: نیا ہندوستان، [illegible] ہندوستان، آج کی سائنس، [illegible] کہانی سوامی رام تیرتھ کی، کہانی [illegible] کا بادشاہ گبن، الجبرا کی کہانی [illegible] ہمارے بچے، ہمارے [illegible]

ڈسے کچھ تارے (غالب انعام) میری
حدیثِ عمرِ گریزاں (ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ
۱۹۶۹ء) مضامین نہرو - یادِ چکبست -
جادۂ فا (شعری مجموعہ)
پتہ: بی - آر - مہتہ لین - نئی دہلی - ۱

باقر مہدی

پیدائش: ۱۱ر فروری ۱۹۲۷ء رودولی -

تعلیم:- ایم۔اے (اقتصادیات)

پیشہ: فری لانسر
مطبوعات: شہرِ آرزو ۵۸ - کالے کاغذ
کی نظمیں ۶۷ - ٹوٹے شیشے کی آخری
نظمیں ۲، (شعری مجموعے) آگہی و بیباکی
۶۵ تنقیدی کشمکش ۶۷ء (تنقید)
پتہ: ۸-۱۰ اسوتی شاولین مشرگاتاں بمبئی ۱۰

باوا کرشن گوپال مغموم

نام: کرشن گوپال۔ تخلص مغموم
پیدائش: ۱۸ر دسمبر ۱۹۱۶ء وھیل ضلع اٹک
(پاکستان)

تعلیم: بی اے (دیال سنگھ
کالج - لاہور ۱۹۳۸ء)
مطبوعات: آرزوؤں کے خواب
پیاری وطن، بزمِ ماتم، آرزوؤں
کے جزیرے، نقوشِ حسن، رباعیات
مغموم، درگاہ ہائے سرور جہان آبادی-

پتہ:- ۸ کلفٹن روڈ فیرفیلڈ این
جے ۶ (یو - ایس - اے)

بشیر بدر

پیدائش: ۱۵ر فروری ۱۹۳۵ء کانپور۔
تعلیم: ایم اے پی ایچ ڈی
پیشہ: درس و تدریس۔

مطبوعات: اکائی، امیج، آزادی کے
بعد غزل کا تنقیدی مطالعہ

پتہ: ۲۰۰ شاستری [illegible]

۱۹۷۶ (...)

پتہ: ۱۴۷/۲۲/۱۶ معظم پورہ حیدرآباد

حامدی کاشمیری

پیدائش: ۲۹ر جنوری ۱۹۳۲ء بمقام کرال سری نگر (جموں کشمیر)

تعلیم: ایم اے انگریزی (۱۹۵۳ء) ایم اے اُردو (۱۹۵۷ء) پی ایچ ڈی (۱۹۶۶ء)

۱۹۵۴ء میں سری پرتاپ کالج سری نگر میں انگریزی کے لیکچرار مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۰ء میں ریاستی اکاڈمی آف کلچر اینڈ لینگویجز میں اسسٹنٹ سکریٹری ۱۹۶۱ء میں شعبۂ اُردو کشمیر یونیورسٹی میں لیکچرر اور ۱۹۷۳ء میں ریڈر۔

مطبوعات: عروسِ تمنا، لاحرف نایافت (شعری مجموعے) وادی کے پھول، سراب برف میں آگ (افسانوں کے مجموعے) بہاروں میں شعلے، پگھلتے خواب، بلندیوں کے خواب (ناول) جدید اُردو نظم اور یورپی اثرات، غالب کے تخلیقی سرچشمے، نئی حسیت اور عصری اُردو شاعری (تنقید و تحقیق)

پتہ: ۳۹۶ جواہر نگر سری نگر

حسن نعیم

نام: شاہ سید حسن۔

پیدائش: ۶ر جنوری ۱۹۲۷ء پٹنہ

تعلیم: بی ایس سی (۱۹۴۸ء) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

۱۹۴۹ء میں محمڈن اینگلو عربک اسکول پٹنہ اور ۱۹۵۲ء میں کلکتہ کے اسکول

میں بمبئی سے ۱۹۵۳ء میں ڈاکٹر سید محمود کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ سید محمود کے وزارت خارجہ میں وزیر بننے پر ان کے پرسنل سکریٹری، امریکہ میں ہندوستانی سفارت خانے میں اعلیٰ عہدے پر فائز رہے۔ یکم ستمبر ۱۹۷۰ کو ملازمت ترک کی یکم جولائی ۱۹۷۳ تک ایوان غالب نئی دہلی میں ڈائرکٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ آج کل فری لانسر ہیں۔

مطبوعات: اشعار ۱۹۷۱ (شعری مجموعہ)
غزل نامہ (ہندی ترجمہ)

پتہ: شالیمار ۳۹-C تیسری منزل فرنگ نگر ملاڈ پائپ روڈ۔ بمبئی ۴۰۰۰۶۵

حکیم منظور

نام: محمد منظور
پیدائش: ۱۷ جنوری ۱۹۳۷ء سری نگر
تعلیم: ایف۔ ایس۔ سی
شغل: ایڈیشنل سکریٹری محکمہ زراعت

مطبوعات: [illegible] ۱۹۹۱ء [illegible]
(۱۹۸۷) شعری مجموعے
پتہ: [illegible] حکیم منزل [illegible] صاحب
[illegible] سری نگر [illegible]

حمایت علی شاعر

پیدائش: ۱۹۳۰ء اورنگ آباد (دکن)
تعلیم: ایم اے (اردو) ادبیات سندھ یونیورسٹی (۱۹۶۴ء)
تحقیق: پاکستان میں اردو ڈرامہ [illegible] ۱۹۴۷ء میں دکن ریڈیو سے بحیثیت اناؤنسر اور نیوز ریڈر وابستہ۔ ۱۹۵۱ء میں پاکستان ہجرت اور ۱۹۶۳ء تک کراچی اور حیدرآباد سندھ ریڈیو سے منسلک سندھ یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ سطح پر اردو صحافت پڑھانے پر بحیثیت اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر۔ ۱۹۸۹ء میں ملازمت سے سبکدوش۔ ۱۹۶۲ء میں فلم آنچل کے گیت لکھے اور نگار ایوارڈ ملا۔ ۱۹۶۵ء میں فلم تصویر کا سینریو اور مکالمے لکھے اور ۱۹۶۶ء فلم لوری بنائی اور ۱۹۷۳ء میں فلم گڑیا ڈائریکٹ کی۔ دو دامن اور کنیز کے گانوں پر نگار اور مصور ایوارڈ۔

(ڈاکٹر [illegible]) دہلی یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو رہے ہیں۔

مطبوعات: مرزا شوق ۱۹۵۰ء کلاسیکی ادب ۱۹۵۳ء میر تقی میر حیات اور شاعری ۱۹۵۴ء (ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ ملا ۵۷) مکتوبات اردو کا ادبی و تاریخی ارتقا، ذوق و جستجو، تحریک آزادی اور اردو ادب، خدنگ نظر کی کتاب ۶۶، یادِ یارِ مہرباں ۵۷، اردو میں دہلی ادب، تذکرہ سرور، دہلی میں اُردو اخبار، مرزا شوق ۵۰، میر تقی میر ۵۳۔

پتہ: دہلی یونیورسٹی کیوری لین دہلی ۷

دور آفریدی

نام: نفیس علی خاں
پیدائش: ۱۱ر جولائی ۱۹۳۰ء رام پور (یوپی)
مطبوعات: شخصیتیں (اسکیچ) ویرانیاں (شعری مجموعہ) نذرِ وطن (قومی نظموں غزلوں کا انتخاب) ادبی اقدار (تحقیق و تنقید) نہرو نامہ۔
پتہ: گھیر عثمان خاں، رام پور (یوپی)

دیویندر اسر

نام: دیویندر ناتھ
پیدائش: [illegible] اگست ۱۹۲۸ء کیمبل پور (حال اٹک، پاکستان)
تعلیم: ایم اے معاشیات، ایم [illegible]
[illegible]

مطبوعات: گیت اور انگارے ۱۹۵۲ (افسانے) شیشوں کا مسیحا ۵۴ (افسانے) فکر اور ادب، ادب اور نفسیات، ادب اور جدید ذہن (تنقید) کینوس کا صحرا ۸۳ (افسانے) متعدد ہندی کتابیں۔ مستقبل کے روبرو (تحقیق) ۱۹۸۶ء
پتہ: ۱۵۳/۳ بی جنک پوری۔ نئی دہلی

دیویندر ستیارتھی

نام: دیوندر بتا
پیدائش: ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء بھدوڑ ضلع سنگرور (پنجاب)

۱۹۲۸ء پربھات سیشن دیہک خزانچی،
اجمیر سٹی ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۸ء تک
نائب مدیر ماہنامہ بیوپار۔ ۱۹۴۸ء سے
۱۹۵۶ء تک مدیر آج کل ہندی - دہلی۔
۱۹۳۱ء میں لکھنا شروع کیا۔ پہلی اردو
کہانی "اور بانسری بجتی رہی" ۱۹۴۰ء میں
ادب لطیف لاہور میں شائع ہوئی۔
مطبوعات: نئے دیوتا، اور بانسری
بجتی رہی (افسانے) میں بھی خانہ بدوش
اور گاتا جائے بنجارا (لوک گیتوں سے
متعلق کتابیں) اس کے علاوہ ہندی
اور پنجابی میں کئی کتابیں شائع ہو چکی
ہیں۔
پتہ: ۵/۴۶ سی نیو رہتک روڈ
نئی دہلی ۱۱۰۰۰۵

راج نرائن راز

نام: راج نرائن۔ تخلص راز

پیدائش: ۲۷ر اکتوبر ۱۹۳۰ء [illegible]
بلوچستان (پاکستان)
تعلیم: [illegible]

ایس بی ہائی اسکول [illegible] بی۔ اے
اور ایم۔ اے (اردو) امتیاز کے ساتھ دہلی
یونیورسٹی سے۔
ملازمت: انڈین انفارمیشن سروس، موجودہ منصب
ایڈیٹر آجکل، اردو پبلی کیشنز ڈویژن، پٹیالہ
ہاؤس نئی دہلی
مطبوعات: تراجم: عزم جواں (۱۹۵۷ء) کہکشاں
(۱۹۶۳ء) لہروں کی آواز (۱۹۷۵ء) ایٹم کی
کہانی (۱۹۷۷ء)
تالیفات: ۱۹۶۷ء کی منتخب شاعری (۱۹۶۸ء)
۱۹۶۸ء کی منتخب شاعری (۱۹۶۹ء) باشتراک۔
منور لکھنوی کی شخصیت اور شاعری (۱۹۷۹ء)
شعری مجموعے: چاندنی اساڑھ کی (۱۹۶۷ء)
لذت لفظوں کی (۱۹۷۷ء)
بچوں کیلئے: فٹ بال کی کہانی (۱۹۷۷ء)

پتہ: ۳۰/۲۹ ایسٹ پٹیل نگر، نئی دہلی ۸

رام آسرا راز

دیکھئے عالمی اردو ادب ۱۹۸۲

ر ا سعی

پیدائش: ۳ر مارچ ۱۹۲۳ء
تعلیم: میٹرک ۱۹۳۸ء
۱۹۴۳ء میں ریلوے میں ملازم ہوئے
اور مارچ ۱۹۸۱ء میں ریٹائر [illegible]

کوارٹر لکھنؤ سے تعلیم انسپکٹر کے عہدے سے
سبکدوش ہوئے۔ پہلی کہانی "شعوری تاریخ"
۱۹۴۱ء میں لاہور کے ہفتہ وار خیام میں
شائع ہوئی۔
مطبوعات۔ افسانوں کے مجموعے آئینہ ۵۴

انقلاب آنے تک ۵۹ وہ مسکراتے رہے۔ سنی
دھرتی پرانے گیت ۵۸ گلی گلی ۶۲ آواز تو
پہچانو ۶۳ چراغوں کا سفر ۶۶ انتظار
کے قیدی ۶۷ کل کی باتیں ۶۷ اکھڑے
ہوئے لوگ ۷۲ گزرتے لمحوں کی چاپ ۷۵،
معصوم آنکھوں کا بھرم ۷۷ ناول: کہرا
اور مسکراہٹ ۷۲، مٹھی بھر دھوپ ۷۲
نیل دھارا ۸۱ سفرنامے: زرد پتوں کی
بہار (سفرنامہ پاکستان ۱۹۸۲) خواب خواب
(سفرنامہ یورپ) ۱۹۸۳۔ ہندی اور دیگر
کئی زبانوں میں بھی کتابیں چھپ چکی ہیں۔
پتہ: شانتی نکیتن ڈی ۲۲۹۰۔ اندرا نگر
فیض آباد روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۱۶

رام لعل نابھوی

پیدائش: ۱۲ ستمبر [illegible] نابھہ (پنجاب)
[illegible]
[illegible]

مطبوعات: تبسم ۱۹۷۹ء (طنزیہ خاکے)
آم کے آم (انشائیے)
پتہ: محلہ دیوان۔ نابھہ (پنجاب)

رانا گنوری

نام: رانا پرتاپ سنگھ
پیدائش: ۳ جون ۱۹۳۸ء جہاں پور
تحصیل علی پور۔ ضلع مظفر گڑھ (پاکستان)
تعلیم: ایم اے بی ایڈ کی ڈگری (ہندی)
مطبوعات: ترنگیں (مجموعۂ کلام)
پیشہ: لیکچرر۔

نا فن (مجموعۂ کلام) رعنائی خیال۔ بیگھ
دت (سنسکرت کے منظوم ترجمہ) تذکرہ
شعرائے ہریانہ کرانتی دوت مہا کاوی

مہانند (منظوم سوانح حیات ہندی)
رشمیاں (ہندی کلام)
۵- پروفیسر کالونی۔ کیتھل۔ ہریانہ

راہی شہابی

نام: نفاست علی
پیدائش: ۲۶ جنوری ۱۹۳۵ء
تعلیم: بی اے
مطبوعات: میرا وطن (مجموعہ کلام)
پتہ: پریس ایجنسی چیف منسٹر راجستھان
جے پور

رشید حسن خاں

پیدائش: ۱۰ جنوری ۱۹۳۰ء شاہجہانپور
درس نظامی کی باقاعدہ تعلیم اور
لکھنؤ یونیورسٹی سے دبیر کامل کی سند
۴۷-۱۹۴۱ میں ٹریڈ یونین سے وابستہ
رہے ۱۹۵۹ میں دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ
اُردو سے منسلک ہوئے۔

مطبوعات: اُردو املا۔ ادبی تحقیق مسائل
اور تجزیہ اُردو کیسے لکھیں۔ زبان اور
قواعد۔ انتخاب مراثی انیس۔ انتخاب ناسخ (مقدمہ)
انتخاب دیوان سودا۔ موازنۂ انیس و دبیر

دیوان درد
پتہ: گوالتر ہال دہلی یونیورسٹی کیمپس دہلی

رشی پٹیالوی

نام: رام دیو رشی
پیدائش: ۲۹ جنوری ۱۹۱۷ء الیسی کلاں
ہوشیارپور
مطبوعات: جاننے (شاعری) گرگ بسمل
افسانہ نگار (نثر) نغمۂ آتش (تذکرہ
شعراء) ہندی میں: جگیت ساد (نثر)
تبریز کشی (نظم)
پتہ: آنند نکیتن نئی دہلی

رفعت سروش

نام: شوکت علی
پیدائش: ۲ جنوری ۱۹۲۶ء نگینہ
ضلع بجنور۔ (اتر پردیش)
۱۹۴۵ء میں آل انڈیا ریڈیو دہلی سے
وابستگی ۱۹۴۴ء میں اُردو مجلس دہلی کے
پروڈیوسر ۱۹۷۳ء میں ماسکو میں
ہندو سوویت ثقافتی تعلقات کے موضوع
پر سیمینار میں حصہ لیا۔ سوویت لینڈ ایوارڈ
اور کئی دیگر اکاڈمیوں سے انعامات ملے

سعادت نظیر

دیکھئے عالمی اردو ادب ۸۹ء

شارب ردولوی

نام: سید شارب عباس
پیدائش: ۱۹۳۵ء ردولی، بارہ بنکی یوپی
تعلیم: ایم اے پی ایچ ڈی
۱۹۶۱ء میں دیال سنگھ کالج نئی دہلی میں لکچرر ہوئے۔ ۱۹۷۵ء سے ۱۹۷۹ء تک ترقی اردو بیورو وزارت تعلیم حکومت ہند میں پرنسپل پبلیکشن افسر رہے۔ ۱۹۷۹ء میں دیال سنگھ کالج لوٹ آئے۔

مطبوعات:
۱۔ مراثی انیس میں ڈرامائی عناصر (۱۹۵۹ء)
۲۔ گل صد رنگ (۱۹۶۰ء)
۳۔ افکار سودا (۱۹۶۱ء)
۴۔ جگر فن اور شخصیت (۱۹۶۱ء)
۵۔ جدید اردو تنقید، اصول اور نظریات (۱۹۶۸ء)
۶۔ مطالعۂ ولی (۱۹۷۲ء)
۷۔ تنقیدی مطالعے ۱۹۸۳ء
پتہ: ڈی ۸/۸۸ ماڈل ٹاؤن۔ دہلی ۹

شباب للت

نام: جگن داس
پیدائش: ۳ر اگست ۱۹۳۳ء
ضلع مظفر گڑھ (پاکستان)
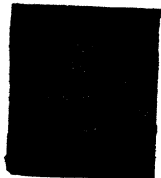
تقسیم ملک کے بعد کانپور سے ماہنامہ "چندن" جاری کیا۔
مطبوعات: شعری مجموعے، سحر غزل سحر نغمہ، سحر حرف ۱۹۸۲ء
پتہ: اسیکٹر ۲/۸ مکان نمبر ۲۲۹۹ فرید آباد

ساغر اعظمی

دیکھئے عالمی اردو ادب ۸۹ء

سلام بن رزاق

پیدائش: ۱۵ر نومبر ۱۹۴۱ء کڈپہ (آندھرا)

پیشہ - درس تدریس
مطبوعات۔ ننگی دوپہر کا سپاہی
معبر (افسانوں کا مجموعہ)
ماہم کی کہانی (مراٹھی ناول کا ترجمہ)
پتہ:- ۱۱/۹ ایل آئی جی سجاوے نگر کرلہ
ویسٹ، بمبئی ۴۰۰۰۰۰

تعلیم: ایم اے ... (۱۹۵۷ء)
ایم اے انگریزی (۱۹۶۳ء)
پیشہ: ڈپٹی پبلسٹی آفیسر
مطبوعات: سفر آب، منزل منزل پتوار، پروائی، ہزار موسموں کے بعد، صحرا کی پیاس، آگہان، دائروں کا سفر۔

پتہ: ۴۲/۳۳ ریلوے بورڈ بلڈنگ شملہ

شانتی رنجن بھٹاچاریہ

پیدائش: ۲۴ ستمبر ۱۹۳۰ء موضع شورہ ضلع فرید پور۔ (بنگلہ دیش)
۱۹۶۵ء سے محکمۂ اطلاعات وثقافتی امور سے وابستہ ہیں۔
مطبوعات: راہ کا کانٹا (افسانوں کا مجموعہ) شاعر کی شادی (طویل افسانہ) پختونستان کا مطالبہ، بنگالی ہندوؤں کی اردو خدمات، اردو اور بنگالی، مختصر تاریخ بنگلہ ادب (دو حصے) آزادی کے بعد مغربی بنگال میں اردو، بنگال میں اردو زبان وادب، غالب اور بنگال، اقبال ٹیگور اور نذرل تین شاعر ایک مطالعہ اور کئی کتابوں کے اردو اور بنگلہ میں تراجم
پتہ: آنندا پلی، ڈاکخانہ سونا پور سناتیپاری ضلع چوبیس پرگنہ (مغربی بنگال)

شجاع خاور

نام: شجاع الدین
پیدائش: ۲۰ ستمبر ۱۹۴۸ء دہلی
تعلیم: ایم اے انگریزی (دہلی یونیورسٹی)
مطبوعات: ... تاج محل ۱۹۸۰ء
... ۱۹۸۲ء
پتہ: محلہ ... لال کنواں دہلی ۶ - ۱۱۰۰۰۶
دہلی ۱۱۰۰۵۴

شرر فتح پوری

نام: رام سنگھ
پیدائش: ۱۶ مئی ۱۹۲۸ء فتح پور ضلع کورو کشیتر (ہریانہ)
تعلیم: بی اے (جامعہ ملیہ ۱۹۵۱)
بی ایڈ (۱۹۵۳) علی گڑھ سے ایم ایڈ

(۱۹۵۵) اور ایم اے (۱۹۵۹)
۱۹۵۵ء میں درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۵۶ء سے گورنمنٹ کالج میں ڈپٹی ایجوکیشن آفیسر ۱۹۷۵ سے ہیڈ ماسٹر کی حیثیت سے ہریانہ کے مختلف اسکولوں میں تعینات رہے۔
مطبوعات: ہم جنگ نہ ہونے دیں گے (طویل نظم ۵۰) سازِ جمہور (مثنوی ۵۲) ہمالیہ جاگ اٹھا (نظمیں ۶۳) کاروانِ عصر (مسدس ۷۲) چرسی (مثنوی ۸۱) نئی دنیا نیا آدم (مثنویاں ۷۲) فرار (شعری مجموعہ)
پتہ: فتح پور ضلع کورو کشیتر (ہریانہ)

شرون کمار ورما

پیدائش: ۳۰ دسمبر ۱۹۳۴ء لکھنؤ
تعلیم: بی اے ایل ایل بی
پیشہ: وکالت
مطبوعات: نیم کے پتے۔ (اردو افسانے)
گرتے ہوئے درخت (اردو افسانے)
دیوار (ناول، اردو، ہندی اور پنجابی)
پرچھائیں (ناول ہندی)
پتہ: ۱۱/۱۸۰ کوچہ لیاں۔ امرتسر ۱۴۳۰۰۶

شکیل الرحمٰن

پیدائش: ۱۰ فروری ۱۹۳۱ء موتی ہاری ضلع چمپارن (بہار)
تعلیم: ایم اے پی ایچ ڈی
پیشہ: درس و تدریس
مطبوعات: ادب اور نفسیات، ادبی ڈائری، ۸ شعور اور تنقیدی شعور ۵۸ زبان اور کلچر ۵۸ قصہ میرے سفر کا۔
پتہ: صدر شعبہ اردو کشمیر یونیورسٹی سری نگر

شمس الرحمٰن فاروقی

پیدائش: ۳۰ ستمبر ۱۹۳۵ء پرتاپ گڑھ (یوپی)
تعلیم: ایم اے انگریزی (الہ آباد یونیورسٹی ۵۵)
پیشہ: سرکاری ملازمت
مطبوعات: نئے نام (جدید شاعری کا انتخاب) گنج سوختہ ۶۹ سبز اندر سبز ۷۴، چار سمت کا دریا، (شعری مجموعے) لفظ و معانی (تنقید ۶۸) فاروقی کے تبصرے (تنقید ۶۸) شعر، غیر شعر اور نثر (تنقید) عروض آہنگ اور بیان ۷۸،

پتہ: ۸۵/۱۱ ڈی کالکاجی نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۱۹

شمیم حنفی

پیدائش: ۱۷ مئی ۱۹۳۹ء
تعلیم: ایم اے (تاریخ اور اردو ادبیات) پی ایچ ڈی (علی گڑھ یونیورسٹی) مقالہ محمد حسین آزاد کے ادبی کارنامے۔
پیشہ: معلمی
مطبوعات: نئی شعری روایت (تنقید) جدیدیت کے فلسفیانہ اساس (تنقید) مٹی کا بلاوا (ڈرامے) فراق، شخص و شاعر بھوتوں کا جہاز (بچوں کے لیے)
پتہ: گل مہر ایونیو جامعہ نگر نئی دہلی

شوکت حیات

نام: شوکت حیات
پیدائش: یکم دسمبر ۱۹۵۰ء
تعلیم: بی ایس سی
شغل: افسانہ نگاری، صحافت، ملازمت، [illegible]
مطبوعات: سیاہ چادر [illegible]

پتہ: ڈاکٹر مہابیر بھون، مہندرو پٹنہ ۸۰۰۰۰۶

شہباز حسین

پیدائش: ۱۰ جنوری ۱۹۳۱ء جیوت پٹنہ (بہار)
تعلیم: ایم اے (۵۱) بی ایل (۵۳)۔
۱۹۵۱ء میں روزنامہ "ساتھی" پٹنہ
سے وابستہ ہوئے اور ۱۹۵۳ء میں روزنامہ

سنگم پٹنہ سے ... [illegible]

[illegible]

اپریل ۱۹۷۲ سے نومبر ۱۹۷۵ اور فروری
۱۹۸۱ سے فروری ۱۹۸۲ تک پرنسپل
پبلیکشنز آفیسر، ترقی اردو بیورو، وزارت
تعلیم، مارچ ۱۹۸۲ سے جوائنٹ ڈائرکٹر
ریسرچ اینڈ ریفرنس ڈویژن ۱۹۸۲
سے ڈپٹی ڈائرکٹر فیلڈ پبلسٹی
مطبوعات: روشنی کے مینار، آج کل کی
کہانیاں، جدید ہندوستان میں ذات پات
(ترجمہ) "پہیلیاں اور رنگ برنگے پھول"
(آخر الذکر دو کتابیں نند کشور وکرم
کے اشتراک سے)
پتہ: ۱۱۱۲/۷ سیکٹر ۱۲ آر۔ کے پورم نئی دہلی

شہریار

نام: کنور محمد اخلاق خاں
پیدائش: ۱۶ جون ۱۹۳۶
تعلیم: ایم اے، پی ایچ ڈی
پیشہ: درس و تدریس
مطبوعات: اسم اعظم، ساتواں در، اور
ہجر کے موسم (شعری مجموعے)

پتہ: ... [illegible]

صادق

نام: سید صادق علی
پیدائش: ۱۰ اپریل ۱۹۴۳ء اُجین (ایم پی)
تعلیم: ایم اے، پی ایچ ڈی

دہلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو سے وابستہ ہیں
مطبوعات: ترقی پسند تحریک اور اردو افسانہ
نئی مراٹھی شاعری، سلسلہ (شعری مجموعہ)
پتہ: ۸۱/۱۰ راجوری گارڈن نئی دہلی

صغیر احمد صوفی

پیدائش: ۱۹۲۳ء چندولی ضلع بنارس۔
ریلوے سے ریٹائر۔
پیشہ: ایڈوکیٹ دہلی ہائی کورٹ
مطبوعات: رقص دوام، گرتی اندیشہ (شعری مجموعے)
پتہ: سی بی/۴ سی منٹو کا فیس ہلا نئی دہلی ۲۲

صلاح الدین پرویز

پیدائش: ۱۹۵۰ء علی گڑھ
پیشہ: تجارت۔
مطبوعات: ژاژ، نیگو، جنگل، دھوپ
سایہ سمندر (شاعری) نرتا (ناول)

طالب چکوالی

نام: منوہر لال
پیدائش: ۱۳ مئی ۱۹۰۰ء چکوال۔ ضلع جہلم (پاکستان)
تعلیم: گورنمنٹ کالج لاہور سے ۱۹۲۱ء میں بی اے آنرز اور ۱۹۲۳ء میں ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی۔

۲۶-۱۹۲۳ میں چکوال میں وکالت شروع کی۔ پھر راولپنڈی میں ہول سیل پتھری کوئلہ کا کام شروع کیا۔ تقسیم ملک کے بعد دہلی میں سکونت اختیار کی۔
مطبوعات: افکار حقیقت ۴۴ء، برگ سبز ۶۵، برگ نسند ۸۰ (شعری مجموعے) فوجی کی محبوبہ ۱۹۳۸ء ۔ مالک ۱۰۔ دیگر (ناول) مورپنکھ (انشائیہ)
پتہ: منوہر نواس جے ۳۲ لاجپت نگر ۳ نئی دہلی ۱۱۰۰۲۴

ظ۔ انصاری

پیدائش: ۶ر فروری ۱۹۲۵ء سہارنپور
پیشہ: درس و تدریس

مطبوعات: ورق ورق ۱۹۵۲، کیونزم اور مذہب ۱۹۵۷، شبان [illegible] ۱۹۵۸، خسرو کا ذہنی سفر، نذر غالب، غالب شناسی، کتاب شناسی، مثنویات غالب اور کئی دیگر کتب۔
پتہ ۳۲ شیریں ۲۱ کولابا روڈ بمبئی

عابد مناوری

نام: گوری نندن بالی
پیدائش: ۲۷ مئی ۱۹۲۸ء جموں
پیشہ: سرکاری ملازمت
مطبوعات: بہار غزل، شمیم گل (شعری مجموعے)
پتہ: ۱۶۱/۱/۷ گاندھی نگر جموں ۱۸۰۰۰۴

عارف نقشبندی

نام: محمد عثمان
پیدائش: ۱۹۲۸ء بیکانیر (راجستھان)
تعلیم: ایم اے۔ ایل ایل بی
گورنر اتر پردیش

مطبوعات: عقیدت کے پھول، نذر رضا، قلم کی کاشت، نور محمد ذکر [illegible]
پتہ: [illegible] گورنر (اتر پردیش)

عبدالسلام قدوائی

پیدائش: ۷ مارچ ۱۹۰۷ء ستولینڈی رائے بریلی (یوپی)
تعلیم: فاضل (دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ)
۱۹۷۵ سے ایڈیٹر ماہنامہ معارف
۱۹۳۴-۳۵ سب ایڈیٹر روزنامہ خلافت
۱۹۳۷-۴۱ ندوۃ لکھنؤ کے مدرس
۱۹۴۹-۵۲ ایڈیٹر سہ روزہ تعمیر
مطبوعات: ہماری بادشاہی ۳۷، عربی کے دس سبق ۴۳، مثالی حکمران ۴۶، دنیا اسلام سے پہلے ۱، اسلام کے بعد ۳، قرآن کی پہلی دوسری تیسری کتاب ۱۹۷۵، تعلیمات قرآن ۱۹۶۴ء
پتہ: [illegible] اعظم گڑھ (یوپی)

عبد[illegible] خالد

پیدائش: ۱۵ جنوری ۱۹۲۷ء موضع پدھیاں کلاں تحصیل نکودر ضلع جالندھر
تعلیم: ایم اے
سرکاری ملازمت سے سبکدوش

مطبوعات
شعری مجموعے: [illegible]
طاب طاب [illegible]
[illegible]

احرق قلم: ڈرامے ۔ برگ خزاں، دکان شیشہ گر، اوراق ناخواندہ، سلاخ اور رنگ، جنگ ایک دہن کتابوں کے تراجم۔
پتہ: ۳۔ گلبرگ، انکم ٹیکس کالونی لاہور (پاکستان)

عبداللطیف اعظمی

پیدائش: یکم مارچ ۱۹۱۷ء بانہ کلاں اعظم گڑھ (یوپی)
تعلیم: ایم اے (جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی) عالم، عربی (ندوۃ العلما لکھنؤ)
۱۹۶۰ء سے مدیر معاون ماہنامہ جامعہ

نئی دہلی۔ ۵۰-۱۹۴۵ ایڈیٹر ہفت روزہ نئی روشنی ۵۵-۱۹۵۰ ایڈیٹر ہمدرد جامعہ ۱۹۶۶- ایڈیٹر سہ ماہی صبح۔
مطبوعات: شبلی کا مرتبہ اردو ادب میں [illegible] بابائے اردو مولوی عبدالحق [illegible] ڈاکٹر ذاکر حسین سیرت و شخصیت [illegible] جواہر لال نہرو ایک مطالعہ ۱۹۶۹ء گاندھی جی اور ان کے خیالات ۱۹۷۰ مشاہیر کے خطوط اور ان کے مختصر حالات ۷۵۔ مولانا محمد علی۔
پتہ: جامعہ نگر۔ نئی دہلی

عرفان صدیقی

پیدائش: ۸ جنوری ۱۹۳۹ء بدایوں
تعلیم: یونیورسٹی سطح تک خصوصی مطالعہ سماجیات۔
پیشہ: سرکاری ملازمت۔ مرکزی اطلاعات سروس سے وابستہ۔
مطبوعات: کینوس (شعری مجموعہ) رُت سنگھار (کالی داس کی نظم رتو سنگھار کا منظوم اردو ترجمہ) مالویکا اگنی متر (کالی داس کے ڈرامے کا اردو ترجمہ) [illegible]
[illegible] ۱۹۶۷ء
پتہ: نیوز ایڈیٹر [illegible] نئی دہلی

عصمت [illegible]

پیدائش: [illegible]
تعلیم: بی اے [illegible]
پہلا افسانہ [illegible]
[illegible] ۱۹۴۲ء میں [illegible]
کی۔ [illegible]
میں [illegible]

مطبوعات: کلیاں، چومیں، ایک بات (افسانوں کے مجموعے) ضدی، ٹیڑھی لکیر (ناول) تین اناڑی، ایک قطرہ خون۔
پتہ: انڈس کورٹ اے روڈ چرچ گیٹ بمبئی ۴۰۰۰۲۰

عقیل شاداب

نام: عقیل احمد خاں
پیدائش: ۱۵ جنوری ۱۹۲۵ء کوٹہ (راجستھان)
پیشہ: کاشت کاری
مطبوعات: سرابوں کے سفر (شعری مجموعہ)
پتہ: بستی [illegible] کوٹہ راجستھان

علقمہ شبلی

نام: [illegible]
پیدائش: [illegible]
[illegible]

مے ۱۹۷۵ (شعری مجموعے) تارے زمین کے ۱۹۷۶ء پھول آنگن کے ۱۹۸۰ (بچوں کی نظموں کا مجموعہ)
پتہ: ۸۹/۵۰ رپن اسٹریٹ، پہلی منزل کلکتہ ۷۰۰۰۱۶

علی جواد زیدی

پیدائش: ۹ر جولائی ۱۹۲۰ء محمود آباد ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
تعلیم: بی اے ایل ایل بی (لکھنؤ)
شروع میں حیا تخلص کرتے تھے بعد میں ترک کر دیا۔ آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری رہے۔ ۱۹۴۲ء میں قید فرنگ کاٹی۔ ۱۹۴۶ء سے حکومت اترپردیش سے وابستہ رہے۔ حکومت جموں و کشمیر سے منسلک رہے۔ بعد میں حکومت ہند کے محکمہ اطلاعات و نشریات میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے [illegible]

مطبوعات: (شعری مجموعے) رگِ سنگ
دریا، سحر، میری غزلیں، دو ادبی اکولڈ
نسیم دشتِ آرزو، قصیدہ، نگا سا ان
اتر پردیش۔ اردو میں قومی شاعری
کے سو سال، تعمیری ادب، آپ سے
ملئے، پیامِ آزادی، انوارِ ابو الکلام،
فکرِ ریاض، انتخابِ رند۔
پتہ: ۶/۲ دلباغ کالونی۔ لکھنؤ (یوپی)

علی سردار جعفری

نام: علی سردار جعفری
پیدائش: ۲۹ نومبر ۱۹۱۳ء بلرام پور
ضلع گونڈہ (یوپی)
تعلیم: گریجویٹ (اینگلو عربک کالج
دہلی) ایم اے (لکھنؤ یونیورسٹی)
ترقی پسند تحریک سے وابستہ، نیا
ادب کی ادارت کے فرائض انجام دیے۔
گفتگو کے مدیر رہے۔ کئی فلموں کے گیت
اور مکالمے لکھے: دھرتی کے لال، زلزلہ،
فٹ پاتھ، [illegible] وغیرہ کے
گیت لکھے۔ میلہ اور سازش کے مکالمے
نیز حبہ خاتون کی کہانی لکھی۔ ۱۹۶۵ء میں
"ایک خواب اور" پر سوویت لینڈ نہرو
ایوارڈ، ۱۹۶۷ء میں پدم شری، ۱۹۶۸ء میں
جواہر لال نہرو فیلوشپ۔
مطبوعات: نئی دنیا کو سلام، پرواز، پتھر
کی دیوار، ایک خواب اور، امن کا ستارہ،
اقبال شناسی، ایشیا جاگ اٹھا، پیراہنِ
شرر، لہو پکارے گا، ترقی پسند تحریک کی
نصف صدی ۸۷ء وغیرہ
پتہ: سیتا محل، بومن جی پیٹٹ روڈ
بمبئی ۴۰۰۰۳۶

علیم صبا نویدی

نام: سید علیم الدین تخلص صبا نویدی
پیدائش: ۲۶ فروری ۱۹۴۲ء امبور
شمالی ارکاٹ
مطبوعات: روشنی کے سجتے (افسانوں
کا مجموعہ) طرح نو (شعری مجموعہ)
پتہ: ۵- امیر النساء بیگم اسٹریٹ، ماؤنٹ
روڈ، مدراس۔

عمیق حنفی

نام: محمد عبدالعزیز
پیدائش: ۳۰ر نومبر ۱۹۲۹ مہو چھاؤنی
تعلیم: ایم اے سیاسیات (۱۹۵۲ء) اور
ایم اے تاریخ (۱۹۵۳ء)
۱۹۵۶ میں آل انڈیا ریڈیو بھوپال
سے وابستہ۔ ۱۹۶۹ میں دہلی میں بحیثیت
پروگرام ایگزیکٹو مامور، ۱۹۷۷ء میں ترقی
پاکر اسسٹنٹ ڈائریکٹر   دہلی
میں اسٹیشن ڈائریکٹر آل انڈیا ریڈیو
اب ملازمت سے سبکدوش ہو چکے ہیں
مطبوعات: سند باد کا گیت ۵۵ (ذہنی
کلام) سنگ پیرہن ۵۸ (شعری مجموعہ)
شجر صدا (انتخاب ۱۹۶۴) صندبار ۱۹۶۴
(طویل نظم) شب گشت (شعری مجموعہ)
صلصلۃ الجرس (طویل نظم ۷۱)

عنوان چشتی

نام: افتخار الحسن
پیدائش: ۵ر فروری ۱۹۳۷ قصبہ منگلور
ضلع سہارنپور (یوپی)
تعلیم: ایم اے جغرافیہ (۶۱) ایم اے
اُردو (۶۳) پی ایچ ڈی (۷۳)
پیشہ: صدر شعبہ اُردو جامعہ ملیہ اسلامیہ
مطبوعات: اُردو شاعری میں جدیدیت
کی روایت۔ اُردو شاعری میں ہیئت کے
تجربے۔ تنقید سے تحقیق تک۔ تنقیدی
پیرائے۔ عکس و شخص، معنویت کی
تلاش (تحقیق و تنقید) نیم باز ۶۸۔ ذوق
جمال ۶۶ (شعری مجموعے) مکاتیب
احسن (دو حصے)
پتہ: اُردو سماج، جامعہ نگر نئی دہلی

غلام ربّانی تاباں

پیدائش: ۱۵ر فروری ۱۹۱۴۔ قائم گنج
فرخ آباد (یوپی)
تعلیم: بی اے ایل ایل بی (آگرہ)
دس برس فرخ آباد میں وکالت کی۔
۱۹۴۷ میں کسان تحریک کے سلسلے میں اور

۱۹۴۹ء میں کمیونسٹ ہونے کے جرم میں پکڑے گئے۔ ۱۹۴۹ء میں وکالت چھوڑ کر دہلی آ گئے۔ اور مکتبہ جامعہ میں ملازم ہو گئے۔ ۷۰ء میں جنرل منیجر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے اسی سال انہیں پدم شری سے نوازا گیا۔ ۱۹۷۲ء میں یوپی اُردو اکاڈمی کا ایوارڈ ملا۔

مطبوعات: ساز لرزاں، حدیث دل، ذوقِ سفر، نوائے آواز۔

پتہ: ۲۲۰ ذاکر نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی

فاروق ارگلی

نام: کنور محمد فاروق خاں

پیدائش: ۳ر جنوری ۱۹۳۸ء موضع مستی ضلع فتح پور (اتر پردیش)

دہلی کے پندرہ روزہ تیز گام، ماہنامہ گلفام اور ماہنامہ قانونی دنیا کے مدیر رہے۔ اور اب ماہنامہ کہکشاں اور ہفت روزہ مومن انڈیا کی ادارت کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

مطبوعات: تاریخ اسلام، تذکرہ اولیائے

ہند پاک اور لاتعداد ناول۔

پتہ: ۵/۲۴ گنیش پارک، رشید مارکیٹ دہلی ۱۱۰۰۵۱

فضا ابن فیضی

نام: فیض الحسن

پیدائش: ۱۹۲۳ء مئو ناتھ بھنجن، اعظم گڑھ

پیشہ: تجارت

مطبوعات: سفینۂ زرگل، شعلۂ نیم سوز ۸۷ء (شعری مجموعے)

پتہ: مئو ناتھ بھنجن، ضلع اعظم گڑھ ۱، ۵

فہمیدہ ریاض

پیدائش: ۲۸ جولائی ۱۹۴۶ء میرٹھ

تعلیم: بی اے (سندھ یونیورسٹی)

آواز، پاکستان کی مدیرہ رہیں

اقبال کا شعور و فن، پریم چند فکر و فن،
رتن ناتھ سرشار ۱۹۸۳ء
پتہ: سی ۱۹۶ مدینک مہار دہلی ۳۲

کالی داس گپتا رضا

پیدائش: ۲۵ر اگست ۱۹۲۵ء مکند پور
ضلع جالندھر (پنجاب)
پیشہ: بنکنگ (ساہوکارہ)
جون ۱۹۴۹-۱۹۷۰ مشرقی افریقہ میں

قیام رہا۔ اب مستقل بمبئی میں قیام ہے۔
مطبوعات: [illegible] شاخ گل،
[illegible] شعر [illegible] شعاع
[illegible] شرار [illegible]

دماغ [illegible]
آتش [illegible] چکبست [illegible]
کلیات چکبست، (تحقیق [illegible])
ہندوستانی مشرقی افریقہ میں [illegible]
جوش، وغیرہ۔
پتہ: ۱۴۳ اے بے روشن، چوتھی منزل
نیپین سی روڈ بمبئی ۴۰۰۰۳۶

کاوش بدری

نام: عبدالرزاق پاشا تخلص کاوش
پیدائش: ۱۹۲۹ء امبور شمالی ارکاٹ
مشغلہ: ۱۹۴۸-۵۲ء "نگار" کی ادارت
کی۔ بعد ازاں منزل کے مدیر رہے۔
مطبوعات: کاوریم (طویل نظم)
پتہ: ۲۰ طاہر صاحب اسٹریٹ مونٹ روڈ مدراس

کرامت علی کرامت

پیدائش: ستمبر ۱۹۳۶ء کٹک (اڑیسہ)
تعلیم: ایم اے ریاضیات ۱۹۵۸ء
پیشہ: درس و تدریس
سندرگڑھ کالج میں شعبہ ریاضیات
کے صدر ہیں۔
مطبوعات: شعاعوں کی صلیب
پتہ: گورنمنٹ کالج، سندرگڑھ (اڑیسہ)

کرشن مراری

نام: کرشن مراری سہگل
پیدائش: ۳۰ رجولائی ۱۹۲۰ء جہلم (پاکستان)
تعلیم: ایم اے ریاضیات [illegible]
کالج۔ لاہور سے
۱۹۴۶-۵۲ء آل انڈیا ریڈیو

کلام حیدری

نام: کلام الحق
پیدائش: ۲ر اپریل ۱۹۳۰ء ونکیر (بہار)
ہفتہ وار مورچہ اور ماہنامہ "آہنگ"
کے مدیر اعلیٰ اور کلچرل اکادمی کے چیئرمین۔
مطبوعات: بے نام گلیاں ۵۵ (افسانے)
تفہیمات۔
پتہ ایڈیٹر آہنگ، رینہ ہاؤس
جگ جیون رام روڈ۔ گیا (بہار)

کمار پاشی

نام: شنکر دت
پیدائش: ۳ر جولائی ۱۹۳۵ء بہاول پور
(پاکستان)

مطبوعات: پرانے موسموں کی آواز ۱۹۶۶
خواب کی شام ۱۹۷۰۔ انتظار کی رات ۱۹۷۱
روبرو ۱۹۷۶ اک موسم میرے دل
کے اندر ۱۹۷۱ (شاعری) ولاس یاترا
۱۹۷۳ (طویل نظم) پہلے آسمان کا زوال
۱۹۷۴ (افسانے) جلوں کی بنیاد (ڈرامے)
اندھیرے کے قیدی (ڈرامے) محمد علوی
ایک مطالعہ میراجی شخصیت اور فن۔
پتہ: ۳۳۷۴ دہلی گیٹ - نئی دہلی ۲-۱۱۰۰

کمال احمد صدیقی

پیدائش: ۱۷ر فروری ۱۹۲۶
۱۹۴۸ء میں لکھنؤ سے ہمارا ادب
رسالہ جاری کیا۔ ۱۹۵۰ میں مکتبہ جامعہ
سے اور ۱۹۵۲ میں ریڈیو سے وابستہ
ہوئے۔
مطبوعات: بادبان (۴۹) اور ہمالیہ
کے بنجارے۔
پتہ: ۲۰۷ راؤز ایونیو۔ نئی دہلی ۲

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر

نام: مہندر سنگھ تخلص سحر
پیدائش: ۹۔ مارچ ۱۹۰۹ء ساہی وال
منٹگمری (پاکستان)
تعلیم: بی اے

سرکاری ملازمت میں کئی اہم عہدوں
پر فائز رہے۔ دہلی اردو اکادمی کے
چیئرمین رہے [illegible]
مطبوعات: [illegible]
جشن (شعری مجموعے)
پتہ: [illegible]

کیف بھوپالی

نام: خواجہ محمد ادریس
پیدائش: ۱۹۱۲ء
مطبوعات: شعلۂ حرف، کوتے بتان، جنا
جنا، حکومت نامہ، مفہوم القرآن۔
پتہ: شاہجہان آباد۔ بھوپال

کوثر چاندپوری

نام: سید علی
پیدائش: ۱۴ر اگست ۱۹۰۸
پیشہ: طبابت و افسانہ نگاری
مطبوعات: مہکتی بہاریں، دُنیا کی حور،
جام جم ۱۴۔ سب کی بیوی ۵۲ (ناول)
چوہوں کی بستی، راکھ اور کلیاں، دانش
و بینش (تنقید) آوازوں کی صلیب کا رواں

جہان غالب (تنقید)
[illegible]
[illegible] نگر [illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
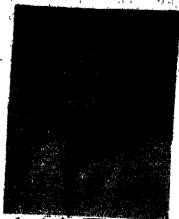
۱۹۴۳ء میں قومی جنگ کے لیے لکھنا
شروع کیا۔ ۱۹۵۰ء میں فلمی دنیا سے
وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۸-۶۹ء میں انڈین
پیپلز تھیٹر ایسوسی ایشن کی از سر نو تنظیم۔
۱۹۷۱ میں اس ادارے کے صدر منتخب ہوئے۔
۱۹۷۱ء میں قومی گیت لکھنے پر حکومت نے
قومی ایوارڈ سے نوازا۔ ۱۹۷۴ء میں پدم
شری کا اعزاز ملا۔
مطبوعات: جھنکار، آخری شب، آوارہ
سجدے (ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ)
پتہ: جانکی کٹیر جوہو روڈ۔ بمبئی ۵۴

کے کے کھُلر

نام: کلدیپ کرشن کھلر
پیدائش: ۲۸ر اپریل ۱۹۳۱ء منڈی
بہاؤالدین (گجرات)
تعلیم: ایم اے تاریخ۔ ایم اے انگریزی
(پنجاب یونیورسٹی)
۱۹۵۳-۵۱ گورنمنٹ کالج [illegible]
اور گورنمنٹ کالج [illegible]
کے لکچرار [illegible]

تعلیم: ایم اے تاریخ (۱۹۴۳ء) ایل ایل بی (۱۹۴۲ء)

۳۵-۱۹۳۳ء آریہ گزٹ کے ایڈیٹر
۳۶-۱۹۳۳ء میں 'نیرنگ خیال' کی ادارت کی۔ ۱۹۳۵ء میں حکومت ہند کے محکمہ کامرس میں سپرنٹنڈنٹ مقرر ہوئے۔
۱۹۴۷ء میں وزارت خارجہ میں انڈر سکریٹری کئی برس تک مصر میں تعینات رہے۔
۵۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور ساہتیہ اکاڈمی میں ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۷ء میں سہ ماہی جریدے تحریر کا اجرا اور تذکرۂ معاصرین پر ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ ملا۔
مطبوعات: ذکرِ غالب، تلامذۂ غالب، فسانۂ غالب، عورت اور اسلامی تعلیم، وہ صورتیں الٰہی، تذکرہ معاصرین (چار جلدیں) وغیرہ۔
پتہ: سی ۵۰۴ ڈیفنس کالونی، نئی دہلی

مجتبیٰ حسین

پیدائش: ۱۵ر جولائی ۱۹۳۶ء گلبرگہ
تعلیم: بی اے ۵۶ء (عثمانیہ یونیورسٹی)
۱۹۵۶ء میں روزنامہ "سیاست"

حیدرآباد سے وابستہ ہوئے۔ آج کل نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نئی دہلی میں اردو کے ایڈیٹر ہیں۔
مطبوعات: قطع کلام ۱۹۶۹ء، قصہ مختصر ۷۲ء، بہرحال ۷۴ء، آدمی نامہ ۸۱ء، بالآخر ۸۲ء، جاپان چلو جاپان چلو ۸۳ء۔
پتہ: این سی آر ٹی، نئی دہلی

مجروح سلطان پوری

نام: اسرار احمد خاں
پیدائش: ۱۹۱۹ء نظام آباد۔ اعظم گڑھ
تعلیم: ۱۹۳۰ء میں درس نظامیہ کے لیے ٹانڈہ ضلع فیض آباد گئے۔ مگر نہ کر پائے۔ الٰہ آباد یونیورسٹی سے مولوی عالم کا امتحان پاس کیا ۱۹۳۸ء میں لکھنؤ سے عربی میں طب کا امتحان پاس کرنے کے بعد چند ماہ سلطان پور میں مطب کیا۔
۱۹۴۱ء میں جگر مرادآبادی کے

تا لدھیانہ آگئے۔ ۱۹۴۵ء میں [illegible]
میں بمبئی کے [illegible] سے وابستہ
ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں [illegible]

سکے لیکن بن گئے۔ اسکے بعد جیل
میں بھی رہے۔
مطبوعات: اردو غزل ۵۲ (شعری مجموعہ)
پتہ: ۶ چٹانے کالونی اجر جو سروڈ۔ بمبئی

محسن زیدی

نام: سید محسن رضا زیدی
پیدائش: ۱۰ر جولائی ۱۹۳۵۔ بہرائچ
تعلیم: ایم اے معاشیات (لکھنؤ
یونیورسٹی ۵۶)
پیشہ: سرکاری ملازمت ممبر انڈین

اکنامک سروس۔
مطبوعات: (شعری مجموعے) شہر دل،
رشتۂ کلام۔
پتہ: ۳۹۳ سیکٹر ۳ آر کے پورم نئی دہلی

محمد حسن

پیدائش: ۱۹۲۶ء مراد آباد
تعلیم: ایم اے پی ایچ ڈی (لکھنؤ
[illegible]

کل جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں صدر
شعبۂ اردو ہیں۔
مطبوعات: ادبی تنقید ۵۴ پیسا اور
پرچھائیاں ۵۵ (ڈرامے) ہندی ادب
کی تاریخ ۵۵۔ جلال لکھنوی ۱۹۵۶ء
زلفیں زنجیریں ۵۶ (ناولٹ) فردوس
بریں۔ مطالعہ سودا، شناسا چہرے۔
جدید اردو ادب، کہرے کا چاند (ڈرامے)
ادبی سماجیات، معاصر ادب کے پیش رو
عرض ہنر، نفسیاتی زاویے۔
پتہ: ڈی ۷، ماڈل ٹاؤن دہلی ۱۱۰۰۰۹

محمد حسنین

پیدائش: ۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۰ء پٹنہ بہار
تعلیم: ایم اے اردو ۱۹۴۶ء پٹنہ
یونیورسٹی پی ایچ ڈی اردو ۱۹۵۶ء
(بہار یونیورسٹی)
۶۸ - ۱۹۷۰ء منظر بحث گیا اور
اورنگ آباد میں لیکچرر ۷۲ سے مگدھ
یونیورسٹی میں۔
مطبوعات: [illegible] ۱۹۶۲ء
[illegible]

مظہر ہوشیارپوری

نام: بلجیت سنگھ
پیدائش: ۲ر فروری ۱۹۳۲ء موضع [illegible]
ضلع ہوشیارپور (پنجاب)
تعلیم: ایم اے اردو
مطبوعات: حسن و نور ۶۹ (قطعات)
زندگی سے موت تک ۷۷ (شعری مجموعہ)
بوند بوند آگ ۸۰ (شعری مجموعہ) فن
طباعت اخبار نویسی کے اصول آغا جان
عیش۔ اسعد کا پہلا باغی شاعر کیرالہ
کے مشاہیر
پتہ: [illegible] نئی دہلی

مظفر حنفی

نام: محمد ابوالمظفر
پیدائش: یکم اپریل ۱۹۳۰ء کھنڈوہ (ایم پی)
تعلیم: ایم اے ایل ایل بی پی ایچ ڈی
پیشہ: استاد شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ
مطبوعات: پانی کی زبان، تیکھی غزلیں،
صریر خامہ، عکس ریزے، دیپک راگ،
یم بہ یم، طلسم حرف، کھل جا سم سم،

۶۹ - ۷۳ پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی۔
۷۳ - ۷۸ وائس چانسلر جامعہ ملیہ
اسلامیہ یونیورسٹی ۷۸ سے علی گڑھ مسلم
یونیورسٹی میں پروفیسر لسانیات، وزیٹنگ
پروفیسر کشمیر یونیورسٹی۔
مطبوعات: تاریخ زبان ادب اردو
۴۹ اردو زبان و ادب۔ مقدمہ ۵۴
شعر و زبان ۶۶ انگریزی: فونولوجیکل اسٹڈی آف دی اردو ورڈز
پتہ: مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (یوپی)

مصور سبزواری

نام: ظفر حسین

پیدائش: [illegible] ضلع [illegible]
تعلیم: ایم اے بی ایڈ
پیشہ: درس و تدریس
مطبوعات: شعری مجموعے [illegible]
[illegible] ۱۲ [illegible] آتش [illegible]

پردۂ سخن کا (شعری مجموعے)
دیدۂ حیراں، اینٹ کا جواب، دو غنڈے
(افسانوی مجموعے)
ایک تھا شاعر، شوخیٔ تحریر، شاد عارفی
کی غزلیں، کلیات شاد عارفی، کتاب نما
دہلی کا جائزہ، ، اور شگفتہ
چراغ کے ۱۸ شمارے (تالیفات)
شاد عارفی: شخصیت اور فن، نقد ریزے
جہات و جستجو، تنقید العبادہ، جدیدیت
تفہیم و تجزیہ، رضا حق کتابیات۔ چار
جلدیں۔ (تنقید و تحقیق)
طوفان، بیداری، گجراتی کے یک بابی
ڈرامے، اوڑیا افسانے، بھارتیندو ہریش
چندر، گنگا گر جمع الجزائر، تین دفتر اور
پانچ دوسرے ناول (تراجم)
بندروں کا مشاعرہ، نیلا ہیرا (ادب اطفال)
پتہ: ۳۵۸۱ جبلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

مظہر امام

پیدائش: ۵ر مارچ ۱۹۳۰ء دربھنگہ (بہار)

تعلیم: ایم اے اردو (کلکتہ یونیورسٹی)
(ایم اے فارسی (بہار یونیورسٹی)

پیشہ: ڈائریکٹر دوردرشن۔ سری نگر۔
مطبوعات: زخم تمنا ۱۹۶۲ (شاعری)
رشتہ گونگے سفر کا ۱۹۷۴ (شاعری)
آتی جاتی لہریں ۱۹۷۹ (تنقید)
پتہ: ڈائریکٹر
دوردرشن سری نگر

(ملک زادہ) منظور احمد

پیدائش: ۷ر اکتوبر ۱۹۲۹۔ فیض آباد
تعلیم: ایم اے انگریزی۔ ایم اے تاریخ۔
ایم اے پی ایچ ڈی اردو۔
پیشہ: درس و تدریس۔

مطبوعات: اردو کا مسئلہ، کالج گرل،
شہر سخن، مولانا ابوالکلام آزاد فکر و فن۔
پتہ: ریڈر شعبہ اردو۔ لکھنؤ یونیورسٹی

ممتاز مرزا

پیدائش: ۲۰ر جنوری ۱۹۱۳ء
تعلیم: بی اے
پیشہ: سیاست کی سیاحت [illegible]
ایرانی سفارت [illegible]

نثار احمد فاروقی

پیدائش: ۲۹ر جون ۱۹۳۴ء
تعلیم: ایم اے (عربی ادبیات دہلی یونیورسٹی) پی ایچ ڈی ''

مطبوعات: دید و دریافت ۱۹۶۴ء میری آپ بیتی ۵۷ تلاش میر ۷۴، تلاش غالب ۶۹ ـــــ تاریخ بلری کے ماخذ کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ۔
پتہ: ۸۲۷ بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی

ندا فاضلی

پیدائش: ۱۲ر اکتوبر ۱۹۳۸ء۔ دہلی
تعلیم: ایم اے (انگریزی)

بچپن گوالیار میں گزرا۔ ۱۹۶۵ء میں خاندان کے افراد پاکستان ہجرت کر گئے اور وہ گوالیار سے بمبئی چلے گئے۔
مطبوعات: لفظوں کا پل (شعری مجموعہ) مور ناچ (شعری مجموعہ) اور ملاقاتیں۔
پتہ: ڈانڈا پاڑا۔ کھار ویسٹ بمبئی ۵۲

نذیر احمد

پیدائش: ۳ر جنوری ۱۹۱۵ء گونڈہ
تعلیم: ایم اے پی ایچ ڈی۔ لکھنؤ اور تہران یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔
ایڈیٹر غالب نامہ
مطبوعات: ظہوری ۱۹۵۳ء (سوانح) تحقیقی مطالعہ ۵۴۔ کتاب نورس ۱۹۵۶ (موسیقی)
پتہ: ایوان غالب۔ ماتا سندری روڈ نئی دہلی

(ڈاکٹر) نریش

پیدائش: مالیر کوٹلہ
تعلیم: ایم اے (ہندی) ایم اے (اردو) پی ایچ ڈی (پنجاب یونیورسٹی)

یا مدوں کے کنظر پر اتر پردیش
اردو اکاڈمی اور مغربی بنگال اُردو
اکاڈمی سے انعامات ملے۔ ۱۹۸۲ء میں
محمد حسین آزاد (تحقیق)، بچوں کے لیے
پہیلیاں اور رنگ برنگے پھول (شہباز
حسین کے اشتراک سے مرتب کیں)
اور ۱۹۸۳ء میں "منتخب افسانے اُردو"
۱۹۸۳ء کی اشاعت ہوئی۔
پتہ: ۱۰ بی۔۶ کرشن نگر۔ دہلی ۱۱۰۰۵۱

نورالحسن ہاشمی

پیدائش: یکم جولائی ۱۹۱۳ء سندیلہ
ضلع ہردوئی (یوپی)
تعلیم: ایم اے فارسی و انگریزی (لکھنؤ
یونیورسٹی)، پی ایچ ڈی (علی گڑھ
مسلم یونیورسٹی)
۴۳-۳۹ ماہنامہ جامعہ کے مدیر۔
۶۸-۱۹۵۴ فروغ اُردو کے ایڈیٹر رہے، ۷۴-
لکھنؤ یونیورسٹی میں اُردو کے پروفیسر

مطبوعات: کلیات ولی ۴۵ء، کلیات
حسرت ۶۶ء، نو طرز مرصع ۵۸ء، ایک نظر
سعدی نامہ ۴۳ء، ادب کا مقصد ۵۶ء، دِلّی
کا دبستان شاعری ۴۹ء، تاریخ کیا ہے،
بکٹ کی کہانی۔
پتہ: اسمٰعیل بلڈنگ یونیورسٹی روڈ
لکھنؤ (اتر پردیش)

واجدہ تبسم

پیدائش: حیدرآباد
تعلیم: ایم اے
مطبوعات: شہر ممنوع، آیا بسنت سکھی
نتھ اُتر گئی، نتھ کا زخم، نتھ کا بوجھ، نتھ
کا غرور، اُترن، کیسے سمجھاؤں، روشنی کا
سوال، پھول کھلنے دو، زخم دل اور مہک
مہک، بجے دریا، مولسری کی چھاؤں،
چشم خون فشاں (ناول)، ساتواں کھیل

پتہ: ...
فلیٹ نمبر ۱ ...

وامق جونپوری

نام: احمد مجتبیٰ، تخلص وامق

پیدائش: ۲۳ فروری ۱۹۱۰ کجگاؤں
ضلع جونپور (یوپی)
تعلیم: بی اے ایل ایل بی
مطبوعات: چیخیں ۱۹۴۸ء جرس
۱۹۵۰ء شب چراغ ۱۹۷۸ء
پتہ: لال کوٹھی شاہ گنج
کجگاؤں ضلع جونپور (یوپی)

وحید اختر

پیدائش: ۱۲ اگست ۱۹۳۵ء
تعلیم: ایم اے فلسفہ، پی ایچ ڈی ۱۹۶۰ء

(جامعہ عثمانیہ)
۱۹۵۳-۵۵ء سے ترقی پسند تحریک
سے وابستہ رہے۔ ۱۹۶۰ء میں علی گڑھ
یونیورسٹی میں لیکچرر [illegible]
شعبہ فلاسفی میں ریڈر ہیں۔
مطبوعات: خواجہ میر درد (تحقیق) نشر
شب (مجموعہ کلام)
پتہ: شعبہ فلاسفی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

وزیر آغا

پیدائش: ۱۹۲۲
تعلیم: پی ایچ ڈی (اردو میں طنز و مزاح
پر تحقیقی مقالہ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور)
ایڈیٹر "اوراق" لاہور
مطبوعات: آدھی صدی کے بعد، مسرت
کی تلاش، اردو ادب میں طنز و مزاح،
اردو شاعری کا مزاج، عبدالرحمان
چغتائی، شخصیت اور فن، تخلیقی عمل،
دوسرا کنارہ (انشائیے) چوری سے یاری
تک، تنقید ادب، مجلسی تنقید، تنقیدی
احتساب، نئے مقالات، اقبال کے

اخبارات و رسائل

۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والے کچھ اخبارات ورسائل

روزنامے

امین وطن	عزیز سیٹھ	بنگلور
ٹیپو سیل	سلیم تمنائی ۳۲۰۸	عیدگاہ میسور (کرناٹک) بنگلور
جذبات	اوم پرکاش کمت	جالندھر
مسلم یوتھ	عشرت نظیر آزاد	۳۴ کینو فریلین کلکتہ ۔ ۱۳

ہفت روزہ

الفان	حامد اکمل	مومن پورہ گلبرگہ
تذکرہ بھوپال	محمد اسرار خاں	بہڑہ چودھری عزت نگر بھوپال
جدید الفتح	اسلم کرتپوری	تانبا والا بلڈنگ کارٹر گرانٹ روڈ بمبئی ۷
جدید منزل	سید ابراہیم	منیار محلہ قدیم جالنہ
حبوبہ	سرفراز علی	سناروں کی گلی حیدرآباد
خوشنوائے شان	فیاض الحسن صدیقی	۹۲/۱۱ شیخ پورہ کانپور (یوپی)
دکن کا ستارہ	محمد صابر صفی	یلکل گوڑہ سکندرآباد (آندھرا)
ڈوگرہ منڈل	شام لال شرما	بلوڑہ جموں
سوامی کی آواز	این پی اننت سوامی	رام کوٹ حیدرآباد
عدل وانصاف	صوفی آصف خاںؒ	ڈوڈہ جموں
کارستان	شکیل انصاری	بھاکری روڈ دھولیہ
لازوال	جمشید اختر	جموں
مقابلہ مورچہ	اسلم صدیقی	۱۱۵۲ چوڑی والان چوک مٹیا محل دہلی

پندرہ روزہ

[illegible]	سہیل آفندی	زہرہ باغ علی گڑھ
[illegible]	اعجاز احمد خلیل	بہادر پورہ حیدرآباد (آندھرا)

انوارِ جہاں — احمد سہیل صدیقی — ۲/۴۵ جنگ پورہ (بی) نئی دہلی

ماہنامہ

رسالہ	مدیر	پتہ
الفیصل	محمد ہاشم القاسمی	حمایت نگر حیدرآباد
انوارِ جہاں	احمد سہیل صدیقی ۲/۴۵	جنگ پورہ (بی) نئی دہلی
استعارہ و اسلوب	حماد قریشی	کھاری باولی گلبرگہ (کرناٹک)
انشاء	ف س اعجاز	کناکی سیل اسٹریٹ کلکتہ ۳
پاکیزہ آنچل	غزالہ صدیقی	جے۔ ۱۸ جنگ پورہ ایکسٹنشن نئی دہلی
ترسیل	صغیر احمد صغیر	منی مسجد کیوال بیگ گیا (بہار)
جمالِ ہند	ڈی ڈی ٹھاکر	شاہجہان روڈ نئی دہلی
روشن اردو چراغ	محمد سلیم	۳۸۳ اٹالہ الہ آباد
صراط المستقیم	میر لقا علی	۱۰ انو جونٹ روڈ مدراس
مرغِ چمن	محمد حسن امام	ڈاک بنگلہ روڈ گیا

سہ ماہی

رسالہ	مدیر	پتہ
فکر و آگہی	رضیہ حامد	۶۵ بی سیکٹر ۲۳ نواباد [illegible] پردیش ۲۰۱۳۰۱

۱۹۸۷ء میں شائع ہونے والے کچھ اخبارات و رسائل

لکھنؤ

رسالہ	مدیر	پتہ
آفتابِ عالم	راحم لعل	
[illegible]	نوجوان شروت	۲۰۰۔ ڈی [illegible] ایکسٹنشن نئی دہلی
[illegible]	[illegible] سلیم	۱۰ بی گوا چاند روڈ کلکتہ [illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible] دہلی

روزنامے

نام اخبار/رسالہ	سن اشاعت	ایڈیٹر	پتہ
آبشار	۱۹۵۵ء	ابراہیم ہوش	۵، فیرس لین کلکتہ - ۷۰۰۰۷۲ (مغربی بنگال)
آج	۱۹۵۳	ایس ایس احمد	اسٹیشن بازار مارگ اورنگ آباد (مہاراشٹر)
آج کی آواز	۱۹۷۹	حمید بن وحید	دیوانی ڈیوڑھی اورنگ آباد (مہاراشٹر)
آزاد	۱۹۲۹	عبدالہادی رفعت	ابراہیم صاحب اسٹریٹ بنگلور (کرناٹک)
آزاد	۱۹۴۸	کاظم رضوی	تیلیہ نالہ وارانسی (یوپی)
آزاد ہند	۱۹۴۸	احمد سعید ملیح آبادی	۲۲/۱/۷، ساگر دت لین کلکتہ (بنگال)
آفاق	۱۹۸۱	بدنام رفیعی	نزد پولیس کمشنر آفس پرانی حویلی حیدر آباد (آندھرا)
آفتاب	۱۹۵۷	نثار اللہ بٹ	بادشاہ ہوٹل بلڈنگ سری نگر (کشمیر)
آفتاب جدید	۱۹۷۸	محمد غضنفر علی خاں	کیشو بھون بھوپال (مدھیہ پردیش)
آفتاب کرناٹک	۱۹۷۶	شفیع احمد شریف	۲۳۴۸ لورڈ نگر میسور (کرناٹک)
آئینہ	۱۹۶۴	ظفر معراج	ریذیڈنسی روڈ سری نگر (کشمیر)
اپنا اخبار	۱۹۸۰	سراج احمد دہلوی	بھیونڈی بمبئی ۱۸
اتحاد وطن	۱۹۳۴	امین اعجازی	صبا منزل سبزی باغ پٹنہ بہار
اجیالا	۱۹۵۳	سوم دت شرما	پکا ڈنگہ جموں (کشمیر)
اجیت	۱۹۷۸	سادھو سنگھ ہمدرد	نہرو گارڈن روڈ جالندھر (پنجاب)
اخبار مشرق	۱۹۸۰	ایم ڈبلیو حق	۱۲- درگاہ روڈ کلکتہ (مغربی بنگال)
اردو ٹائمز	۱۹۷۱	سعید احمد	۲۲۲- مولانا آزاد روڈ بمبئی (مہاراشٹر)
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] روڈ بمبئی (مہاراشٹر)

اُردو کرنٹ	۱۹۷۳ء	وحید ارشد	عقب بچھ پلیس نظام آباد (آندھرا)
افکار	۱۹۵۱ء	مقصود عرفانی	سلطانیہ روڈ ابراہیم پورہ بھوپال
اقرار	۱۹۸۳ء	حیات خاں	۱۴ اے کے ایم لین کلکتہ ۱۴ (مغربی بنگال)
اقبال	۱۹۶۸ء	غلام نبی خیال	ریذیڈنسی روڈ سری نگر (کشمیر)
الجمعیۃ	۱۹۱۵/۱۹۲۴	ناز انصاری	گلی قاسم جان دہلی
المحصرا	۱۹۶۶	عتیق اللہ خاں حنفی	بدھوارہ بازار بھوپال (مدھیہ پردیش)
الکلام	۱۹۲۴	جی ایم غفار جامی	جیا نگر بنگلور (کرناٹک)
امروز	۱۹۵۱	سفیان عالم	۹ بی بولائی دت اسٹریٹ کلکتہ (بنگال)
اِن دنوں	۱۹۷۵/۷۸	سید محمد عاصف	شیو پور نیجہ ٹولی پٹنہ (بہار)
"	۱۹۸۴	سید محمد عاصف	۸۸- نارتھ ایونیو نئی دہلی
انڈین ٹائمز	۱۹۷۴	سید فاروق	لال چوک سری نگر (جموں کشمیر)
انقلاب	۱۹۳۸	خالد انصاری	تاردیو روڈ بمبئی ۳۴ (مہاراشٹر)
انگارے	۱۹۵۴	معین فاروقی	ونایک راؤ معظم جاہی حیدرآباد (آندھرا)
اورنگ آباد ٹائمز	۱۹۶۸/۷۸	عزیز خسرو	بڈی لین اورنگ آباد (مہاراشٹر)
ایڈوانس	۱۹۶۷/۷۴	کامریڈ راج گپتا	مکھدانا بازار جموں (کشمیر)
برائٹلس	۱۹۷۸	سید محمد ابراہیم	پیری میپن اسٹریٹ مدراس ۱
بے بس	۱۹۷۰	دھرم پال گوہر	محلہ سودن لدھیانہ (پنجاب)
پاسبان	۱۹۴۶	محمد اسماعیل تابش	میناکشی کوائل اسٹریٹ بنگلور (کرناٹک)
پرتاپ	۱۹۱۹/۴۹	ویریندر	نہرو گارڈن روڈ جالندھر (پنجاب)
پرتاپ	۱۹۱۹	کے نریندر	بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
پیغام	۱۹۴۵	وجیہ الدین	چمن گنج کان پور (اترپردیش)
پیغام [illegible]		سید فصیح الدین	پٹنہ [illegible] (بہار)
تیج	۱۹۲۳	وشو بندھو گپتا	نیا بازار دہلی
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

[illegible] ۱۹۵۰ [illegible] [illegible] میسور (کرناٹک)

تیر و نشتر ۱۹۶۵ ایم سلیمان فضل گنج کان پور (اترپردیش)

تمل ناڈو ٹائمز ۱۹۶۲ عبدالوہاب صوفی ٹرپلی لین مدراس ۵ (تامل ناڈو)

جالندھر رپورٹر ۱۹۶۹ کرشن کمار کالرا نیو ریلوے روڈ جالندھر (پنجاب)

جدید اردو رپورٹر ۱۹۶۹ اے راشد صغیر احمد مور لینڈ روڈ بمبئی (مہاراشٹر)

جمہوریت ۱۹۶۹ ایس ای حسنین ۲۸ کیشو راؤ کھاڈے مارگ، جیکب سرکل
بمبئی-۱۱ (مہاراشٹر)

چھوٹا اخبار ۱۹۸۳ سعید محمد ابراہیم ۳۰-پیری ملین اسٹریٹ مدراس-۱۴

حق بات ۱۹۷۶ شیخ چاند وودھ باؤلی پالم روڈ حیدرآباد (آندھرا)

حیدرآباد کرناٹک بلیٹن ۱۹۷۴ ایم اے حمید گولتھانہ دیم بیدر (کرناٹک)

خانۂ خدا شریف مصطفےٰ زاہد میسور (کرناٹک)

خدمت ۱۹۲۹ این ایل وانل دی بنڈ سری نگر (جموں و کشمیر)

خلافت ۱۹۲۱ زیڈ اے خاں خلافت ہاؤس مولی شاہ لین بمبئی-۲۷
(مہاراشٹر)

خوشتاب ۱۹۶۸/۷۴ جی ایم عروج کھیتہ بالیسنی حیدرآباد (آندھرا)

دیش پلیشیں ۱۹۷۵ کیدار ناتھ سنگھ دربار پور پٹنہ (بہار)

ذبیح ۱۹۷۱ اسماعیل ذبیح اندرون یاقوت پورہ حیدرآباد (آندھرا)

راجستھان لیڈر ۱۹۸۲ راجندر کمار ۷۰۸ دریبہ پان جے پور (راجستھان)

راہ رو ۱۹۷۹ شفیق المنی بینور پکر لین پٹنہ ۴ (بہار)

ریحان ۱۹۵۹ الوپ شرما بالمقابل منروا سینما لدھیانہ (پنجاب)

[illegible] ۱۹۶۲ شفیق احمد انصاری ہمایوں باغ کان پور (اترپردیش)

[illegible] ۱۹۷۹ رئیس الدین فریدی ۱۷ سکرودت لین کلکتہ (مغربی بنگال)

[illegible] ۱۹۶۳ [illegible] کشمیری [illegible] لال چک سری نگر (کشمیر)

[illegible] ۱۹۶۳ [illegible] یاقوت پورہ حیدرآباد (آندھرا)

[illegible] [illegible] [illegible] حیدرآباد (آندھرا)

اخبار	سال	مدیر	پتہ
رہنمائے ملت	۱۹۷۳	سید صادق علی	نیو باغ حیدرآباد (آندھرا)
رہنمائے کرناٹک	۱۹۶۷/۶۸	سید عبدالقادر	سینیز روڈ بنگلور (کرناٹک)
زبان خلق	۱۹۶۷	خطیب انصاری	۹۳ چاندپورہ گیٹ مالیگاؤں ناسک (مہاراشٹر)
زمیندار	۱۹۶۴/۷۰	محمد شفیع سمنانی	مولانا آزاد روڈ امیراکدل سرینگر (جموں کشمیر)
ساتھی	۱۹۴۹	پرویز انجم	دریاپور پٹنہ
سازِ دکن	۱۹۷۲	باقر حسین شاد	چتا بازار حیدرآباد (آندھرا)
سالار	۱۹۶۴	کے رحمان خاں	۲۸۳ کیولری روڈ بنگلور (کرناٹک)
سحر	۱۹۸۲	-	ناندیڑ پربھنی (آندھرا)
سرینگر ایکسپریس	۱۹۷۴	عبدالرحمن میر	کرن نگر سرینگر (جموں کشمیر)
سری نگر ٹائمز	۱۹۶۹	صوفی غلام محمد	بڈشاہ برج سرینگر
سلامتی	۱۹۷۰	حکیم شاکر	بی بی مسجد موتی پورہ گلبرگہ (کرناٹک)
سندیش	۱۹۴۷	نذیر حسین سمنانی	ویرمارگ جموں (جموں کشمیر)
سنگم	۱۹۵۲	مظاہر الدین ایڈوکیٹ	لالہ زار منزل دریاپور پٹنہ (بہار)
سماج	۱۹۵۳	ٹی۔آر مہندرا	چوڑا بازار لدھیانہ (پنجاب)
سویرا	۱۹۶۸	جمنا داس اختر	پٹودی ہاؤس۔دہلی
سیاست	۱۹۴۹	عابد علی خاں	جواہرلال نہرو روڈ حیدرآباد (آندھرا)
سیاست جدید	۱۹۵۷	محمد اسحاق علمی	چمن گنج کان پور (اترپردیش)
شاردا	۱۹۴۸	شیام لال رازداں	ویرمارگ جموں (جموں کشمیر)
شانِ ملت	۱۹۷۹	محمد الیاس اصلاحی	۱۴۔ مولانا محمد علی روڈ کلکتہ (مغربی بنگال)
شمس	۱۹۷۶	محمد منور/نذیر احمد	تراب علی اسٹریٹ منڈی موری [illegible]
صدائے عام	۱۹۴۲	سید رضی حیدر	پٹنہ (بہار)
صداقت	۱۹۴۹	نند سنگھ جنڈو	چوڑا بازار لدھیانہ (پنجاب)
فانوس	۱۹۶۸	[illegible] حسین	سبزی باغ پٹنہ (بہار)
[illegible]	[illegible]	[illegible] گپتا	پٹنہ بازار [illegible]

عصرِ [illegible]	۱۹۰۶/[illegible]	جمیل مہدی	[illegible] پارک لکھنؤ (اتر پردیش)
عصرِ جدید	۱۹۱۹	سبحان عالم	۹ بی بالائی دت روڈ کلکتہ
عظیم آباد ایکسپریس	۱۹۸۰	رضوان احمد	سبزی باغ پٹنہ (بہار)
عکس	۱۹۶۶	کریم رضا مونگیری	۲۳ چترنجن ایونیو کلکتہ
عمارت	۱۹۶۳	بابو رام گپتا	محلہ جنکیاں جموں (جموں کشمیر)
عندلیب	۱۹۶۴	محمد یوسف [illegible]	ہلوی کوپر اسٹریٹ بمبئی-۳ (مہاراشٹر)
غازی	۱۹۶۲	وقار مشرقی	۶-ایڈن ہسپتال کلکتہ ۲۳، (مغربی بنگال)
قومی آواز	۱۹۶۶	رگھو ویر مکت	ویر مارگ جموں
قومی آواز	۱۹۸۲	عشرت علی صدیقی	بمبئی
قومی آواز	۱۹۸۲	”	پٹنہ (بہار)
قومی آواز	۱۹۸۱	”	بہادر شاہ ظفر مارگ (نئی دہلی)
قومی آواز	۱۹۴۵	”	قیصر باغ لکھنؤ (اتر پردیش)
قومی تنظیم	۱۹۵۸	ایس ایم فریدی	صبا منزل سبزی منڈی پٹنہ (بہار)
قومی جنگ	۱۹۶۷	ہاشم رضا عابدی	خاص روڈ رام پور (اتر پردیش)
قومی مورچہ	۱۹۶۵	صفی الرحمن انصاری	رسول پورہ وارانسی (اتر پردیش)
کلام مشرق	۱۹۶۸	معین اختر انصاری	۹۲/۱۱ بیج روڈ کانپور "
کوثر	۱۹۷۶	خلیل بیباک، ایم سرکار	۲۴-۳۰ اشوک [illegible]
کوہکن	۱۹۸۳	انوار الہدیٰ	سبزی باغ پٹنہ (بہار)
گنج	۱۹۸۴	سرفراز صدیقی	لال مسجد روڈ مرادآباد
لدھیانہ ایکسپریس	۱۹۷۲	کرتار سنگھ گرومر	فیلڈ گنج لدھیانہ (پنجاب)
لدھیانہ پوسٹ	۱۹۶۴	ست پال گور	۲۳/۱۷ محلہ [illegible] گنج لدھیانہ (پنجاب)
[illegible]	۱۹۶۰	[illegible] جلال	[illegible]
[illegible]	۱۹۳۱	[illegible]	[illegible] سری نگر (جموں کشمیر)
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

مسلمان	۱۹۲۷	[illegible]	والاجاہ روڈ مدراس ۲ (تامل ناڈو)
مشیر دکن	۱۸۸۴	[illegible]	[illegible] کولن گنڈا حیدرآباد (آندھرا)
مقدس	۱۹۷۸	محمد شریف	روشن خاں نزد کالی چوک اورنگ آباد (مہاراشٹر)
ملاپ	۱۹۴۹	یش	ملاپ روڈ جالندھر (پنجاب)
ملاپ	۱۹۴۹	یدھ ویر	معظم جاہی روڈ حیدرآباد (آندھرا)
ملاپ	۱۹۲۳	نوین سوری	بہادر شاہ ظفر مارگ نئی دہلی
منصف	۱۹۷۷	محمود انصاری	ناسپلا اسٹیشن روڈ حیدرآباد (آندھرا)
ناظم	۱۹۳۷	ناظم علی خاں	بازار نصراللہ خاں رامپور (اترپردیش)
ندیم	۱۹۳۵	اشفاق	قمر منزل بکھیرا پورہ بھوپال (مدھیہ پردیش)
نقشبند	۱۹۷۴/۷۸	بشیر بن قاسم	نیو سیکریٹریٹ روڈ سرینگر (جموں کشمیر)
نوائے صبح	۱۹۶۷	جی ایم چکن	زیرو برج سرینگر (جموں و کشمیر)
نوجیون	۱۹۶۱/۶۹	شمبھو ناتھ کاچرو	ریڈ کراس روڈ سرینگر (جموں کشمیر)
نوید دکن	۱۹۶۷	محبوب عالم خاں	اعتبار روڈ حیدرآباد (آندھرا)
نیا سنسار	۱۹۷۸	آر کے پوری	گل شہید مرادآباد (اترپردیش)
نیا سنسار	۱۹۵۹/۷۸	جی آر عرفانی	لال چوک سرینگر (جموں کشمیر)
نیا کاروان	۱۹۷۱	قادر علی بیگ	بنک اسٹریٹ ٹروپ بازار حیدرآباد (آندھرا)
وقت	۱۹۶۷/۷۵	اندر سنگھ	موتی بازار جموں (جموں کشمیر)
وکیل	۱۹۳۲	کے نیش وکیل	سری نگر (جموں کشمیر)
ولر	۱۹۶۵	غلام محمد ڈار	ریڈ کراس روڈ سرینگر (جموں کشمیر)
ہمارا بہار	۱۹۸۲	اسلم آزاد	مرادپور لین پٹنہ ۴ (بہار)
ہمارا نعرہ	۱۹۶۳	محمد شمس الہدیٰ	سبزی باغ پٹنہ (بہار)
ہماری آواز	۱۹۴۶	ایس اشرف حسین	چمن گنج کانپور (اترپردیش)
ہمدرد	[illegible]	جی آر [illegible]	لال چوک سری نگر (جموں کشمیر)
ہندوستان	۱۹۳۸	[illegible]	[illegible]
ہند سماچار	۱۹۴۸	[illegible]	[illegible] جالندھر (پنجاب)

مشرقی آواز	۱۹۸۵ء	ناز انصاری	مٹیا محل جامع مسجد دہلی ۔۔۔
معیار حق	۱۹۸۵ء	اے ڈی واجپئی	دھولیہ
مفتیر	۱۹۷۸ء	زیڈ ایچ خان	نظام الدین اولیا روڈ اورنگ آباد
مونس	۱۹۸۳ء	انوار حسین	
نیا بھارت	۱۹۸۵ء	جسونت سنگھ باوا	لدھیانہ (پنجاب)
نیر اعظم	۱۹۸۴ء	شکیل حسین	نواب پورہ مراد آباد (اترپردیش)
وادی کی آواز	۱۹۸۵ء	غلام نبی خیال	سری نگر (کشمیر)

سہ روزہ اخبار

پابندی	۱۹۷۲	آر ایل سرین	۲۲۲ پرتاپ گڑھ جموں (جموں توی)
حق	۱۹۶۴	چودھری رام سروپ پکا ڈنگہ جموں	(" ")
دعوت	۱۹۸۳ء	سلطان شکوئی	۱۵۲۵ سوئی والان دہلی

ہفت وار

آبگینہ	۱۹۸۵ء	گورچرن سنگھ رہبر	جتوں
آج اور کل	۱۹۸۴ء	بابر صدیقی	تکیہ روشن دل یاقوت پورہ حیدرآباد
آدرش	۱۹۶۶	معین شاہد	آبگلہ بنیاد گنج گیا (بہار)
آرزوئے ہند	۱۹۶۶	جاوید حسین	۱۶- رانڈ اسٹریٹ کلکتہ (مغربی بنگال)
آریہ گزٹ	۱۸۸۵	درگا داس	پٹودی ہاؤس دریا گنج دہلی
آریہ ویر	۱۹۷۵	گیان چند ورما	ملک پیٹھ حیدرآباد - ۳۶ (آندھرا)
آزاد	۱۹۵۴	شفیق احمد آزاد	بازار نخاسہ سہارنپور (اترپردیش)
آزاد ہند		یوگ راج آنند	لکھ دانا بازار جموں (جموں کشمیر)
آفتاب بیدر	۱۹۸۲	سید شاہ فرید اللہ علوی	جے پی روڈ بیدر
آفتاب ہند	۱۹۷۳	محمد عبدالقادر زریں رقم	۲۹-۴-۲۲ سلطان پورہ حیدرآباد
آندھرا گزٹ	۱۹۷۸	محمد عزیز اللہ	نزد مکہ مسجد حیدرآباد (آندھرا)
آندھرا پنچ	۱۹۶۳	ملک محمد علی خاں	جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد (آندھرا)
آندھرا جرنل	۱۹۶۹	رفیق سلطان قریشی	مشیرآباد ۔۔۔

رسالہ	سنہ	مدیر	پتہ
آواز وطن	[illegible]	ابراہیم فطرت	۸۲ قاضی اسٹریٹ بمبئی (مہاراشٹر)
آواہن	۱۹۶۱	ستیہ پال بہل	چکری بازار بٹالہ
آئینۂ چشم	۱۹۸۵	احمد ملکش	۱۸۱-۶-۳ سعید نگر حیدرآباد (آندھرا)
اُجالا	۱۹۴۵	احمد سعید ملیح آبادی	ساگر دت لین کلکتہ (مغربی بنگال)
اخبار مغرب	۱۹۸۳	اقبال جاوید	۳۸ رپن لین کلکتہ ۱۶
اخبار نو	۱۹۸۲	م۔ افضل	۲۱۴۳ ترکمان گیٹ نئی دہلی
اخبار وطن	۱۹۷۹	عبداللہ کمال	۱۳۸ اسٹیکر اسٹریٹ بمبئی (مہاراشٹر)
ادیوگ	۱۹۷۸	محمد اسحاق گلشنی	ایم جے روڈ حیدرآباد (آندھرا)
ارتسام	۱۹۷۹	عبدالرؤف	نئی آبادی ناندیڑ
اُردو ایکشن	۱۹۸۳ء	حافظ ماجد حسین	کلول پارک حیدرآباد
اسکائی لائٹ	۱۹۷۶	خواجہ نصر الدین	چھاونی نادر علی بیگ حیدرآباد
اشاعت حق	۱۹۸۰	نسیم اختر شاہ قیصر	محلہ خانقاہ دیوبند (اترپردیش)
اشتراک	۱۹۶۶	ایم کوشیا دی راہی	قاضی پور خورد گورکھپور
اصلاح وطن	۱۹۶۲	فدا صدیقی	محلہ چوب فراش سہارنپور
الانصاف	۱۹۸۳	محمد ہاشم پرویز	۳۸ جعفر نگر مالیگاؤں
الجبل		مختار الحق	۲۹ کوتوالی روڈ بھوپال (مدھیہ پردیش)
الجمہور	۱۹۸۱	اکبر علی	۲۱۰-۷-۱۷ ناگا باؤلی حیدرآباد (آندھرا)
امانت	۱۹۷۱	احمد کبیر	پھلواری شریف پٹنہ (بہار)
امن کش	۱۹۷۳	ایم نور الحسن	[illegible] حیدرآباد
امروز ہند	۱۹۶۳	جاوید محمود	پھلواری کوٹھی دریاباد پٹنہ
انڈسٹریل نیوز	۱۹۸۰	خواجہ علی فضل شرار	حیدرآباد (آندھرا)
انڈین نیوز	۱۹۴۳؟	محمد مشتاق حسین	[illegible] حیدرآباد (آندھرا)
[illegible]	۱۹۷۹	[illegible] صدیقی	[illegible] سہارنپور (اترپردیش)
[illegible]	۱۹۷۳	[illegible]	[illegible] حیدرآباد (آندھرا)
[illegible]	۱۹۵۳؟	[illegible]	[illegible]

...ٹ	۱۹۷۵	احمد خاں	نیو آغا پورہ حیدرآباد (آندھرا)
...رن	۱۹۸۱	احمد امین	منگوارہ روڈ مالیگاؤں
...لاوت	۱۹۵۹	لطیف قریشی	نودھن وینگور (آندھرا)
...ب وطن	۱۹۵۵	جگن ناتھ ساہنی	۴۳۸ محلہ شاہ آباد بریلی (اترپردیش)
حقیقت	۱۹۱۹	احمد توفیق علوی	چودھری گڑھیا لکھنؤ
حیات	۱۹۶۳	مقیم الدین فاروقی	اجے بھون کوٹلہ روڈ نئی دہلی-۲
خبردار	۱۹۵۰	بخشی رام لعل	مہابیر بازار سہارنپور
دکھتی رگ	۱۹۷۴	اسلام محمد انصاری	چمن گنج کانپور (اترپردیش)
دھروتک	۱۹۸۰	کلدیپ شرما	رنبیر سنگھ پورہ جموں
دیار ادب	۱۹۸۵	ضمیر ساجد	نزد مومن پورہ مسجد آکولہ (مہاراشٹر)
دیروز	۱۹۶۱	چراغ اعظمی	مئو ناتھ بھنجن ضلع اعظم گڑھ (یوپی)
ڈسپلن	۱۹۷۵	زین العابدین	۱۷۴ پدصوارہ مالیگاؤں ضلع ناسک (مہاراشٹر)
ڈگر		مدن لال کیف	بھٹنڈہ (پنجاب)
ذوالقرنین	۱۹۰۳	مونس نظامی	سوتھا بدایوں (اترپردیش)
راجوری ٹائمز	۱۹۸۴	جیالال راجوروی	وارڈ نمبر ہری جن کالونی راجوری (جموں کشمیر)
رام پور ٹائمز	۱۹۵۹	چاند کمار سکسینہ	کندہ اسٹریٹ رامپور (اترپردیش)
راہ عمل	۱۹۶۲	عبدالرزاق قادری	۴۷۲ محلہ کشن گنج دہلی ۱۱۰۰۰۶
ریحان	۱۹۵۹	انوپ شرما	گھنٹہ گھر لدھیانہ (پنجاب)
رشک ہند	۱۹۸۴	شکیل احمد	شیو پور تکیہ ٹولی پٹنہ (بہار)
روح وطن	۱۹۷۷	معجز نقوی	بہوکنگھی ٹولہ بریلی (اترپردیش)
روداد چمن	۱۹۷۵	شکیل الرحمن شمسی	پنجابیاں پیلی بھیت (اترپردیش)
روزنامہ سماچار	۱۹۷۸		پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی
روشنی	۱۹۵۷	تبسم علی پوری	سونی پت (ہریانہ)
رہبر علم	۱۹۸۳	—	اندرون دارالسلام حیدرآباد (آندھرا)
رہگذر	۱۹۸۳	محمد عبدالرزاق خلیفی	... نگر حیدرآباد (آندھرا)
رہنمائے خواتین	۱۹۸۱	محمد ...	۲-۴-۳۳۰ ... حیدرآباد (آندھرا)

رسالہ	سنہ	مدیر	پتہ
رہنمائے عادل آباد	۱۹۸۳	محمد صدیقی	احتساب جنرل بھینسہ ضلع عادل آباد (آندھرا)
رفتار عصر	۱۹۷۱	[illegible]	کرشن نگر جموں (جموں کشمیر)
ساز دکن	۱۹۸۵ء	محمد باقر حسین شاد	سالار جنگ مارکیٹ حیدرآباد
ستیہ وانی	۱۹۸۱	سادھو رام شرما	اکھنور " "
سری نگر بلیٹن	۱۹۸۳	غلام نبی شاد نورانی	باغ نالہ مار روڈ سری نگر
سٹی زون ٹائمز	۱۹۸۱	محمد مصطفیٰ نوری	اشرفیہ چوک مالیگاؤں ضلع ناسک
سحر	۱۹۶۰	ایم اے قیوم خاں	وزیر آباد ناندیڑ پربھنی (مہاراشٹر)
سرخی	۱۹۷۸	جعفر حسین	گل شاہ چارہ لکھنؤ (اترپردیش)
شیراز	۱۹۲۵	مصطفیٰ حسین رضوی	تندن محل روڈ لکھنؤ " ")
سنہری شعاع	۱۹۷۸	کامریڈ گردھاری لال	جموں (جموں کشمیر)
سوز و ساز	۱۹۸۳	فرہاد حسین جعفری	شیش گڑھ ضلع بریلی (اترپردیش)
سوویت دیش	۱۹۵۵	اجمل اجملی	۲۵ بارہ کھمبا روڈ نئی دہلی
سہارا	۱۹۸۵ء	اطہر عزیز	[illegible]
سہارنپور پریس	۱۹۷۹	چرنجیت لال چوہان	فوٹو اسٹوڈیو کورٹ روڈ سہارنپور (اترپردیش)
سہارنپور ٹائمز	۱۹۵۹	کے سی گلانی	نہرو مارکیٹ سہارنپور (اترپردیش)
سیاس	۱۹۷۱	محمد عبدالغنی	یوسف بازار ریاوال حیدرآباد (آندھرا)
سیاست ہند	۱۹۷۳	کے ایم مرشد	آغا بازار حیدرآباد (آندھرا)
سید الاخبار	۱۹۳۶	میر منصف علی	نزد مسجد امامیہ چادر گھاٹ حیدرآباد
سیکولرزم	۱۹۸۵ء	میر فصاحت علی	ظفر گڑھ حیدرآباد
سیکولر محاذ	۱۹۸۵ء	ساحل عظیم آبادی	پٹنہ
سینک سماچار	۱۹۵۳	پریم پال اشک	وزارت دفاع دہلی
شان بریلی	۱۹۸۳	شکیل نظامی	بریلی (اترپردیش)
شاہکار	۱۹۵۷	انور ہاشمی	نظام باغ دیوان دیوڑھی حیدرآباد
شاہین	[illegible]	شکیل احمد	قصاب باڑہ گلی دھولیہ
[illegible]	[illegible]	ایم آئی خان	[illegible] (مہاراشٹر)
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible] (آندھرا)
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

شہر ملہ	۱۹۷۱	مسعود اختر	قدوائی روڈ مالیگاؤں ناسک
شیر پنجاب	۱۹۱۲	جنگ بہادر سنگھ	ہیمکنٹ ہاؤس ۹ راجندر پیلس نئی دہلی
شیش ناگ	۱۹۶۴	شمیم نذیر احمد شاہ	اسلام آباد کشمیر
صحافی	۱۹۷۵	غلام نبی شیدا	سری نگر جموں (جموں کشمیر)
صداقت	۱۹۲۵	خواجہ عبدالقدیر	اولڈ توپ خانہ روڈ کانپور یوپی
صدائے حق	۱۹۶۱	مائل صدیقی الوارثی	کرولی مرادآباد (اترپردیش)
صدائے سیاست	۱۹۸۱	مرزا محمد قربان	۲۲/۱۳۲ مصری بازار کانپور (یوپی)
صدائے ہند	۱۹۳۲	محمد اسرار الدین	شادی چنگ مرادپور پٹنہ
صور انقلاب	۱۹۸۳	محمد قمر الدین	عقب نوتن کالونی اورنگ آباد
عادل آباد ٹائمز	۱۹۷۸	کمال جونتری	... ضلع اورنگ آباد (آندھرا)
عظیم آباد ایکسپریس	۱۹۴۴	رضوان احمد	سری باغ پٹنہ ۴ (بہار)
علم وعمل	۱۹۷۷	صدیق علی قادری	روپ لال بازار حیدرآباد (آندھرا)
عوامی آواز	۱۹۵۰/۷۸	زین العابدین	محمد علی روڈ مالیگاؤں ناسک
عوامی اقتدار	۱۹۵۵	ایم اے جلیل	۶-۹-۱۹۰-۶۹۱ دیم ملک پیٹھ حیدرآباد
فروغ	۱۹۴۸	محمد صدیق سیفی	خسرو باغ روڈ رامپور
فلم انڈیا نس	۱۹۸۵	کے ایس اقبال	سپکس روڈ حیدرآباد
فیض ذکر	۱۹۷۵	ایچ اے صدا	۳-۲۱-۱۷ دبیر پورہ بازار حیدرآباد
قصر خیال	۱۹۸۳	ریاض احمد	محلہ ذخیرہ بریلی (اترپردیش)
قومی ارتقا	۱۹۸۳	محمد ابراہیم خان	بچہ گٹ حیدرآباد
قومی ترانہ	۱۹۸۵	اے اے ساگر	راج دوارہ رامپور (اترپردیش)
قومی ترجمان	۱۹۸۲	سلیم احمد	والا قدر روڈ لکھنؤ (" ")
قومی دنیا	۱۹۷۰	نصیر الدین	۲۲۵ بلیماران دہلی
قومی سفر	۱۹۸۰	اردو ...	... (بہار)
قومی محاذ	۱۹۶۷	...	... بازار اورنگ آباد ...
قومی ہمدرد	۱۹۶۱	... الرحمٰن خاں	... بریلی (اترپردیش)
کاتب	۱۹۶۴	...	۵- ...
... کاروستان	۱۹۶۲	شکیل انصاری	۲- ...

معیارِ حق	۱۹۷۵	ڈی اے واجد بھیا	مادھو پورہ دھولیہ (مہاراشٹر)
معیارِ قوم	۱۹۶۹	جمیل اصغر	۲۵۴۲ لین نمبر ۲ مادھو پورا دھولیہ
مگدھ ایکسپریس	۱۹۸۴	سید محمد آصف	سیوپور تکیہ لولی پٹنہ (بہار) راشٹر)
منزل	۱۹۶۸	سید ابراہیم خاں	منہار محلہ جالنہ
منشور	۱۹۸۲	سید نیر حسن	۳-۹-۹ قلعہ روڈ نظام آباد (آندھرا)
منصوبہ	۱۹۷۴	جمال ہاشمی	مولانا آزاد روڈ پربھنی ۴۳۱۴۰۱ (مہاراشٹر)
مورچہ	۱۹۶۳	کلام حیدری	محلہ بیر گنج گیا (بہار)
مومن انڈیا		عشرت علی انصاری	۲۰ رشید مارکیٹ دہلی
مہاجن سماچار	۱۹۵۱	پریم کمار مہاجن پریم	۴۷۷/۲ سبھاش مارگ نئی دہلی-۲
مہدی ٹائمز	۱۹۸۳	امجد مہدی	۲۲۸-۴-۱۹ چنچلگوڑہ حیدرآباد ۲۴
میرا ایمان	۱۹۸۲	جلال الدین اکبر	کرما گوڑہ حیدرآباد
میرٹھ میلہ	۱۹۶۸	اختر الاسلام	۱۵۸ شاہ پتن میرٹھ (اترپردیش)
نوائے بنکر	۱۹۷۵	اصغر انصاری	۱۵۹ دبل باغ مالیگاؤں ناسک
ندائے عوام	۱۹۸۱	سبط حسن	برہمپورہ قلعہ مظفرپور (بہار)
ندائے ملت	۱۹۴۶	عبدالقدوس	گوائن روڈ لکھنو
نشیمن	۱۹۶۲	عثمان اسد	۱۵/۹ ابراہیم صاحب اسٹریٹ بنگلور
نظارہ	—	فضل نقوی	وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنو
نقوش	۱۹۸۲	محمد عبدالستار عارف	وزیرآباد ناندیڑ (آندھرا)
نقوش	۱۹۷۵	حمید اللہ خاں	سمیع اللہ خاں مارگ صدر ناگپور
نقیب	۱۹۵۹	شاہد رام نگری	پھلواری شریف پٹنہ بہار
نمود	۱۹۸۲	کمال الدین	مرلی ہل روڈ گیا (بہار)
ننگل سماچار	۱۹۸۴	بشن داس تسوا	مین مارکیٹ ننگل ٹاؤن (پنجاب)
نوائے وطن	۱۹۷۳	قاری محمد اسحاق	سہارن پور
نورالصباح	۱۹۸۰	راجہ جاوید اقبال	نیو سکریٹریٹ روڈ سری نگر (جموں کشمیر)
نوید سحر	۱۹۷۷	کاظم علی خاں	قلعہ روڈ نظام آباد (آندھرا)
نیا دور	۱۹۶۲	میر محمد یوسف چشتی	سونا مسجد سری نگر (جموں کشمیر)

نئی دنیا	۱۹۵۶	عزیز ربانی عزیز	جون پور
نئی دنیا	۱۹۷۳	شاہد صدیقی	نظام الدین ویسٹ مارکیٹ نئی دہلی
نئی نظر نئے زاویے	۱۹۸۱	پیتامبر ناتھ فانی	روی نواس ۵۸ لال نگر [illegible] ضلع بڈگام (جموں کشمیر)
وائس آف حیدرآباد	۱۹۷۵	سید فاضل	معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد
وحدت اسلامی	۱۹۸۴ء	حسین برخورداری	سفارت خانہ ایران، بارہ کھمبا روڈ نئی دہلی
وراث	۱۹۸۴	وینکٹیشور شاستری	آریہ سماج یاقوت پورہ حیدرآباد
ورنگل ڈیولپمنٹ	۱۹۷۱	اسحٰق یوسفی	کمار پلی مارکیٹ ہنمکنڈہ ورنگل
وطن	۱۹۸۷	اصغر حسین فرشوری	نورخان بازار حیدرآباد
ہمارا کرناٹک		محبوب علی جگر	حیدرآباد (آندھرا)
ہمارا کلچر	۱۹۸۳	احتشام واصف	چھاؤنی نادر علی بیگ یاقوت پورہ حید
ہمارا ہندوستان	۱۹۵۹	اختر امتیاز	اسلامیہ اسٹریٹ نظام آباد (آندھرا)
ہماری زبان	۱۹۵۷/۴۱	خلیق انجم	اردو گھر راؤز ایونیو نئی دہلی
ہماری منزل	۱۹۶۵	شفیع اقبال	ہل سائیڈ حجرہ، پوسٹ کلثوم حیدرآباد (آندھرا)
ہم سفر	۱۹۶۸	خلیل احمد خاں	۱۰۳ ٹرپلی کین ہائی روڈ مدراس (۵)
ہندو	۱۹۲۲	مدن لال	ریلوے روڈ جالندھر (پنجاب)
یوتھ آرگن	۱۹۸۵ء	محمد ابراہیم محمد قاسم انصاری	ملت اسلام پورہ مالیگاؤں

پندرہ روزہ

آپ کا ساتھی	۱۹۸۸	محمد نسیم	کمرہ دینا بینک ہمدرد نگر دہلی
آرپیٹ	۱۹۷۵	ایس ایم صابر	بیرون یاقوت پورہ حیدرآباد (آ)
آواز	۱۹۲۴	سراج احمد	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

رسالہ	سال	مدیر	پتہ
ارضِ وطن	۱۹۷۳	مرزا لیاقت علی	۲۲۸ [illegible]
اشاعتِ حق	۱۹۷۹	نسیم اختر شاہ قیصر	شاہ منزل دیوبند (اترپردیش)
المشرق	۱۹۸۳	روشن آرا	۱۳۹۴ پہاڑی املی دہلی
الہدیٰ	۱۹۷۶	عبدالحفیظ سلفی	لہریا سرائے دربھنگہ (بہار)
انعکاس		اسد رضوی / جمال ناصر	بہا میڈیکل ہال کنہولی ناکا روڈ مظفر نگر
اور کشمیر	۱۹۸۲	این اے قریشی	گاندھی نگر جموں
اورینٹ	۱۹۷۲	محمودہ منیر	نلگنڈہ (آندھرا پردیش)
ایران نیوز	۱۹۸۲	عباس	پوسٹ بکس نمبر حیدرآباد
بخشیات	۱۹۷۰	حکیم محمد یوسف	مولانا شوکت علی اسٹریٹ کلکتہ ۷۳
پنتھ سیوک	۱۹۵۴	بسنت سنگھ صابر	جموں
پیامِ حق	۱۹۷۱	جمیل الرحمٰن	حیدرآباد (آندھرا)
تہذیب الاخلاق	۱۹۸۳		علی گڑھ
جلگاؤں ٹائمز	۱۹۶۷	اکبر رحمانی	تواجی روڈ جلگاؤں (مہاراشٹر)
جموں درشن	۱۹۸۴	سنتوش شرما	۱۴۱۰/۳ راجپورہ منگوتریاں جموں
حسن الخط	۱۹۸۱	محمد ابراہیم	حیدرآباد
حیاتِ نو	۱۹۸۳ء	قاضی غلام احمد	پھلی ٹولہ کانپور
خاکسار	—	محمد لیاقت علی	علی آباد دروازہ حیدرآباد
دار السلطنت	۱۹۶۵	رضی بدایونی	۶۵۸ چاندنی محل نئی دہلی ۱۱۰۰۰۲
[illegible]	۱۹۸۴	مطیع الرحمٰن نعمانی	ملا سلیم خاں دربھنگہ (بہار)
صحت و سائنس	[illegible]	ایم آر انصاری	[illegible] مالیگاؤں
فرمان	۱۹۸۱	ولی تنویر	داراب جنگ لین حیدرآباد (آندھرا)
قومی ایکتا	۱۹۶۱	پرنس سنگھ کمار	بستی بھنیاں فیروزپور [illegible]
فن الخط	۱۹۸۱	محمد ابراہیم	حیدرآباد (آندھرا)
[illegible]	۱۹۷۳	ریاض احمد خاں	[illegible]
[illegible]	۱۹۶۹	محمد صلاح الدین	[illegible]
[illegible]	۱۹۸۲	عزیز بانو	[illegible]

نام	سنہ	مدیر	پتہ
[illegible]	۱۹۴۷	[illegible]	جامعہ نگر نئی دہلی
لوح و قلم	۱۹۸۳	عطاء اللہ خاں ہاشمی	۱۳۰۔ پرتاپ کنڈ ذاکر نگر دہلی ۲۵-۱۱۰۰
مستقبل	۱۹۸۴	ایس ایم شاہ نواز	۲۳۱۴ جوڑ باغ کے ایم پور نئی دہلی
مسلم یونیورسٹی گزٹ	۱۹۵۵	محمد اکرام اللہ خاں	مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (اتر پردیش)
مکتوب	۱۹۶۷	خالد بشیر	محکمہ اطلاعات سری نگر (جموں کشمیر)
معیار حق	۱۹۸۳	ڈی اے رام بھیا	مولوی گنج دھولیہ
مغربی بنگال	۱۹۵۴	محمد اعظم	انفارمیشن اینڈ کلچرل ڈیپارٹمنٹ کلکتہ
مودت	۱۹۸۳	یاور حسین جعفری	۱۰۷/۲۲ کاشانۂ انیس مالیگاؤں (ناسک)
نقیب گولکنڈہ	۱۹۶۶	محمد مظہر شریف	قاضی گلی گولکنڈہ حیدرآباد ۸
ودربھ نامہ	۱۹۸۲	عبدالرحیم نشتر	نشتر پبلیکیشنز مومن پورہ ناگ پور
ہمدرد	۱۹۵۶	حکیم عبدالحمید دہلوی	ہمدرد منزل ہمدرد مارگ دہلی
ہمنشین	۱۹۸۲	شمشاد حسن	کرت پور ضلع بجنور (اتر پردیش)
ہندو مسلم راجپوت گزٹ	۱۹۸۳	قمر قائم خانی	شمس آباد رنگا ریڈی (آندھرا)
ہوشیار پور ٹائمز	۱۹۶۹	ایناس چند سود	چمتہ بازار ہوشیار پور (پنجاب)
یوجنا	۱۹۸۰	جگن ناتھ سنگھ	آر کے پورم نئی دہلی

ماہنامے

نام	سنہ	مدیر	پتہ
آج کل	۱۹۴۲	راج نرائن راز	پبلیکیشنز ڈویژن پٹیالہ ہاؤس نئی دہلی
آندھرا پردیش	۱۹۵۶	ملک محمد علی خاں	ڈائرکٹوریٹ آف انفارمیشن اینڈ
آستانہ	۱۹۵۰	ریحانہ فاروقی	۲۲۲ جامع مسجد دہلی
آئینۂ صدی	۱۹۸۱	ماجد امین	دہلی
البیان	۱۹۸۴	محمد مشیر الدین	مرکزی محرم لائبریری حیدرآباد (آندھرا)
الحسنات	۱۹۸۴	سلیم عبدالحق	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

الفیصل		محمد ہاشم قدوائی	حمایت نگر حیدرآباد
الصلاح	۱۹۷۸	سالم جامعی	الصلاح جامعہ اسلامیہ فریدی تاجپورہ ضلع سہارنپور (اترپردیش)
اوم	۱۹۳۴	برہمانند شکلا	۱۴۸-۹۲ اندرون اجمیری گیٹ دہلی
بانو	۱۹۴۸	زینت کوثر دہلوی	آصف علی روڈ نئی دہلی
تجلی			رام پور (اترپردیش)
بیان	۱۹۳۸		اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶
بنت حوا	۱۹۵۹	مفیدہ خاں	محمد علی روڈ بمبئی
بہار		ایس ایم قیصر	سیکرٹریٹ پٹنہ
بیسویں صدی	۱۹۳۸	رحمٰن نیر	بیسویں صدی پبلی کیشنز دریا گنج دہلی
پروازِ ادب	۱۹۷۹	چرنجیت سنگھ بھنڈر	بھاشا وبھاگ پنجاب پٹیالہ (پنجاب)
پندرہویں صدی	۱۹۸۲	محمود ارشد	۱۰۵۹ گلی راجان فراشخانہ دہلی
پیام تعلیم	۱۹۶۴	شاہد علی خاں	جامعہ نگر نئی دہلی
ترجمان جامعۃ البیانات نذیریہ	۱۹۶۷	نورالرحیم انصاری	خانقاہ نوریہ حیدرآباد (آندھرا)
تبصرہ	-	-	۱۷ مولانا شوکت علی روڈ کلکتہ
تجلی	۱۹۴۹	حسن احمد صدیقی	بازار دیوبند سہارنپور (اترپردیش)
تعمیر	-	-	دہلی بک سنٹر رام سروپ پارک پیلی بھیت (اترپردیش)
تعمیر	۱۹۷۹	خالد بشیر	محکمہ اطلاعات سری نگر [illegible]
تعمیر ریاست	۱۹۸۰	دلیپ روشن	[illegible]
ثاقب	۱۹۷۹	[illegible]	[illegible]
جامعہ	۱۹۱۰	ضیاء الحسن فاروقی	جامعہ نگر [illegible]
[illegible]		[illegible]	[illegible]

پہار رنگ	۱۹۸۰	فاروق صدیقی	۲۲۷۳ گلی قاسم جان بلی ماران دہلی
حاذق	۱۹۸۲	مسعود عالم	کاس گنج ایٹہ (اترپردیش)
حباب	۱۹۷۰	اسحاق مائل محمدآبادی	محلہ پارہ دری محمود خاں رام پور
حرمتن	۱۹۵۶	عمر دراز بیگ	پرنس روڈ مرادآباد (اترپردیش)
خاتونِ مشرق	۱۹۵۷	توفیق فاروقی	۳۲۳ مٹیا محل جامع مسجد دہلی
خوشبو	۱۹۸۲	-	الکبیر پبلیکیشنز ۳۰ کناٹ پلیس دہلی
دارالفرقان	۱۹۸۰	خواجہ حمید احمد	لال ٹیکری حیدرآباد
دین و دنیا	۱۹۲۱	شوکت علی فہمی	۹۰ چھتہ شیخ منگلو جامع مسجد دہلی
ذکریٰ	۱۹۷۱	محمد یوسف اصلاحی	گھر سیف الدین خاں رام پور (یوپی)
رضوان	۱۹۵۰	محمد حمزہ حسنی	محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ
زیر صنعت و حرفت	۱۹۸۱	محمد حنیف	۶۸ پارک اسٹریٹ کلکتہ ۱۷
رہنمائے تعلیم	—	ہربھجن سنگھ تھاپر نارنگ کالونی جنک پوری نئی دہلی ۹	
سب رس	۱۹۳۸	مغنی تبسم	خیریت آباد حیدرآباد (آندھرا)
سرپنچ	۱۹۷۴	فہیم انہونوی	نسیم بکڈپو لکھنؤ
سروج	۱۹۷۴	کے ایم یعقوب علی	لال بٹ پورہ حیدرآباد
سہیل	۱۹۵۳	ادریس سنساروی	بیرل روڈ گیا (بہار)
شاعر	۱۹۳۰	افتخار امام صدیقی	۲۳ فوروجی ٹھاکر روڈ بمبئی ۳
شانِ ہند	۱۹۴۰	ودیا پرکاش سرور تونسوی	۱۵ انصاری روڈ دریا گنج دہلی
شب خون	۱۹۶۶	عقیلہ شاہین	۳۱۳ رانی منڈی الہ آباد (اترپردیش)
شبستان	۱۹۶۸	یونس دہلوی	۱۲/۱۳ آصف علی روڈ نئی دہلی
شمع	۱۹۳۹	یونس دہلوی	۱۲/۱۳ آصف علی روڈ نئی دہلی
شمشیر	۱۹۶۶	قیصر حیدری دہلوی	۲۲۲۴ گلی قبر دہلی ۱۱۰۰۰۶
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	عبدالحمید [illegible]	[illegible]
[illegible]	[illegible]	شیخ قریشی	[illegible]

صراط مستقیم	۱۹۸۳	میر قاسم علی	۳۱۰ ماؤنٹ روڈ مدراس ۲
طلسم حرف	۱۹۸۵	صدر رضا کھنڈوی	الل پورہ کھنڈوہ
عصمت جہاں	۱۹۷۱	نور جہاں ناز	۲۱۲۷ گاندھی نگر دہلی
علم و دانش	۱۹۸۳	غیاث الدین	میونسپل بلڈنگ سٹی ایس اسٹیشن سری نگر
فروغ اردو	۱۹۵۴	محمد شمس علوی	نعمت اللہ روڈ امین آباد لکھنؤ
قلم سنسار	۱۹۵۲	محمد سالم	۱۷۵-۱۷۷ موتی شاہ روڈ بائیکلہ بمبئی
ـکار	۱۹۸۵	احمد سجاد	سکرکوٹ حیدرآباد ۲
اری	۱۹۸۴	محمد میاں مظہر دہلوی	مٹیا محل دہلی ۱۱۰۰۰۶
قرینہ	۱۹۸۲	احمد علی چمن	سلیم پور دہلی
قومی راج	۱۹۴۳	میرزورہ ریاض مال	سپچو الیہ بمبئی
قومی زبان	۱۹۸۱	چندر سری واستو	۳۷-۶-۴-۱۱ اسی گارڈز حیدرآباد
کتاب نما	۱۹۶۶	شاہد علی خاں	جامعہ نگر نئی دہلی
کلیانی	۱۹۸۲	ستر گھن سہائے	نیو سکریٹریٹ پٹنہ (بہار)
کمیونسٹ جائزہ	۱۹۷۷	راج بہادر گوڑ	اجے بھون کوٹلہ روڈ دہلی
کھلونا	۱۹۴۷	الیاس دہلوی	۱۳/۱۴ آصف علی روڈ نئی دہلی
گلفام	۱۹۶۶	سلطان اختر	۹۴۴ مدرح اللہ خاں اسٹریٹ دریا گنج دہلی
گل کدہ	۱۹۸۲	جلیس سہسوانی	رستم ٹولہ سہسوان (بہار)
لگن	۱۹۶۲	دت سہارنپوری	گوبند نگر سہارنپور (اتر پردیش)
مجرم	۱۹۶۶	یونس دہلوی	آصف علی روڈ نئی دہلی
محور	۱۹۸۲	فاروق قیصر	۲۱۴۳ قاسم جان اسٹریٹ دہلی
مریخ	۱۹۸۳	عبد المغنی	میڈی امام ہاؤس، پتھر کی مسجد پٹنہ ۸۰۰۰۰۶
مزدور کی آواز	۱۹۸۱	اوم پرکاش دت	ریشم گھر کالونی جموں (جموں و کشمیر)
ستارہ جوگی	۱۹۰۵	بے پی بیتاگر	۱/۱۲ جنگ پورہ ایکسٹینشن نئی دہلی
الشفا		سید شہاب الدین	نئی دہلی
[illegible]	۱۹۸۲	[illegible]	[illegible]

معارف ۱۹۱۶ [illegible] شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (اتر پردیش)
منادی ۱۹۲۴ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ نظام الدین بستی نئی دہلی۔
نقش کوکن ۱۹۶۲ عبد الکریم ملک ۴۳ سمل روڈ [illegible] ڈونگری بمبئی
نیا دور ۱۹۵۱ امیر احمد انفارمیشن ڈائرکٹوریٹ یوپی لکھنؤ۔
نئی دلی پالیکا بازار ۱۹۸۲ شیام سندر شرما نئی دہلی میونسپل کمیٹی نئی دہلی۔
نئی کرن ۱۹۵۲ اقبال محمد خاں محلہ کوٹ خورجہ (اتر پردیش)
ہدیٰ ملی ڈائجسٹ ۱۹۶۸ احمد مصطفےٰ صدیقی راہی ۴۸ سنٹرل روڈ جنگپورہ بھوگل نئی دہلی
ہزار رنگ - طارق صدیقی ۲۲۲۳ گلی قاسم جان دہلی
ہما ۱۹۶۵ خالد مصطفےٰ صدیقی ۴۸ سنٹرل روڈ جنگپورہ بھوگل نئی دہلی
ہمارا دور ۱۹۶۱ رضوانی واحد ۴۲۷ مٹیا محل ۱۱۰۰۰۶
ہمدرد بلیٹن ۱۹۵۹ عبد الحمید ہمدرد دواخانہ ہمدرد مارگ دہلی
ہمدرد جوہر قمر اقبال جیل روڈ رام پور (اتر پردیش)

دیگر رسائل و جرائد

ادراک ۱۹۸۲ قمر اعظم ہاشمی سدپورہ ضلع مظفرپور (بہار)
اردو ادب (سہ ماہی) ۱۹۵۰ خلیق انجم انجمن ترقی اردو گھر راؤز ایوینیو نئی دہلی
اردو دنیا ۱۹۸۰ مجلس ادارت بیورو فار پروموشن آف اردو۔ آر کے پورم نئی دہلی۔
آفاق (سہ ماہی) سرور محمد ملک سیڑھی دواخانہ گھر کوچہ شہاب خاں [illegible]
افسانہ ۱۹۶۶ اسفندیار خاں ایجوکیشنل بک سیلرز [illegible] مارکیٹ علی گڑھ
البلاغ (رسالہ) مجلس مشاورت مولانا آزاد [illegible]
[illegible] (شمارہ) ۱۹۸۲ ابو الکلام [illegible] لے [illegible]

روشن (سہ ماہی) شمش بدایونی روشن محل محلہ سوتھا بدایوں

زبان وادب (ماہی) ۱۹۷۵ سراج الدین بہار اردو اکادمی پٹنہ

سائنس کی دنیا (ماہی) گلزار زتشی دہلوی دہلی

سفینہ (سہ ماہی) عطا کاکوی گل مہر پبلشنگ بک ہاؤس سنہری باغ پٹنہ

شاہین شاہین لائبریری شاہو نگر بلگاؤں

شعور بلراج مینرا ڈی ۱۴۴ کیلاش کالونی نئی دہلی

شیرازہ (دو ماہی) ۱۹۶۲ محمد یوسف ٹینگ جموں کشمیر اکیڈمی آف آرٹ کلچر اینڈ لینگویجز سرینگر (جموں کشمیر)

صدف (سالنامہ) ۱۹۸۵ قیوم بدر سیوان اسٹارز لائبریری پوسٹ جگندر ۲۴ پرگنہ (مغربی بنگال)

طرہ (سہ ماہی) شفیق الدین خاں لال کنواں دہلی

عصری ادب بہاء الدین ۷ ماڈل ٹاؤن دہلی

غالب نامہ ۱۹۸۱ نذیر احمد ایوان غالب ماتا سندری روڈ نئی دہلی

فکروفن (سہ ماہی) دھرم پال عاقل شملہ

فن اور شخصیت ۱۹۷۵ صابر دت [illegible]

معلم (سہ ماہی) شبیر حسین جوش ذاکر حسین ہائی اسکول اورنگ آباد

معیار شاہد ماہلی ۹۴/۷ سی صفدر جنگ ڈیولپمنٹ ایریا نئی دہلی

نقد ونظر (ششماہی) ۱۹۷۷ اسلوب احمد انصاری، سول لائنز دودھ پور علی گڑھ

نوائے ادب ۱۹۵۲ نظام الدین انجمن اسلام ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ۹۲۔۱۰۱ دادا بھائی نوروجی روڈ بمبئی ۱

نور وقار (دو ماہی) ۱۹۸۵ اظہار افسر قاضی اسٹریٹ لیوی گڈسی بنگلور

نوٹ

مذکورہ بالا فہرست پریس رجسٹرار آف انڈیا کی سالانہ رپورٹ ۱۹۸۴ء اور دستیاب اخبارات ورسائل کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ ان میں سے بعض پرچے ایسے بھی ہیں جو اب یا تو بند ہو چکے ہیں یا بے قاعدگی

پاکستانی اخبارات و رسائل کی دستیاب تفصیل

روزنامے

اخبار	سن	مدیر	پتہ
آزاد			
آغاز			
آفتاب	۱۹۸۳ء	ممتاز طاہر / ظہور عالم شہید	لکشمی چوک لاہور ملتان
امروز	۱۹۵۰ء	حمید جہلمی	لاہور / ملتان
امن	۱۹۶۲ء	افضل صدیقی	چندریگر روڈ کراچی
پنجاب نیوز			فیصل آباد
تجارت	۱۹۶۵ء	جمیل اطہر	۱۱۴ ایبٹ روڈ لاہور
جسارت	۱۹۷۰ء	محمود احمد مدنی	محمد بن قاسم روڈ کراچی
جنگ	۱۹۳۹ء	خلیل الرحمٰن	کراچی / لاہور / راولپنڈی
حریت	۱۹۶۳ء	سجاد میر	ڈاکٹر ضیاء الدین احمد روڈ کراچی
[illegible]	۱۹۸۱ء	محمد رفیع بٹ	۱۹۰۱ / ایم مری روڈ راولپنڈی فیصل[illegible]
شہباز		محمد رشید [illegible]	پشاور
[illegible]			
مشرق	[illegible]	ضیاء الاسلام انصاری	۴ ایبٹ روڈ لاہور / کراچی / پشاور

مغربی پاکستان ۱۹۴۸ء ایم شفاعت میکلوڈ روڈ لاہور / بہاولپور / سکھر
ملت فیصل آباد
نصرت حق
نوائے وقت ۱۹۴۱ء مجید نظامی ۴ شارع فاطمہ جناح روڈ لاہور / کراچی / راولپنڈی
وفاق ۱۹۶۴ء مصطفےٰ صادق ۶-اے وارث روڈ لاہور / راولپنڈی / سرگودھا
ہلال پاکستان رحیم یارخان /

هفت روزه

احسان (تقاضے) پیام شاہجہان پوری این / ۲۳ عوامی فلیٹس ریواز گارڈن لاہور
اخبار جہاں ۱۹۶۶ء میر جاوید رحمٰن چندریگر روڈ کراچی
استقلال ۱۹۷۳ء ظہور عالم شہید ۳-اے کوپر روڈ لاہور
الہام مسعود شارب دہلوی بہاولپور
انصاف راولپنڈی
تکبیر ۱۹۷۹ء محمد صلاح الدین اے ون تیسری منزل ناکو سنٹر کیمبل اسٹریٹ کراچی
چٹان ۱۹۴۹ء مسعود شورش میکلوڈ روڈ لاہور
حرمت ۱۹۸۲ء زاہد ملک اکبر ہاؤس مرکز جی /۸ اسلام آباد
معیار ۱۹۷۶ء محمود شام ۲۶۱۰ بلاک ۳ گلشن اقبال کراچی

پندره روزه

دید شنید محمد رفیق ڈوگر ۱۱۹ ستلج بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور ۱۸

ماہنامے

ادب لطیف صدیقہ بیگم ۳۳ سی / ۲ گلبرگ لاہور
[illegible] ۱۹۵۰ء شیر [illegible] ۲۹۹ گوال منڈی بازار راولپنڈی / لاہور
[illegible] ترقی اردو بورڈ [illegible] کراچی
[illegible] مشفق خواجہ [illegible]

	کشور ناہید	کراچی
موج ڈائجسٹ	ادیب خاوردانی	۲۷ نسبت روڈ لاہور
نقوش	جاوید طفیل	ادارہ فروغ اردو ایبک روڈ کراچی
نگار	الیاس رشیدی	کراچی
نگار پاکستان	فرمان فتح پوری	۲۴ گارڈن مارکیٹ کراچی

سہ ماہی

ادبیات	۱۹۸۷ء ضمیر جعفری	اکادمی ادبیات پاکستان مکان نمبر ۱۳ گلی نمبر ۱۲ ایف ۸/۱ اسلام آباد
الزبیر	مسعود حسن شہاب دہلوی	اردو اکادمی بہاولپور
جرنلزم	مسکین علی حجازی	شعبۂ ابلاغیات جامعہ پنجاب لاہور
صحیفہ	وحید قریشی	۲ کلب روڈ لاہور
عافیت	خواجہ قمر الحسن	۳۰۸ نیو راما سنٹر سمرسٹ اسٹریٹ کراچی

دیگر اخبارات و رسائل

ارتعاش (مسعود اعجاز بخاری۔ سید مطلوب احمد) ماہنامہ الفاظ کراچی افق کراچی
اقراء ڈائجسٹ کراچی الانصار کراچی العلم (الطاف علی بریلوی) القلم علامہ اقبال روڈ لاہور
المعارف کراچی انصاف راولپنڈی اہل قلم (حسین سحر) ملتان ایسٹرن نیوز
بچوں کا رسالہ کراچی پاسبان حیدرآباد ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ ماہنامہ جذبہ کراچی
جریدہ (زیتون بیگم) گجرات جہاں نما، رابطہ نثار زبیری
رسالہ حبیب ارشد حیدرآباد روایت سہیل عمر سب رنگ ڈائجسٹ کراچی شام و سحر
خالد شفیق، سائبان جمیل قریشی بہاولپور ماہنامہ قلم ایشیا منیر حسین ماہنامہ [illegible]
خوبرنس کراچی صحافت لاہور صدائے عام کراچی عصمت حیدرآباد
ماہنامہ [illegible] ڈائجسٹ لاہور ماہنامہ کرن ہفت روزہ کشمیر راولپنڈی [illegible]
[illegible] کراچی سلسلات ہفت روزہ کراچی معیار کراچی میڈیکل [illegible]
[illegible] ہفت روزہ وحدت کراچی وطن دوست [illegible]

حالیہ برسوں میں غیر ممالک سے اشاعت پذیر اخبارات و رسائل

آواز ماہنامہ - سہیل اختر ۱۰۰ اکاروںنز اسکوئرا سکاربرو اونٹ کینیڈا M1B 22B

اخبار گلوگٹ پندرہ روزہ ۱۹۷۵ء عترت حسین سید یوسف نکس ۲۵۵ اسٹیشن ٹورنٹو اونٹاریو M 4R 2NP کینیڈا

اخبار وطن ہفتہ وار ۱۹۸۱ء عبدالرزاق ۲۶۱ ہوئے اسٹریٹ لندن ایسٹ

اردو انٹرنیشنل سہ ماہی ۱۹۸۲ء اشفاق حسین ۹ پینتیسویں اسٹریٹ شوٹ ۲ اوسٹاریو کینیڈا 18W 3J8

الوصال ۱۹۸۶ء زین العابدین ۱۵۰ نواب پور روڈ ڈھاکا بنگلہ دیش

الہلال پندرہ روزہ ۱۹۷۰ء الیس سجاد حیدر ۳۳۸ بالی سیری ولوڈیل اونٹاریو کینیڈا M2H 2P6

امروز ۔ ۔ ۔ ۱۹۸۰ء عابد جعفری ۸۹ جانق فیبر شریل اسکاربرو اونٹا کینیڈا M1B 2PM

انتخاب - ذاکر عزیزی مرکز تخلیق ادب ڈاکٹر ذاکر الحق سید پور فلسفاری ڈھاکا بنگلہ

۱۹۷۷ء مسعود خان ۳۱۰۰ ڈکسی روڈ س۔ اونٹاریو کینیڈا L4Y 3W4

پاکیزہ انٹرنیشنل - شاہ تاج فاطمہ الیکس انگلن الونہ لیز رکسس ڈیل اونٹاریو کینیڈا

پیامبر پندرہ روزہ سہیل اختر اونٹاریو اسکوئیر اسکار [illegible]

جنگ				لندن
حال پاکستان	پندرہ روزہ	۱۹۸۲ء	-	۱/۱۳۳۲ بنگ اسٹریٹ اونٹاریو M4T 1W3 کینیڈا
دستک	-	۱۹۸۱ء	امجد انصاری	۴۳۳۹ ماروینا ڈرائیو ہوسٹن ٹیکساس امریکہ TX7 7083
دھنک	ماہنامہ	۱۹۸۳ء	معرفت شہزاد	پی او بی ۴۷۵۳ پینوراما سٹی کیلیفورنیا
رابطہ	ماہنامہ	۱۹۸۳ء	محمد ریاض غزنوی	ٹرانس کانٹی نینٹل کارپوریشن ص ب ۹۹۲۵ سعودی عرب جدہ (پبلشنگ ہاؤس ہانگ کانگ)
راوی				لندن
شمع	ماہنامہ	۱۹۸۰ء	عالیہ سلطانہ	پوسٹ بکس ۱۳۰۴ اسٹیشن بی ۳۱۰۰ مسی ساگا اونٹاریو L4Y 3W4 کینیڈا
قصد	ماہنامہ	۱۹۸۰ء	عارف صلاح الدین	راؤنڈین ایشیا لمیٹڈ ۱۰۰۱ ایسٹرن بنک بلڈنگ ڈیلس واکس روڈ ہانگ کانگ
لیڈر	-	۱۹۸۳ء	ایم این نظامی	پوسٹ باکس ۷۹۹۳ پوسٹل اسٹیشن او ٹورنٹو اونٹاریو M4A 2P2 کینیڈا
مساوات	ماہنامہ	۱۹۸۳ء	آغا سرور ذوالفقار	۳۱۰ میڈیسن ایونیو روم ۱۲۲۴ نیو یارک ۱۰۰۱۷
مشرق				لندن
ملاپ	ہفت روزہ		سوہنی	لندن (انگلینڈ)
ملت	پندرہ روزہ	۱۹۸۲ء	-	۲۳۳۵ جان اسٹریٹ سوٹ ۳۰۴ ڈاؤن ویو اونٹاریو
ملت				لندن

قرۃ العین حیدر کو آنند سمان کا انعام

ڈاکٹر کبیر احمد جائسی کو نقوش ادبی ایوارڈ

جگن ناتھ آزاد کو اقبال ایوارڈ